تمہید ابو شکور سالمی رحمۃ اللہ تعالیٰ

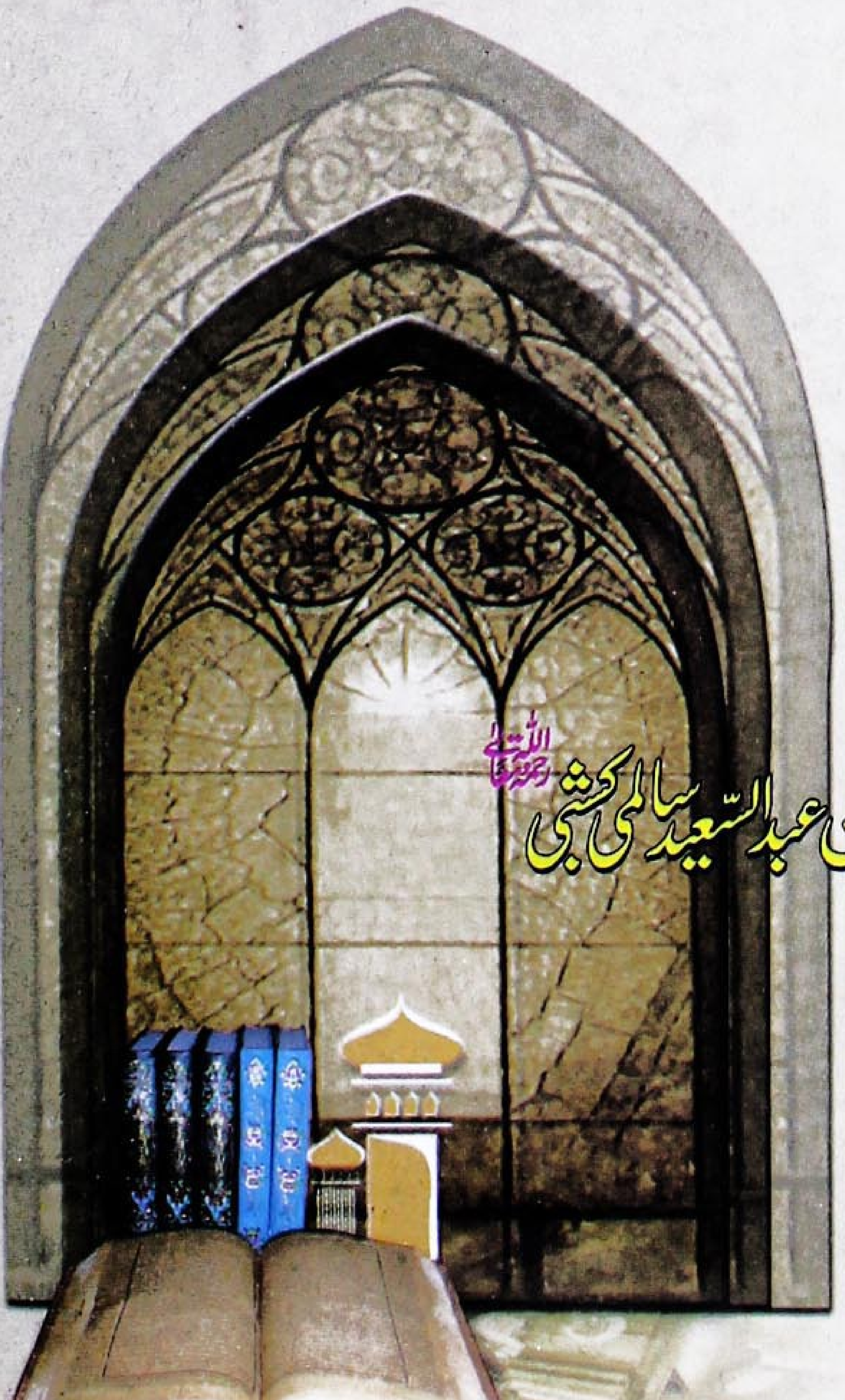

تصنیف

امام اہلِ سنّت علامہ ابو شکور محمد بن عبد السعید سالمی کشی رحمۃ اللہ تعالیٰ

ترجمہ

مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت علامہ

ابوالبرکات سید احمد قادری

خلیفہ امام احمد رضا قادری بریلوی رحمہما اللہ تعالیٰ

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ)
۳۸۔ اردو بازار لاہور

Marfat.com

Copyright ©
All Rights reserved
This book is registered under the copyright act. Reproduction of any part, line, paragraph or material from it is a crime under the above act.

جملہ حقوق محفوظ ہیں
یہ کتاب کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ ہے، جس کا کوئی جملہ، پیرہ، لائن یا کسی قسم کے مواد کی نقل یا کاپی کرنا قانونی طور پر جرم ہے۔

81446

تصحیح : حافظ محمد اکرم ساجد، عبدالقیوم
مطبع : رومی پبلیکیشنز اینڈ پرنٹرز، لاہور
الطبع الاوّل : جمادی الاوّل 1428ھ / جون 2007ء
قیمت : -/165 روپے

Farid Book Stall®
Phone No:092-42-7312173-7123435
Fax No.092-42-7224899
Email:info@faridbookstall.com
Visit us at:www.faridbookstall.com

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اُردو بازار لاہور
فون نمبر ۰۹۲۔۴۲۔۷۳۱۲۱۷۳۔۷۱۲۳۴۳۵
فیکس نمبر ۰۹۲۔۴۲۔۷۲۲۴۸۹۹
ای۔میل : info@faridbookstall.com
ویب سائٹ : www.faridbookstall.com

Marfat.com

فہرس

تمہید (ابوشکور سالمی)

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
1	عرضِ ناشر	21
2	تمہید ابوشکور سالمی اور اس کے مصنف	22
3	امام ابوشکور سالمی رحمہ اللہ تعالیٰ	27
4	تمہید شریف کا ترجمہ	30
	پیر محمد حسن کے مکتوب کا عکس	33
5	سید صاحب کے ترجمہ کا پہلا صفحہ	34
6	سید صاحب کے ترجمہ کا درمیانی صفحہ	35
7	سید صاحب کے ترجمہ کا آخری صفحہ	36
	باب اوّل عقل کے بیان میں	37
1	قول اوّل: ماہیت عقل میں	37
2	تمہید	37
3	عقل کیا ہے؟	37
4	تحقیق کلام	38
5	عقل کی دوسری تعریف	38
6	اس قول کی تردید	39
7	تیسری تعریف	40
8	چوتھی تعریف	40
9	پانچویں تعریف	40

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
10	چھٹی تعریف	40
11	ساتویں تعریف	40
12	آٹھویں تعریف	40
13	نویں تعریف	41
14	دسویں تعریف	41
15	دوسرا قول: عقل کی مقدار کیا ہے؟	41
16	عقل میں مساوات کے دلائل	42
17	اہل سنت و جماعت کے عقل کے متفاوت ہونے پر دلائل	43
18	عقل کی تعریف میں اختلاف لفظی ہے	43
19	انبیاء علیہم السلام میں درجۂ کمال کی عقل ہوتی ہے	44
20	تیسرا قول: عقل کے فائدہ اور اس کے زوال کا بیان	45
21	انبیاء و ملائکہ سے عقل کا زوال اور قصور ناممکن ہے	45
22	چوتھا قول: عقل معرفت کا ذریعہ ہے	46
23	ابوالحسن اشعری کا نقطۂ نظر	47

Marfat.com

نمبر شمار	عقل عنقا آلۂ معرفت ہو	صفحے کی	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	دلیل	47	44	قبیح کی قسمیں	64
			45	صورتِ مسئلہ	64
25	عقل کا محل	47		دوسرا باب	
26	پانچواں قول: کیا عقل حجت ہے؟	49		محسوس و معلوم کا بیان	67
27	چھٹا قول: عقل سے احکام ثابت		1	پہلا قول	67
	ہونے کی بحث	51	2	پانچ حواس کا بیان	68
28	معتزلہ کا مذہب	52	3	علم کا ذریعہ طبیعت ہے	68
29	امام ابوالحسن اشعری کا قول	52	4	عرض بے قرار ہے	68
30	اہل سنت و جماعت کا موقف	52	5	فلاسفہ کے نزدیک حس کی تعریف	68
31	اہل سنت ماتریدیہ کا موقف	53	6	حواسِ خمسہ باطنہ	69
32	امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ		7	پانچ باطنی حواس کیا ہیں؟	70
	کے ارشادِ مبارک کی وضاحت	54	8	محسوس اور معلوم میں فرق	70
33	عقل تنہا موجبِ ایمان نہیں	54	9	دوسرا قول: طبع اور آلہ کا بیان	70
34	عقل اپنی پہچان سے قاصر ہے	55	10	(فطرت کائنات) یا طبع کے	
35	عقل کے موجب ایمان نہ بننے			بارے میں مختلف مذاہب	71
	کی دلیل	55	11	نیچریہ بے وقوف ہیں	72
36	دلیل کی تعریف	56	12	طبیعت حقیقت میں کیا ہے؟	72
37	ساتواں قول: بچوں کا بیان	57	13	مناظرہ کا طریقہ	72
38	آٹھواں قول: عقل افضل ہے یا علم؟	60	14	حکایت	74
39	عقل والوں کی فضیلت کا بیان	60	15	تیسرا قول: جز اور کل کا بیان	74
40	جبرئیل افضل ہیں کہ ابوبکر صدیق؟	63	16	مناظرہ کا طریقہ	75
41	فرشتے افضل ہیں یا اولیاء؟	63	17	چوتھا قول: روح اور حرکت کا بیان	77
42	نواں قول: مستحسناتِ عقل کا بیان	64	18	روح کے بارے میں مسلمانوں	
43	حسن و قبح کی قسمیں	64		کا عقیدہ	77

Marfat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
19	جو گروہ روح کے قدیم ہونے کے قائل ہیں	77
20	ان گروہوں کے ساتھ مناظرہ کا طریقہ	79
21	حرکت کی قسمیں	79
22	دوسری تقسیم کے اعتبار سے حرکت کی چھ قسمیں	80
23	پانچواں قول: آثارِ علویہ کا بیان	80
24	آسمان اور ستاروں کی گردش حکمِ الٰہی کی پابند ہے	81
25	سبب اور علّت میں فرق	81
26	علم نجوم منسوخ ہو چکا ہے	81
27	منسوخ پر عمل کرنا باطل ہے	82
28	علم نجوم اور شمس الائمہ حلوانی رحمہ اللہ علیہ کا فتویٰ	82
29	علم نجوم کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا فرمانِ مبارک	82
30	نجومی اور اس کی تصدیق کرنے والا دونوں کافر ہیں	82
31	ستاروں کی تخلیق کا فلسفہ	83
32	علم نجوم کے منسوخ ہونے کی تاریخ	84
33	مناظرہ کا طریقہ	84
34	چھٹا قول: تعریفاتِ اشیاء اور تخلیق کائنات کا بیان	85

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
35	حد کے لغوی معنیٰ	85
36	قدیم کی تعریف	85
37	دھریوں کا مذہب	86
38	قدیم وقدم میں فرق	86
39	نعت اور صفت کیا ہوتی ہیں؟	86
40	صفت کا بیان	86
41	نعت اور صفت کی اصطلاحی تعریف	87
42	صفت کے بارے میں کرامیہ اور بعض عاشقوں کا مذہب	87
43	نعت وصفت اور فقہاء اہل سنت وجماعت	87
44	اسم کی لغوی تحقیق	87
45	اسم کا مادۂ اشتقاق	87
46	محققین اور اصولیوں کے نزدیک اسم کی تعریف	88
47	محدث کسے کہتے ہیں؟	88
48	جوہر کس کو کہتے ہیں؟	88
49	دیگر فرقوں کے نزدیک جوہر کی تعریف	88
50	جسم کی تعریف	88
51	معتزلہ جسم کسے کہتے ہیں؟	88
52	اہل سنت و جماعت جسم کس کو کہتے ہیں؟	88

Marfat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
53	عرض کسے کہتے ہیں؟	88
54	معتزلہ و متفقشفہ عرض کس کو کہتے ہیں؟	89
55	صورت، ہیئت، جثہ اور بدن کسے کہتے ہیں؟	89
56	ذات، نفس اور شئی کیا ہیں؟	89
57	کلام کسے کہتے ہیں؟	89
58	ساتواں قول: حدوثِ عالم کا بیان	91
59	جاننے کی چند باتیں	91
60	عالم کی دو قسمیں ہیں	91
61	عالم کے محدث ہونے کی بُرہان	92
62	محدث کی تعریف	92
63	عرض کے خواص وعلامات	92
64	عرض اور جوہر دونوں کی ابتداء اور انتہاء ہوتی ہے	92
65	حدوثِ عالم پر ایک اور دلیل	92
	تیسرا باب	
	اثباتِ صانع کا بیان	94
1	علم کی قسمیں	94
2	علم حادث کی قسمیں	94
3	علم ضروری کی تعریف	94
4	علمِ استدلالی کسے کہتے ہیں؟	94
5	تفصیلی بیان	95
6	علم ضروری اور علم استدلالی میں فرق	95
7	دوسرا قول: قِدم کا بیان	98
8	جہان کا پیدا کرنے والا قدیم ہے	98
9	ایک محل میں دو چیزوں کا جمع ہونا محال نہیں	98
10	قدیم اور محدث میں چار وجہ سے فرق	99
11	تیسرا قول: وحدانیت کا بیان	100
12	خدا ایک ہے	100
13	اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں قدیم ہے	100
14	وجہ استحالہ	101
15	دوسری شق پر بات	102
16	خدا کی وحدانیت پر دلیل	103
17	چوتھا قول: ''ضد'' اور ''ند'' کا بیان	105
18	ضد کسے کہتے ہیں؟	105
19	ضد کہاں پائی جاتی ہے؟	105
20	اضداد کا وجود صرف اعراض میں کیوں ضروری ہے؟	105
21	اللہ تعالیٰ ''ند'' سے پاک ہے	106
22	نظیر کس کی ہوسکتی ہے؟	106
23	صورت کسے کہتے ہیں؟	107
24	دلیل کہ اللہ تعالیٰ کی صورت نہیں	110
25	پانچواں قول: اینیت کا بیان	110

Marfat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
26	جہمیہ اور معتزلہ کا نظریہ	111
27	فرقہ متقشفہ	111
28	توحید تین قسم کی ہے	112
29	امام اعظم ابوحنیفہ کا ارشاد مبارک	112
30	روئیدادِ مناظر	113
31	ابوشکور سالمی کا فرقۂ متقشفہ کے ساتھ مناظرہ کی روئیداد	113
32	اللہ جسم اور جوہر نہیں ہے	113
33	چھٹا قول: ماہیت کا بیان	114
34	خدا بے نیاز ہے	114
35	ماہیت کسے کہتے ہیں؟	115
36	علت کسے کہتے ہیں؟	115
37	فرقہ مشبہہ کا ماہیت کے بارے میں نظریہ	116
38	متقشفہ اور نظریۂ ماہیت	116
39	متقشفہ اور بعض حشویہ کا مسلک	117
40	حشویہ کے نزدیک جسم کی تعریف	117
41	منجمہ کا نظریہ	118
42	فرقۂ تناسخیہ کا مسلک	118
43	''ھو الاوّل'' کی دلیل کا جواب	119
44	اللہ کی خالقیت کے بارے مجوسیوں کا عقیدہ	119
45	فرقۂ قدریہ کا نظریہ الوہیّت و خالقیت	119
46	فرقۂ ثنویہ کے دو خدا ''لا ھی'' اور ''لا ھو'' ہیں	120
47	یہودیوں اور عیسائیوں کا عقیدۂ الوہیت	120
48	اباحیہ اور ممانعیہ فرقوں کا نظریہ	120
49	بعض روافض کا عقیدہ	120
50	ساتواں قول: مُتربّی (یعنی مُدّعیِ ربوبیّت) کا بیان	121
	چوتھا باب	
	صفاتِ الٰہیہ کا بیان	123
1	اہل سنت و جماعت کا مسلک	125
2	معتزلہ اور مسئلہ صفاتِ باری تعالیٰ	126
3	دوسرا قول: صفاتِ ذاتیہ اور صفاتِ فعلیہ کا بیان	127
4	متقشفہ کا مسلک	127
5	مصنف کا حشویہ سے مناظرہ	127
6	تحقیق مسئلہ	128
7	تیسرا قول: اس کا بیان کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے خالق ہے	129
8	اشعریہ اور کرامیہ کا مسلک	129
9	ابوشکور سالمی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے ایک اشعری سے مناظرہ کی روئیداد	130

Marfat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
10	چوتھا قول: اللہ تعالیٰ کے علم کا بیان	131
11	اللہ تعالیٰ معدوم کو بھی جانتا ہے	131
12	سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد مبارک	132
13	پانچواں قول: سمع و بصر کا بیان	134
14	چھٹا قول: ارادہ و مشیت کا بیان	134
15	اہل سنت و جماعت کا مسلک	135
16	روایت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	136
17	غیلان قدری کا واقعہ	137
18	ساتواں قول: فضل و عدل کا بیان	138
19	معتزلہ کا مسلک	139
20	معتزلہ کے نزدیک صفت فضل کیا ہے؟	139
21	فضل کسے کہتے ہیں؟	139
22	چار خصوصیاتِ انبیاء کرام	139
23	عدل اور اہل سنت و جماعت	140
24	معتزلہ عدل کسے کہتے ہیں؟	141
25	آٹھواں قول: تکوین و مکوّن کا بیان	142
26	متصوفین کا مسلک	143
27	نواں قول: باری تعالیٰ کے کتنے صفات ہیں؟	144
28	دسواں قول: آیاتِ متشابہات پر ایمان لانے کا بیان	146
29	معتزلہ اور جہمیہ کا مذہب	146
30	معتزلہ کا مسلک	148
	باب پنجم **اسماء حسنیٰ کا بیان**	149
1	قول اوّل: اسماء حسنیٰ میں ہے	149
2	معتزلہ کا مسلک	150
3	دوسرا قول: اسم مسمّٰی کا عین ہے یا غیر	151
4	اسم ذات میں اختلاف کا بیان	151
5	اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء حسنیٰ ہیں	152
6	تیسرا قول: اسماء باری تعالیٰ کتنے ہیں؟	152
7	اللہ تعالیٰ کی کتابوں اور صحیفوں کا نام کلام اللہ ہے	153
8	چوتھا قول	154
9	مشترک اسماء	154
10	وہ اسماء مبارک جو اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں	155
11	پانچواں قول: نبیوں، رسولوں اور فرشتوں کے ناموں کا بیان	155
12	چھٹا قول: لغوی اور معنوی حیثیت سے چیزوں کے ناموں کا بیان	156

Marfat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
13	اجمال کا بیان	156
	چھٹا باب رسولوں پر نزولِ وحی کے اثبات کا بیان	158
1	پہلا قول: اس بیان میں کہ وحی کا نازل کرنا اور پیغامبروں کا بھیجنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بمقتضائے حکمت ضروری ہے	158
2	فرقۂ وہمیہ اور فکریہ کے نزدیک ادراک کی دلیل	159
3	الہامیہ کا مسلک	159
4	فلاسفہ نیچریہ، منجمہ کا مسلک	160
5	اثباتِ وحی کی آٹھ دلیلیں	160
6	ظلم کسے کہتے ہیں؟	161
7	عدوان کی دو قسمیں	161
8	حقوق اللہ میں عدوان	161
9	چور کا ہاتھ کہاں سے کاٹا جائے؟	162
10	کتنا مال چوری کرنے پر ہاتھ کاٹا جائے گا	162
11	مال کی اقسام	162
12	حقوق اللہ میں زیادتی کے احکامات	162
13	دوسرا قول: عصمت انبیاء کا بیان	165
14	اشعریہ	165
15	متقشفہ اور عقیدۂ عصمت نبوت	166
16	بعض حضرات کا عقیدہ	166
17	بعض معتزلہ کا مذہب	166
18	اہل سنت و جماعت اور عصمت نبوت	166
19	انبیاء خاتمہ سے مامون ہوتے ہیں	169
20	پہلی شریعتوں میں آزاد کی خرید وفروخت جائز تھی، ابتداء اسلام میں حر کی بیع جائز تھی	169
21	بعض فقہاء اور مسئلہ عصمت انبیاء	169
22	تیسرا قول: انبیاء کرام کے معجزوں کے بارے میں	170
23	چوتھا قول: اعجازِ قرآن اور نبی کریم ﷺ کی رسالت کا بیان	173
24	قرآن غیر مخلوق ہے	175
25	پانچواں قول: اس کا بیان کہ قرآن کا اعجاز نظم سے ہے یا معنیٰ سے	175
26	چھٹا قول: کتب ماضیہ کا بیان، کتب سابقہ بھی معجز ہیں یا نہیں؟	176
27	سابقہ کتب سماویہ معجز نہیں	177
28	ساتواں قول: رسول کی پہچان کا بیان	177
29	آٹھواں قول: نبی اور متنبی کا بیان (سچے نبی اور جھوٹے نبی کا بیان)	178
30	نواں قول: نبی اور ولی کا بیان	179

Marfat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
31	نبی کسے کہتے ہیں؟	179
32	ولی کسے کہتے ہیں؟	179
33	فقہاء اہل سنت کا مسلک	180
34	ولی کی کرامت اپنے زمانہ کے نبی کا معجزہ ہوتا ہے	180
35	ولی اور نبی میں فرق	181
36	دسواں قول: نبی افضل ہے یا ولی؟	181
37	گیارہواں قول: اس کا بیان کہ انبیاء کرام بعض بعض سے افضل ہیں	182
38	بارہواں قول: اس کا بیان کہ کیا ولایت اور نبوت سلب ہو سکتی ہے یا نہیں؟	182
39	ولایت	184
40	فاسق ولایت کا اہل نہیں ہو گا، اسرارِ الٰہی پر مطلع ہونا ولایت ہے	185
41	ولایت کی قسمیں	185
42	تیرھواں قول: اس بارے میں کہ معجزہ جب خاص کے لیے ہو تو وہ عام کے حق میں بھی ہوتا ہے یا نہیں؟	185
43	یہود و نصاریٰ خاص کے لیے معجزہ ہو تو سب کے لیے کافی نہیں سمجھتے	186
44	اجماع اور اجتہاد کی حجیت پر بحث	186
45	اجتہاد اور اجماع حجت ہیں	186
46	اہل سنت اور حجیت اجماع	186
47	دوسری دلیل پر حجیت اجماع	187
48	چودھواں قول: اس امر کا بیان کہ ایک زمانہ میں دو مختلف شریعتیں مقرر ہو سکتی ہیں یا نہیں؟	187
49	ایک وقت میں دو مختلف شریعتیں کیوں نہیں چل سکتیں؟	188
50	ایک وقت میں دو امام ہو سکتے ہیں یا نہیں؟	188
51	امام کون مقرر کرے گا؟ نیز امامِ وقت کے فرائض منصبی کیا ہوں گے؟	189
52	روافض و معتزلہ کی رائے	189
53	اہل سنت و جماعت کا مؤقف	189
54	اہل سنت کی دلیل	190
55	صحابہ نے براہِ راست حضور سے دین سیکھا	190
56	پندرھواں قول: صاحبِ شریعت اور صاحبِ دعوت کا بیان	191
57	معتزلہ و قدریہ کا عقیدہ اور اس کی تردید	191
58	صاحبِ شریعت کسے کہتے ہیں؟	191
59	جو آدم علیہ السلام کو صاحبِ شریعت نہ مانے، کافر ہے	191
60	صاحبِ شریعت اور صاحبِ دعوت رسولوں میں فرق؟	192

Marfat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
61	کیا آدم علیہ السلام صاحبِ کتاب وشریعت تھے؟	192
62	سولھواں قول: اس کا بیان کہ صاحبِ شریعت پر وحی نازل ہونے سے قبل کسی سابقہ شریعت پر عمل کرنا لازم ہے یا نہیں؟	192
63	احناف اور شوافع کا فتویٰ	192
64	اگر کسی نے لڑکا ذبح کرنے کی نذر مانی تو بکری ذبح کرنا پڑے گی	193
65	وحی ملنے سے پہلے سابقہ شریعت پر عمل کیوں واجب ہوتا ہے؟	193
66	حضور ﷺ پر ''انجیل'' کی پیروی واجب نہ تھی	194
67	کیا آسمان سے اترنے کے بعد حضرت عیسیٰ لوگوں کے امام ہوں گے؟	194
68	امام مہدی ہی عیسیٰ علیہ السلام ہیں	194
69	نماز پڑھانے سے امام متبوع نہیں ہوجاتا، حقیقی متبوع حضور اقدس ہی ہیں	195
70	فقہاء وائمہ کی متابعت حقیقت میں حضور کی متابعت ہے	195
71	سترھواں قول: شریعت وکُتُب کے نسخ کا بیان	195
72	اٹھارہواں قول: قرآن مجید اور وحی کے نازل ہونے کا بیان	197
73	امام ابو یوسف اور امام ابوحنیفہ کے درمیان مسئلۂ قرآن پر چھ مہینے مناظرہ ہوتا رہا	198
74	انیسواں قول: قرآن کیا ہے؟	199
75	کیا قرآن محدث ہے؟ نہیں تو کیوں؟	200
76	جو اللہ کو محل حوادث ٹھہرائے کافر ہے	200
77	معتزلہ کا مسلک	201
78	ابن عباس اور خلق قرآن کا مسئلہ	201
79	کلام، تکلم، تکلیم میں کیا فرق ہے؟	203
80	فقہاء اہل سنت کا ارشاد	203
81	اللہ کیسے کلام فرماتا ہے؟	203
82	بیسواں قول: سات قراءتوں (قراءت سبعہ) کا بیان	204
83	ساتوں قراءتوں سے نماز جائز ہے	204
84	قراءت سبعہ میں سے کسی ایک کا انکار بھی کفر ہے	204
85	قراءت سبعہ کے علاوہ کسی قراءت کا منکر کافر نہیں ہوگا	205
86	روایت معروف کا انکار کرنے والا فاسق ہے	205
87	اکیسواں قول: قرآن کریم کے	

Marfat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	جمع کرنے کا بیان	205
88	جمع قرآن کا کام عہدِ صدیقی میں شروع ہو چکا تھا	205
89	عہدِ عثمانی میں قرآن کریم مدوّن شکل میں منظرِ عام پر آیا	206
90	مصحفِ علی پر صحابہ کا اجماع نہیں ہوا تھا	206
	ساتواں باب	
	معرفت اور ایمان کا بیان	207
1	پہلا قول: اللہ کے حقیقی عارفوں کا بیان	207
2	معرفت کی دو قسمیں ہیں	207
3	معرفتِ صفات کی تین قسمیں ہیں	207
4	صفات میں تحیُّر توحید ہے اور ذات میں تحیُّر کفر ہے	208
5	مبتدعین کا نظریہ	208
6	خدا کیا ہے؟ اور کیسا ہے؟	208
7	معرفت کسے کہتے ہیں یا وہ کیا ہے؟	209
8	معرفت کا ایک اور مطلب	209
9	معرفت کا تیسرا معنیٰ	209
10	اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات بے کم و کیف ہے	209
11	اعضاء کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بطورِ نفی بھی درست نہیں	209
12	اللہ تعالیٰ کو ساقی اور مہمان نواز نہیں کہہ سکتے	210
13	دوسرا قول: استدلال اور تقلید کا بیان	210
14	اہل سنت و جماعت	211
15	تقلید کسے کہتے ہیں؟	212
16	ایمان میں تقلید جائز نہیں	212
17	روایت	214
18	تیسرا قول: رکنِ ایمان کا بیان	215
19	مؤمن کے تین درجے ہیں	215
20	آیت کا صحیح مفہوم	218
21	ایک سجدہ نہ کرنے سے شیطان کا کافر ہونا، تو جو پوری نماز ترک کر دیتے ہیں؟	219
22	کبیرہ گناہوں سے ایمان سلب نہیں ہوتا	220
23	ایمان کی دو قسمیں	221
24	ایمان مجمل کن چیزوں سے مکمل ہو جاتا ہے؟	222
25	چوتھا قول: ایمان کی شرائط اور اس کے شرائع کا بیان	223
26	شرائط اور شرائع میں فرق	224
27	شرائط اور شرائع کے درمیان دوسرا فرق	224
28	پانچواں قول: اس کا بیان کہ ایمان	

Marfat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	گھٹتا بڑھتا ہے یا نہیں؟	226
29	ترجیحی بات	230
30	چھٹا قول: ایمان میں شک وشبہہ کے بارے میں	231
31	ساتواں قول: ایمانِ میثاق کا بیان	235
32	چند نظریات	235
33	بعض فقہاء کا مسلک	236
34	کیا میثاق کے بعد ان پر موت آ گئی تھی؟	236
35	کیا میثاق کا حکم اب بھی باقی ہے؟	236
36	استفہام کے دو معنیٰ	237
37	آٹھواں قول: ایمان اور اسلام میں کیا فرق ہے؟	239
38	بعض فقہاء کا نظریہ	239
39	رافضیوں کا نظریہ	239
40	معتزلہ کا نظریہ	239
41	سب انبیاء کرام کا دین ایک ہے	240
42	خلاصۂ کلام	240
43	درحقیقت مسلمان اور مؤمن کا ایک مطلب ہے اسلام اور ایمان میں صرف لفظی فرق ہے	241
44	بظاہر دو آیتوں میں تعارض کا جواب	241
45	نواں قول: ایمان کا بیان (ایمان مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟)	241

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
46	ایمان کو غیر مخلوق کہنے والوں کی دلیل	241
47	ایمان کے مخلوق ہونے پر دلیل	242
48	ایمان کی دو قسمیں ہیں	243
49	دسواں قول: ایمان کے محل اور اس کی بقاء کا بیان	243
50	گیارہواں قول: نزع کے وقت ایمان کا زوال جائز ہے یا نہیں؟	245
51	مرجیہ اور مسئلہ ایمان	246
52	اہل سنت کی طرف سے جواب	246
53	خاتمہ بالایمان کے لیے بہترین وظیفہ	247
	آٹھواں باب	
	ایمان کی شرائط کا بیان	248
1	ابلیس جن تھا یا فرشتہ	248
2	ابلیس فرشتہ نہیں تھا	249
3	ہاروت و ماروت فرشتے تھے یا آدمی؟	249
4	انبیاء کرام پر عتاب جائز ہے؟	249
5	فرشتوں پر عتاب ہوسکتا ہے	250
6	بعض فرشتے رسول ہیں	250
7	دوسرا قول: اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر ایمان لانے کا بیان	251
8	اللہ تعالیٰ کی کسی کتاب یا اس کے کسی	

Marfat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	فرمان کا انکار کرنے والا کافر ہے	252
9	کیا اللہ تعالیٰ کی سب کتابیں ایک درجے کی ہیں؟	252
10	چار کتابیں سب سے افضل ہیں	252
11	قرآن مجید نے سب کتابوں کو منسوخ کر دیا	253
12	کیا سابقہ کتبِ الٰہیہ کے احکام قرآن سے منسوخ ہو چکے ہیں؟	253
13	تمام احکام سابقہ منسوخ نہیں	253
14	تیسرا قول: رسولوں پر ایمان	253
15	انبیاء کرام کی صحیح تعداد کیا ہے؟	254
16	چوتھا قول: حضور پرنور سید المرسلین ﷺ پر ایمان لانے کا بیان	255
17	روافض کا عقیدہ کفر ہے	255
18	حشویہ کا عقیدہ	256
19	حضرت علی حضور سے زیادہ علم رکھتے تھے؟	256
20	حضرت خضر کون تھے؟ ولی یا نبی؟	257
21	حضرت علی کو حضور سے افضل ماننے والا کافر ہے	257
22	حضرت علی کو شریکِ نبوت ماننے والوں کی دلیل	257
23	پانچواں قول: معراج کا بیان	258
24	مخلوق کا وجود بغیر مکان کے ممکن ہے؟	259
25	مکان کی دو قسمیں ہیں	259
26	مکانِ حقیقی کسے کہتے ہیں؟	259
27	معراج النبی ﷺ اور معتزلہ کا مسلک	260
28	ام المؤمنین کی روایت کا جواب	260
29	حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کا مفہوم	260
30	چھٹا قول: آخرت پر ایمان	264
31	قیامت کا عجیب مطلب	264
32	ساتواں قول: میزان اور صراط و کتاب کا بیان	265
33	آٹھواں قول: کراماً کاتبین اور حفاظت کرنے والے فرشتوں کا بیان	269
34	معتزلہ کا مسلک	269
35	اہل سنت کا مذہب	269
36	نواں قول: دوزخ میں داخل ہونے اور دوزخ سے نکلنے کا بیان	270
37	دخولِ جہنم سے مراد؟	270
38	خلود اور تابید میں فرق؟	272
39	ایک کی دوسری توجیہ	272
40	دسواں قول: شفاعت اور فدیہ کا بیان	272

Marfat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
41	شفاعت کون کرسکتا ہے؟	273
42	معتزلہ کے نزدیک اور اہل سنت کی جوابی کارروائی	273
43	اہل سنت و جماعت اور مسئلہ شفاعت	274
44	شفاعت کن کے لیے ہوگی؟	274
45	حدیث کا صحیح مفہوم	275
46	معتزلہ کی طرف سے اہل سنت پر اعتراض	276
47	شفاعت کے ثبوت پر دلیل	276
48	گیارہواں قول: اس کا بیان کہ کیا موت کے بعد بعینہٖ یہی اجسام اٹھائے جائیں گے؟	278
49	اجساد کے بعینہٖ زندہ کرنے پر اشکال	279
50	رفع اشکال کی تقریر	279
51	بارھواں قول: سوالِ منکر ونکیر اور عذابِ قبر کا بیان	279
52	عذابِ قبر پر دلائل منقول از حماد ابن ابی حنیفہ رضی اللہ عنہما	281
53	عذابِ قبر کے تین حصے ہیں	281
54	مؤمنوں اور کافروں کے عذابِ قبر میں فرق	281
55	تیرھواں قول: جنت اور دوزخ کی تخلیق کا بیان	282
56	جنت و دوزخ ابھی پیدا نہیں ہوئے؟	282
57	مسئلہ تخلیقِ جنت و دوزخ اور اہل سنت	282
58	جہنم کہاں ہے؟	283
59	چودھواں قول: جنت و دوزخ باقی رہیں گے یا نہیں؟	283
60	جنت اور دوزخ کے فنا ہونے پر دلیل	283
61	جنت ودوزخ ہمیشہ باقی رہیں گے	284
62	ایک حدیث شریف کی تشریح	286
63	جنت و دوزخ کے بارے میں بعض لوگوں کے جداگانہ نظریہ کی تردید	287
64	جہنمیوں کے بارے میں بعض مرجیہ کا نظریہ	287
65	معتزلہ اور جہمیہ کا نظریہ (عقیدہ)	288
66	عرش سے کیا مراد ہے؟	288
67	پندرھواں قول: جنت کی نعمتوں سے نفع اٹھانے کا بیان	288
68	معتزلہ کے مذہب کی تردید	289
69	ایک اور دلیل	290
70	جنت اور اس کی نعمتوں سے نفع اٹھانے کی اباحت پر دلیل	290

Marfat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
71	کیا جنّ بھی جنت میں جائیں گے؟	290
72	سولہواں قول: جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا یا نہیں؟	294
73	''لن'' کے معانی	295
74	''لـــن'' کے ہمیشہ کے معنیٰ پر دلالت نہ کرنے پر دلیل	295
75	رؤیت باری پر دلائل	295
76	مستحقِ عقوبت ہونے کی دلیل	296
77	رؤیت کے ثبوت پر دلیل	297
78	دیدار کے لیے چیز کا موجود ہونا ضروری ہے	299
79	جوہر کے لیے جنس ونوع ضروری ہے	299
80	جنات کو اللہ کا دیدار ہوگا؟	300
81	فرشتوں کو دیدار ہوگا؟	300
82	مؤمنوں کی قسمیں	301
83	فرشتوں کے لیے دیدارِ الٰہی کے ثبوت یا عدم ثبوت میں بعض فقہاء کا مذہب	301
84	کیا حور وغلمان دیدارِ الٰہی سے مشرف ہوں گے؟	301
85	سترھواں قول: خیر وشر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہیں	301
86	بعض کا مذہب	301
87	شیطان کو کس نے پیدا کیا؟	301
88	اللہ کا ارادہ اس کے علم کے خلاف نہیں ہوسکتا	304
89	جس کا تقدیر پر ایمان نہیں اس کی کوئی عبادت قبول نہیں	305
90	اٹھارہواں قول: عبادات واحکام کا بیان	307
91	مرجیہ کا مسلک	307
92	فرقۂ اباحیہ کا مذہب	307
93	بعض لوگوں کا مذہب	307
94	بعض دوسرے حضرات کا مذہب	308
95	امر ونہی کسی حال میں ساقط نہیں ہوتے	308
96	اموال مشترکہ نہیں ہیں	309
97	جنت نے کیا کہا؟	309
98	انیسواں قول: اس بارے میں کہ اللہ عزوجل پر بندوں کی جانب سے کوئی شئی واجب نہیں	309
99	متکلمین اور اصولیوں کی اصطلاح	310
100	وجوب کی ازروئے حکمت کیا تعریف ہے؟	310
101	جواز ازروئے حکمت کسے کہتے ہیں؟	310
102	محال کسے کہتے ہیں؟	310
103	معتزلہ کا مسلک	311

Marfat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
104	حشویہ	312
	نواں باب	
	دین اور شرائع کا بیان	314
1	پہلا قول	314
2	دوسرا قول	315
3	محنت ومشقت اور ابتلاء کا بیان	315
4	اہل سنت وجماعت کے دلائل	316
5	دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کا امتحان جائز ہے؟	316
6	ابتلاء وامتحان کا فلسفہ کیا ہے؟	316
7	مصائب وآلام کا راز	317
8	ابتلاء وآزمائش کے من جانب اللہ جائز ہونے پر عقلی دلائل	317
9	زراعت سے دلیل	317
10	نماز، وضو سے دلیل	317
11	موسموں سے استدلال	318
12	تیسرا قول: استطاعت اور تفویض کا بیان	
13	جبریہ کا نظریہ	318
14	بعض کا مسلک	318
15	اہل سنت وجماعت کا موقف	319
16	استطاعت کی قسمیں	319
17	معتزلہ کا قرآن سے استدلال	319
18	مسئلہ تفویض اور امام ابوحنیفہ	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	رضی اللہ تعالیٰ عنہ	323
19	استطاعت دو طریق کی ہے	324
20	جبریہ اور مسئلہ جبر وقدر	324
21	بندہ مجبور محض ہے؟ جبریہ کے دلائل	324
22	جوابات	325
23	دوسری دلیل کا جواب	325
24	تیسری دلیل کا جواب	325
	دسواں باب	
	تکلیف وطاقت کا بیان	327
1	پہلا قول: تکلیف اور طاقت کا بیان	327
2	اہل سنت وجماعت کی طرف سے جوابات	328
3	تیسری آیت کا جواب	328
4	دلیل کا جواب	329
5	دلیل کا جواب	329
6	تکلیف کی قسمیں	330
7	اور مکلف بہ بھی چند وجوہ پر ہیں	330
8	اجمال کی تفصیل	330
9	مالا یمکن (ناممکن) سے مراد؟	331
10	دوسرا قول: زجر وامتناع (ڈانٹنے اور منع کرنے) کا بیان	332
11	لعنتی کون؟	333
12	لواطت کی حرمت اور سزا	333
13	متعہ کی حرمت اور اس کا حکم	333

Marfat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
14	ناچ گانے کا شرعی حکم	334
15	خبر واحد اور قیاس کا حکم	334
16	تیسرا قول: حدود و کفارات کا بیان	334
17	چوتھا قول: توبہ اور استعاذہ کا بیان	335
18	معتزلہ کے نزدیک توبہ کا مفہوم	336
19	دعا و صدقہ وغیرہ دنیا میں بے سود ہیں؟	336
20	صدقہ وخیرات کے متعلق معتزلہ کا مسلک	336
21	''لاحول ولا قوة'' کی زبانِ رسالت سے تفسیر	337
22	مسئلہ قدر اور امام زفر	337
23	ایک توبہ سب گناہوں کے لیے کافی ہے	337
24	توبہ کی خوبصورت اور جامع تفسیر	338
25	دعا اور صدقہ کے دنیوی فوائد	338
26	زندوں کی دعا مُردوں کو نفع دیتی ہے	338
27	حضور ﷺ نے عالم خواب میں مصنف ابو شکور سالمی کو تعلیم فرمائی	338
28	پانچواں قول: سعادت وشقاوت کا بیان	339
29	تقدیر کی اقسام	340
30	والدین سے نیکی کرنے اور تبلیغِ دین کرنے سے تقدیر بدل جاتی ہے، فرمانِ رسول	340
31	حضرت عبداللہ بن عباس و مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دلائل	341
32	ایک اجمال کا بیان	341
33	جبریہ کا مسلک	342
34	موت ایک ہے یا زیادہ؟	343
35	معتزلہ کی طرف سے اعتراضات اور ان کے جوابات	343
36	حرام کو رزق کہا جائے گا یا نہیں؟	344
37	مفروغیہ کا مذہب	344
38	''کل یوم ھو فی شان'' کی دوسری تفسیر	345
39	چھٹا قول: قضاء اور ادا کا بیان	346
40	معتزلہ کی ایک بات کی تردید	347
41	ساتواں قول: اس شخص کے متعلق جس نے عمداً (جان بوجھ کر) فرائض کو ترک کیا	347
42	معتزلہ کیا کہتے ہیں؟	348
43	امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں؟	348
44	احناف کا مؤقف	348
45	خوارج کی دلیل	348
46	معتزلہ کا استدلال	349
	گیارہواں باب	
	خلافت و امارت کا بیان	351

Marfat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
1	پہلا قول: خلافت وامارت کا بیان	351
2	امارت کی مشروعیّت وقیام کا قرآن سے ثبوت	351
3	روافض کا مذہب	352
4	امام شافعی کا ارشاد	352
5	اصل اختلاف کیا ہے؟	352
6	فاسق امام بن سکتا ہے	353
7	بعض حضرات کی طرف سے عائد کردہ امامت (کبریٰ) کی شرائط کا بیان اوران پر بحث ونظر	353
8	دوسرا قول: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا بیان	354
9	اہل سنت وجماعت کے دلائل	355
10	مولیٰ علی صدیق اکبر کو خلیفہ بنا کر خوش تھے	357
11	روافض کے دلائل کا جواب	357
12	سب سے پہلے کون اسلام لائے تھے؟	359
13	تیسرا قول: حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا بیان	359
14	چوتھا قول: حضرت عثمان کی خلافت کا بیان	361
15	پانچواں قول: حضرت علی کی خلافت کا بیان	363
16	چھٹا قول: اس بارے میں کہ بعض صحابہ کو بعض صحابہ پر فضیلت حاصل ہے	364
17	ابوبکر تمام صحابہ سے افضل ہیں	366
18	حضرت عائشہ کی فضیلت	367
19	فضیلت ابوبکر، آیت مصداق ابوبکر میں	368
20	عربوں سے محبت کی تین وجوہ	368
21	عربوں سے محبت رکھنے والا جنتی اور بغض رکھنے والا دوزخی ہے	369
22	ساتواں قول: حضرت معاویہ کی امارت، بغاوت اوران کے پیچھے لگنے والوں کا بیان	369
23	حضرت معاویہ خطاء پر تھے	369
24	حضرت معاویہ باغی تھے؟	370
25	ابوحنیفہ اور حُبِّ علی	370
26	باغی کسے کہتے ہیں؟	371
27	آٹھواں قول: حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا بیان	372
28	کیا یزید کو خلافت کا حق تھا؟	373
29	یزیدیوں کو حضور نے باغی فرمایا تھا؟	374
30	یزید مستحق لعنت ہے	374
31	نواں قول: عباسیوں کو خلافت سونپنے کا بیان	375
32	روافض اور مسئلہ خلافت	375
33	خلافت میراث نہیں	375

Marfat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
34	اولادِ علی اور بنی عباس میں سے مستحق خلافت کون؟	376	17	قدریہ کے چند چیدہ چیدہ عقائد باطلہ کی نشان دہی	397
	بارہواں باب اہل السنّت والجماعت اور بدعتیوں کے ردّ کا بیان	379	18	نواں قول: فرقۂ جبریہ کا بیان	398
1	پہلا قول: اس بارے میں کہ دین صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے	379	19	دسواں قول: مُعطلہ کا بیان	401
2	دوسرا قول: بدعت کا حکم کیا ہے؟	381	20	گیارہواں قول: مُشبہہ کا بیان	404
3	تیسرا قول: اہل بدعت کے ساتھ مناظرہ کرنے کا بیان	383	21	بارہواں قول: کفر و شرک کا بیان	407
4	علم کو چھپانے والا بہت بڑا مجرم ہے	384	22	کفر و شرک میں فرق	407
5	چوتھا قول: اہل اھواء اور اہل بدعت کی تکفیر کا بیان	385	23	یہود و نصاریٰ کون ہیں؟	407
6	کیا بدعتی پر ٹیکس لگایا جائے؟	387	24	شرک کب شروع ہوا؟	408
7	بدعتیوں کے سرغنے اور لیڈر کو قتل کردو	387	25	تیرھواں قول: آتش پرستوں کا بیان	411
8	پانچواں قول: فرقوں کا بیان	389	26	دیگر فرقوں کا بیان	412
9	سوادِ اعظم کون ہیں؟	389	27	چودھواں قول: یہودیوں کا بیان	413
10	اہل سنت کون ہیں؟	389	28	یہود کی دوسری قسم	414
11	چھٹا قول: روافض کا بیان	391	29	پندرھواں قول: نصاریٰ کا بیان	415
12	رافضی کہنے کی وجہ	391	30	اختلاف کی دوسری وجہ	416
13	انسان شریف یا شریر کیوں ہوتا ہے؟	393	31	سولھواں قول: تناسخیہ کا بیان	417
14	ساتواں قول: ناصبیہ کا بیان	394	32	صنف اوّل کے عقائد و نظریات	417
15	آٹھواں قول: قدریہ کا بیان	396	33	دوسری صنف	418
16	دو خالق ماننا کفر ہے	397	34	تیسری صنف	419
			35	صنف چہارم کے عقائد و نظریات	420
			36	روح کے مخلوق ہونے پر عقلی دلیل	424

Marfat.com

عرضِ ناشر

فرید بک سٹال کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ وہ معیاری اور اعلیٰ کتب کی طباعت و اشاعت کرے۔ زیرِنظر کتاب ''تمہید ابوشکور سالمی'' علامہ ابوشکور محمد بن عبد السعید سالمی کشی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف کردہ ہے' جس کا ترجمہ حضرت علامہ سید ابوالبرکات سید احمد قادری رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا تھا اور جس کے ترجمہ (مسودہ) کو از سرِ نو مولانا غلام نصیر الدین صاحب مدظلہ نے تحریر و مرتب کیا ہے۔

ایک دن میں نے ''تمہید'' کا ذکر میاں زبیر احمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ سے کیا' اور اُن سے کتاب شائع کرنے کا اظہار بھی کر دیا' تو انہوں نے مجھے تمہید کا ترجمہ پیش کر دیا' مسودہ ملنے کے بعد چند مقامات پر جناب علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری صاحب نے حواشی بھی تحریر فرمائے ہیں۔

سوالحمد للہ! تمہید ابوشکور سالمی آپ کی خدمت میں پیش ہے۔

ادراہ میاں زبیر احمد صاحب کی اس پیش کش اور دینی خدمت کے لیے اُن کا بے حد مشکور و ممنون ہے۔

سید محسن اعجاز

Marfat.com

تمہید ابوشکور سالمی اور اس کے مصنف

تمہید ابوشکور سالمی علم عقائد و کلام کی قدیم ترین اور مستند کتاب ہے' بقول مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری رحمہ اللہ تعالیٰ' امیر مرکزی انجمن حزب الاحناف' لاہور اس کے مصنف حضرت قدوۃ الاولیاء' شمع بزم ولایت داتا گنج بخش سید علی ہجویری قدس سرہٗ کے ہم عصر تھے' امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اکابر علماء حنفیہ میں سے قرار دیا ہے۔

امام ربانی' حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے' امام غزالی اور علامہ ابن حجر کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان کا اختلاف خلافت کے سلسلے میں نہیں تھا' بلکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصاص کے سلسلے میں تھا۔

ان اقوال کے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

شیخ ابوشکور سلمی (سالمی) نے جو کہ اکابر علماء حنفیہ میں سے ہیں' فرمایا کہ امیر معاویہ کا اختلاف امیر علی مرتضیٰ کے ساتھ خلافت کے سلسلے میں تھا' کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے معاویہ کو فرمایا تھا: جب تم لوگوں کے حکمران بنو تو ان پر نرمی کرنا' اس وقت سے معاویہ کو خلافت کی امید پیدا ہو گئی تھی' لیکن وہ اس اجتہاد میں خطا پر تھے اور حضرت علی مرتضیٰ حق پر تھے' اس لیے کہ ان کی خلافت کا زمانہ حضرت علی مرتضیٰ کی خلافت کے زمانے کے بعد تھا۔

اس کے بعد امام غزالی' علامہ ابن حجر اور شیخ ابوشکور سالمی کے اقوال میں تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

ہو سکتا ہے ابتداءً منشا اختلاف قصاص کی تاخیر ہو' اس کے بعد خلافت کی طلب بھی شامل ہو گئی ہو' بہر حال اجتہاد اپنی جگہ واقع ہوا ہے اور مجتہد اگر خطا پر ہو تو اس کے لیے ایک درجہ ہے اور اگر حق پر ہو تو دو درجے بلکہ دس درجے ہیں۔

(احمد سرہندی' امام ربانی' شیخ: مکتوبات امام ربانی' دفتر اوّل حصہ چہارم' فارسی ص ۷۰)

81446

Marfat.com

ایک دوسری جگہ ان کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

شیخ ابوشکور سلمی (سالمی) نے تمہید میں تصریح کی ہے کہ اہل سنت و جماعت اس امر کے قائل ہیں کہ حضرت معاویہ اور صحابۂ کرام جو ان کے ساتھ تھے خطا پر تھے اور ان کی خطا اجتہادی تھی۔ (احمد سرہندی، امام ربانی، شیخ: مکتوبات دفتر اوّل، حصہ چہارم ص ۶۷)

اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف دیگر علوم کے ساتھ خود تمہید شریف پڑھی تھی بلکہ اپنے اصحابِ علم مریدین کو پڑھایا بھی کرتے تھے، محبوبِ الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ بہت سے علوم و فنون پڑھنے اور "مقامات" کے چالیس مقامات اور حدیث شریف کی کتاب "مشارق الانوار" یاد کرنے کے بعد حضرت بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، قرآن پاک کے چھ پارے تجوید کے ساتھ "عوارف المعارف" اور عقائد میں "تمہید ابوشکور سالمی" سبقاً سبقاً پڑھیں۔

بابا صاحب نے حضرت محبوبِ الٰہی کو اجازت و خلافت سے نوازا اور اس موقع پر عربی زبان میں تفصیلی سند تحریر فرمائی، اس میں تمہید شریف کا بھی خصوصی طور پر ذکر کیا اور فرمایا:

یہ کتاب (تمہید شریف) مجھ سے فرزند رشید، صائب الرائے امام، مقبول و برگزیدہ عالم، نظام الملۃ والدین محمد بن احمد نے سبقاً سبقاً پڑھی، جو علماء اور ائمہ کی زینت، جلیل القدر بزرگوں اور متقیوں کے لیے باعثِ فخر ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں مزید رضامندی کی جستجو نصیب کرے، ان پر اپنی رحمت کی انتہا کرے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔

انہوں نے اوّل سے آخر تک مکمل تمہید شریف بڑے تدبر، یقین اور انتہائی توجہ سے سمجھ کر پڑھی، دورانِ تدریس مجھے ان کی علمی استعداد اور غیر معمولی صلاحیتوں کا علم ہوا۔

لہٰذا میں انہیں اجازت دیتا ہوں کہ یہ کتاب طالب علموں کو پڑھائیں، بشرطیکہ اس کی تقریر و تحریر میں غلطی سے بچیں اور نسخ کی تصحیح اور غلطیوں سے پاک کرنے کی پوری کوشش کریں۔

(محمد محب اللہ نوری، علامہ: حضرت گنج شکر ص ۱۹-۲۰ بہ حوالہ سیر الاولیاء ص ۲۳۰)

حضرت بابا فرید الملۃ والدین نے اسی سند میں تمہید شریف کے بارے میں یہ کلمات تحریر فرمائے:

"ونعم الكتاب في هذا الفن تمهيد المهتدي ابي شكور برد الله مضجعه" (سیر الاولیاء ص ۲۳۰) عقائد میں مہتدی ابوشکور کی تمہید بہترین کتاب ہے، اللہ تعالیٰ

Marfat.com

ان کی قبر کو ٹھنڈا کرے۔ (محمد محب اللہ نوری، علامہ: حضرت گنج شکر ص ۵۹۔۶۰)

حضرت مفتیٔ اعظم پاکستان مولانا علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری کو ''تمہید شریف'' سے بڑی محبت تھی، ۱۹۷۲ء میں راقم ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا: گزشتہ دنوں پاکستان اور ہندوستان کی جنگ کی وجہ سے دورۂ حدیث شریف کے اسباق جاری نہیں رہ سکے، کیونکہ ان دنوں کرفیو نافذ ہوتا تھا، میں نے فرصت کے ان لمحات میں تمہید ابوشکور سالمی کا ترجمہ کر دیا ہے، میں چاہتا ہوں کہ اس کا اصل کے ساتھ مقابلہ ہو جائے تو بہتر ہو گا۔

سلسلۂ گفتگو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ حضرت مصنف حضرت داتا صاحب (قدس سرھما) کے ہم عصر معلوم ہوتے ہیں، لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ان سے ملاقات ہوئی یا نہیں، پھر فرمانے لگے: حضرت امام ابوشکور سالمی رحمہ اللہ تعالیٰ ہر مسئلے میں اتنے مذاہب اور اقوال بیان کرتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے، اتنی تفصیل کسی دوسری جگہ شاید ہی ملے، اشاعرہ کو بھی اہل سنت کے مقابل ذکر کرتے ہیں، مثلاً کہتے ہیں: ''قال اهل السنّة كذا وقال الاشاعرة كذا''۔

راقم الحروف نے پوچھا: کیا یہ ماتریدی ہیں؟ فرمایا: ہاں! اسی لیے تو میں اسے زیادہ اہمیت دیتا ہوں، طالب علمی کے دور میں ہمیں اس کا ایک نسخہ بدایوں سے ملا تھا، جسے ہم نے نقل کر کے پڑھا تھا، پاکستان میں سید صاحب نے ہی ''تمہید شریف'' شائع کی تھی اور دورۂ حدیث کے طلبہ کو فارغ اوقات میں پڑھایا کرتے تھے۔

(محمد عبدالحکیم شرف قادری: عظمتوں کے پاسبان (المتاز پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۰ء) ص ۵۸، نوٹ: عظمتوں کے پاسبان میں ہے کہ راقم ۱۹۷۱ء میں حضور مفتیٔ اعظم پاکستان کی خدمت میں حاضر ہوا تو یہ گفتگو ہوئی، ظاہر ہے کہ یہ سہو ہے، یہ ملاقات ۱۹۷۲ء میں ہوئی تھی۔ ۱۲ شرف قادری)

حضرت مولانا سید حبیب الرحمٰن شاہ مدظلہ العالی سابق رجسٹرار شریعت کورٹ، مظفر آباد نے ایک ملاقات میں بیان فرمایا کہ میں حضرت مولانا عبدالقادر شہید رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ۱۹۵۲۔۵۳ء میں فیصل آباد سے لاہور حاضر ہوا، داتا گنج بخش علی ہجویری رحمہ اللہ تعالیٰ کے مزار پر انوار پر حاضری دینے کے بعد ہم حزب الاحناف (قدیم) دہلی دروازہ میں حضرت مفتیٔ اعظم پاکستان علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کی زیارت کے لیے حاضر ہوئے،

Marfat.com

دورانِ گفتگو میں نے ''شرح عقائد'' خریدنے کی خواہش کا ذکر کیا تو حضرت نے فرمایا:

تمہید ابوشکور سالمی علم عقائد کی مستند و معتبر کتاب ہے، یہ خرید لیں، یہ مستند ہونے کے ساتھ آسان اور عام فہم بھی ہے، فقیر کی خواہش ہے کہ علماء اہل سنت اس کو درسِ نظامی کے نصاب میں داخل کر کے ''شرح عقائد'' کی طرح سبقاً سبقاً پڑھائیں۔

(ان کی یہ تحریر نورانی ڈائری میں نوٹ ہے اور اس پر ان کے دستخط ہیں۔۱۲ اشرف قادری)

حضرت مفتیٔ اعظم پاکستان علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری رحمہ اللہ تعالیٰ نے تمہید شریف عربی میں شائع کی تھی، اس میں بھی انہوں نے اپیل کی تھی کہ اس اہم کتاب کو نصاب میں داخل کیا جائے، الحمدللہ! تنظیم المدارس کے نصاب میں اسے شامل کر لیا گیا ہے۔

اس کتاب کا آغاز بسم اللہ شریف کے بعد ان الفاظ سے ہے:

''الحمد للّٰہ ذی المَنّ و الآلاء و العظمة و الکبریاء و النجود و الاعطاء و البھجة و البھاء''۔ (محمد بن عبدالسعید، امام ابوشکور سالمی: التمہید (مکتبہ اسلامیہ، پشاور) ص ۲)

اس کا نام خود حضرت امام سالمی نے یوں تحریر کیا ہے:

وسمّیتہ التمھید فی بیان التوحید

وھو ھدایة لکل مسترشد و رشید

(محمد بن عبدالسعید، امام ابوشکور سالمی: التمہید ص ۳)

ظاہر ہے کہ کتاب کا نام صرف وہی ہے جو پہلی سطر میں ہے، دوسری سطر تو کتاب کا تعارف ہے، یعنی کتاب کا نام صرف اتنا ہے: ''التمھید فی بیان التوحید'' چنانچہ حاجی خلیفہ نے ''کشف الظنون'' میں اتنا ہی نام لکھا ہے۔ (حاجی خلیفہ، علامہ: کشف الظنون ج ا ص ۴۸۴) لیکن مشہور جرمن فاضل براکلمن نے گزشتہ دونوں سطروں کو نام قرار دے دیا ہے، انہوں نے اس طرح نام لکھا ہے: ''کتاب التمھید فی بیان التوحید'' (وھدایة لکل مسترشد والرشید)۔ (براکلمن، جرمن محقق: تاریخ آداب اللغة العربیة ج ا ص ۴۱۹، نوٹ: کشف الظنون اور جرمن محقق کے یہ حوالے پیر محمد حسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے راقم کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرمائے تھے۔۱۲ اشرف قادری)

اس میں چند تسامحات ہیں:

(ا) لفظ ''کتاب'' نام کا حصہ نہیں۔

Marfat.com

(۲) بریکٹ میں لکھی ہوئی عبارت تعارفی جملہ تو ہے لیکن نام کا حصہ نہیں۔

(۳) هدایة سے پہلے ایک لفظ هو نقل کرنے سے رہ گیا ہے' تمہید میں اس طرح ہے: وهو هداية۔

(۴) الرشید میں الف لام زائد ہے' تمہید میں ''لکل مسترشد و رشید'' ہے۔

یہ کتاب بارہ ابواب پر مشتمل ہے اور اس میں مسلک اہل سنت و جماعت یعنی اسلام کے اکثر و بیشتر عقائد بیان کر دیئے گئے ہیں' ہر باب کو متعدد اقوال (فصلوں) پر تقسیم کیا گیا ہے' ابواب کی مختصر فہرست درج ذیل ہیں:

پہلا باب: عقل کے بارے میں اور اس میں نو اقوال ہیں۔

دوسرا باب: محسوس کے بارے میں اور اس میں سات اقوال ہیں۔

تیسرا باب: اثباتِ صانع کے بیان میں اور اس میں سات اقوال ہیں۔

چوتھا باب: اثباتِ صفات کے بیان میں اور اس میں دس اقوال ہیں۔

پانچواں باب: اسماءِ حسنٰی کے بارے میں اور اس میں چھ اقوال ہیں۔

چھٹا باب: رسولوں پر وحی کے بھیجنے کے اثبات میں اور اس میں بیس اقوال ہیں۔

ساتواں باب: معرفت اور ایمان کے بارے میں اور اس میں گیارہ اقوال ہیں۔

آٹھواں باب: ایمان کی شرائط کے بیان میں اور اس میں انیس اقوال ہیں۔

نواں باب: دین اور شرائع کے بیان میں اور اس میں تین اقوال ہیں۔

دسواں باب: تکلیف اور طاقت کے بیان میں اور اس میں سات اقوال ہیں۔

گیارہواں باب: خلافت و امارت کے بیان میں اور اس میں آٹھ اقوال ہیں۔

بارہواں باب: اہل سنت و جماعت کے بارے میں اور اس میں سولہ اقوال ہیں۔

حضرت مفتیٔ اعظم پاکستان علامہ ابو البرکات سید احمد قادری رحمہ اللہ تعالیٰ نے تمہید شریف پر یہ نوٹ لکھا تھا کہ اس کے مصنف حضرت داتا گنج بخش کے ہم عصر ہیں۔ دوسری بات یہ لکھی تھی کہ اگر کسی صاحب کو ان کے حالات معلوم ہوں تو ہمیں ان کی اطلاع دیں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں شائع کر دیئے جائیں' آئندہ سطور میں جس قدر حالات میسر ہو سکے ہیں' تحریر کیے جاتے ہیں۔

Marfat.com

امام ابوشکور سالمی رحمہ اللہ تعالیٰ

انہوں نے ''تمہید'' میں اپنا نام اس طرح لکھا ہے: ''ابو شکور سالمی وهو محمد بن عبد السعيد بن شعيب الكبشي''۔ (محمد بن عبد السعید ابوشکور سالمی: التمہید ص۲)

حاجی خلیفہ نے اس طرح ان کا نام لکھا ہے: ''ابو الشكور محمد بن عبد السيّد بن شعيب الكشي السالمي الحنفي''۔ (حاجی خلیفہ علامہ: کشف الظنون ج ا ص ۴۸۴)

(۱) انہوں نے کنیت ''ابوالشکور'' لکھی ہے جب کہ وہ خود ''ابوشکور'' لکھتے ہیں۔

(۲) والد کا نام عبدالسیّد لکھا ہے جب کہ تمہید میں ''عبدالسعید'' ہے۔

(۳) نسبت الکشی لکھی ہے، جب کہ تمہید میں ''الکبشی'' ہے۔

براکلمن نے ان کا نام اس طرح لکھا ہے: ''ابو شكور محمد بن عبد السيّد بن شعيب الكَسّي الحنفي السالمي''۔ (براکلمن، جرمن محقق: تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ ج ا ص ۴۴۷)

صرف نسبت میں اختلاف ہے۔

امام ابوشکور سالمی کی تاریخ پیدائش، جائے پیدائش اور تاریخ وفات کسی کتاب سے معلوم نہیں ہوتی، براکلمن نے اتنا بیان کیا ہے کہ مصنف پانچویں صدی ہجری کے دوسرے نصف میں تھا۔ (براکلمن: تاریخ اللغۃ العربیۃ ج ا ص ۴۱۹)

پیر محمد حسن سابق شیخ الادب، جامعہ اسلامیہ، بہاولپور راقم کے نام ایک مکتوب (تحریر ۲۴ جولائی ۱۹۸۹ء) میں لکھتے ہیں:

براکلمن کے اس قول سے آپ کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے کہ مصنف سید علی ہجویری کے معاصرین میں سے تھا، مزید برآں ان کو حنفی اور سالمی لکھا ہے اور داتا صاحب بھی حنفی تھے، اس قول کی تائید خود امام سالمی کے ارشاد سے ہو رہی ہے، وہ فرماتے ہیں:

میں نے شیخ امام زاہد ابوبکر محمد بن حمزہ، سمرقند کے خطیب ۴۶۰ھ کے بعد والی دہائی میں سنا، میں ان کے پاس علم فقہ پڑھ رہا تھا اور میں نے ان سے ''کتاب السرقہ'' وغیرہ کا درس لیا تھا۔ (محمد بن عبدالسعید ابوشکور سالمی: التمہید (طبع پشاور) ص ۱۹۳)

اس اقتباس سے ان کے ایک استاذ امام محمد بن حمزہ کا پتا چلتا ہے، دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ وہ سمرقند میں پڑھتے رہے، تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ وہ ۴۶۰ھ کے بعد والی دہائی

Marfat.com

میں طالب علمی کے دور میں گزر رہے تھے' چوتھی بات یہ معلوم ہوئی کہ انہوں نے فقہ کی ''کتاب السرقہ'' وغیرہ کا درس امام محمد بن حمزہ سے لیا تھا۔

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:

میں نے بلخ میں شیخ الاسلام' امام الائمہ' امام ابوسعید خلیل بن احمد بن اسماعیل سنجری کے اپنے قلم کا لکھا ہوا ایک فتویٰ کا جواب دیکھا۔ (محمد بن عبد السعید ابوشکور سالمی: التمہید ص ۱۰۰)

اس سے زیادہ ان کے اساتذہ اور تحصیل علم کے بارے میں کچھ معلوم نہیں' البتہ ان کی کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے زمانے کے بڑے متبحر عالم اور امام تھے اور ہر فرقے کے علماء سے مناظرے کرتے اور انہیں لاجواب کرتے تھے' تمہید میں ایک جگہ فرقہ متقشفہ کے عالم کے ساتھ مناظرے کا ذکر ہے۔ (دیکھیے ص ۴۲) ایک جگہ کرامیہ کے فرقہ حشویہ کے عالم سے مناظرے کا ذکر ہے۔ (دیکھیے ص ۵۰)

ص ۵۲ پر ایک اشعری کے ساتھ مناظرے کا تذکرہ ہے ص ۵۳ پر ایک مجوسی کا ایک سوال اور اس کا جواب بیان کیا ہے' غرض یہ کہ ہر قسم کے فرق باطلہ کے ساتھ نبرد آزما رہتے تھے اور مسلک اہل سنت و جماعت کی حقانیت واضح کرتے تھے۔

حشویہ فرقے کے ایک عالم سے درج ذیل گفتگو ہوئی:

امام سالمی: اللہ تعالیٰ کی صفاتِ فعلیہ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

حشوی: حادث ہیں؟

امام سالمی: اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس صفت کے پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ صفت کے لحاظ سے ناقص تھا' یہ باطل اور محال ہے۔

امام سالمی: وحی سے پہلے انبیاء کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

حشوی: وحی سے پہلے وہ نبی نہیں تھے اور منافئ عدالت افعال سے معصوم بھی نہیں تھے۔

امام سالمی: اگر وہ ایسا کام کریں جو عدالت کے منافی ہو تو وہ فاسق ہو جائیں گے' اگر اس وقت اللہ تعالیٰ ان پر وحی نازل فرمادے تو یہ ایک فاسق شخص پر وحی ہو گی' اس سے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فاسق ہونا لازم آئے گا۔

امام سالمی: جو شخص کلمۂ طیبہ ''لا الہ الا اللہ'' پڑھے اور نعوذ باللہ عقیدہ اس کے مخالف رکھے

Marfat.com

اس کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟

حشوی: وہ مؤمن ہے۔

امام سالمی: تمہارا دین کیا ہوا؟ یہی ناں کہ ربِ کریم ناقص ہے' رسول فاسق ہے اور مؤمن منافق ہے۔

اس پر حشوی حیران رہ گیا اور اس کی زبان بند ہو گئی۔

(محمد بن عبد السعید ابوشکور سالمی: المتہید ص ۵۰)

اس سے ان کی مناظرانہ قابلیت' قوت استحضار اور مدمقابل پر چھا جانے کی صلاحیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ایک دفعہ امام سالمی شیعوں کے نرغے میں آ گئے' انہوں نے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے افضل کون ہے؟ فرماتے ہیں کہ مجھے بخوبی اندازہ تھا کہ اگر میں نے تسلی بخش جواب نہ دیا تو یہ مجھ پر حملہ کرنے اور زدوکوب کرنے سے بھی باز نہیں آئیں گے' میں نے جواب دیا: صحابہ کرام میں سب لوگوں سے افضل ابوبکر صدیق ہیں اور اہل بیت میں سب سے افضل حضرت علی مرتضیٰ ہیں۔

اس جواب پر وہ خوش ہو گئے' کیونکہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت علی مرتضیٰ صحابہ میں سے نہیں بلکہ اہل بیت میں سے تھے اور اہل بیت صحابہ سے افضل ہیں' جب کہ میرا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت علی مرتضیٰ صحابہ میں سے بھی تھے اور اہل بیت میں سے بھی اور حضرت ابوبکر صدیق ان سے افضل تھے اور خلفاء راشدین اہل بیت سے افضل تھے' رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

(محمد بن عبد السعید' سالمی ابوشکور: التمہید ص ۱۸۱)

ایک دفعہ امام سالمی کو نبی اکرم ﷺ کی زیارت ہوئی' فرماتے ہیں: خواب میں مجھے نبی اکرم ﷺ کی زیارت ہوئی' آپ کے کمرے کے گرد جالی لگی ہوئی تھی' آپ کی نورانیت اور ضیا باری کی فراوانی کی وجہ سے مجھے صرف آپ کے رخساروں کی سفیدی دکھائی دی۔

(محمد بن عبد السعید' سالمی ابوشکور: التمہید ص ۱۶۶)

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ وہ سُنّی' حنفی اور ماتریدی تھے' سالمی کہلانے کی کیا وجہ تھی؟ ڈاکٹر پیر محمد حسن نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

Marfat.com

سالمی کے لفظ سے ایک اور بات کی نشاندہی ہوتی ہے' وہ یہ کہ وہ سالمی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے' سالمی صوفیہ کا ایک فرقہ ہے جس کے بانی ابوالحسن احمد بن محمد بن سالم البصری (م ۳۶۰ھ) تھے' (ان کے والد) محمد بن سالم البصری ۲۹۷ھ میں فوت ہوئے۔ دائرۃ المعارف اسلامیہ' اُردو میں (ج ۱۰ ص ۶۱۴) سالمیہ پر ایک مقالہ ہے جو بہت حد تک گمراہ کن ہے۔

(پیر محمد حسن' علامہ ڈاکٹر: مکتوب بنام راقم تحریر ۲۴ جولائی ۱۹۸۹ء)

کسی تذکرے یا کسی دوسری کتاب سے نہ تو ان کی تاریخ وفات معلوم ہو سکی اور نہ ہی یہ خبر ملی کہ ان کا مزار کہاں ہے؟ مولانا محمد سعید شبلی نقشبندی قادری رضوی فیروز پوری رحمہ اللہ تعالیٰ (ساہیوال) نے اپنی سرگزشت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

حافظ محمد اسماعیل صاحب احقر کے دادا کے چچا زاد بھائی تھے اور وہ چھوٹی عمر میں پڑھنے کے لیے دہلی جا رہے تھے' اس زمانے میں ریل گاڑی نہیں تھی' وہ پاپیادہ چلتے ہوئے راستہ میں خواجہ ابوشکور سالمی سرسوی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر رات بھر درود شریف یا باختلاف روایت الحمد شریف پڑھتے رہے۔ پچھلی رات روضہ سے آواز آئی: اے لڑکے! جس ارادے سے دہلی جا رہا ہے' واپس اپنے گھر چلا جا' تیرا مقصد گھر پر ہی حاصل ہو جائے گا' واپس آ گئے' اسی (پہلے) استاد سے پڑھنا شروع کیا' سال کے اندر قرآن شریف حفظ کر لیا اور باقی علوم عربی' فارسی وغیرہ' روحانی کمالات اللہ تعالیٰ کی عطا سے حاصل ہو گئے۔ (محمد سعید شبلی' علامہ: فضائل درود و سلام' مطبوعہ مجلس رضا' لاہور (۱۴۰۰ھ) ص ۸۶)

مولانا محمد سعید شبلی ابتداءً فرید کوٹ کے رہنے والے تھے' ان کے دادا کے بھائی وہاں سے دہلی کے لیے روانہ ہوئے' راستے میں خواجہ ابوشکور سالمی کا مزار تھا' اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان کا مزار ہندوستان میں فرید کوٹ اور دہلی کے درمیان ہے' ان کے نام کے ساتھ ''سرسوی'' کے ضمیمے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مزار سرسہ میں ہے' برادرم مولانا محمد عبدالغفار ظفر صابری مدظلہ (فیصل آباد) نے بتایا کہ سرسہ ریاست پٹیالہ میں ہے۔

تمہید شریف کا ترجمہ

اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ۱۹۷۲ء میں پاک بھارت جنگ کے دنوں میں دورۂ حدیث کے اسباق جاری نہ رہنے کی وجہ سے حضرت مفتیٔ اعظم پاکستان علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری رحمہ اللہ تعالیٰ نے تمہید شریف کا اُردو ترجمہ کیا' اس کے آخر میں لکھتے ہیں:

Marfat.com

دس جنوری کو ترجمہ شروع کیا اور آج ۲۴ جنوری ۱۹۷۲ء بروز دوشنبہ شریف ترجمہ تمام ہوا۔

حیرت ہوتی ہے کہ انہوں نے پندرہ دنوں میں ترجمہ کے تقریباً تین سو صفحے کس طرح لکھ لیے' اس سے ان کے اعصاب کی قوت' ان کے ذوق وشوق' محویت اور ان کے قلم کی برق رفتاری کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

پھر مفتیِ اعظم پاکستان اور استاذ العلماء ہونے کے باوجود ترجمے کے درمیانی صفحات اور آخر میں بھی لکھا ہے: یہ ترجمہ قابل غور واصلاح ہے۔

اسی احساسِ ذمہ داری کے تحت انہوں نے یہ ترجمہ استاذ العلماء مولانا علامہ محمد مہر الدین جماعتی رحمہ اللہ تعالیٰ کو نظر ثانی کے لیے دیا' لیکن معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس ترجمے میں کہیں کہیں تصرف کیا اور واپس کر دیا' پھر انہوں نے پروفیسر محمد طفیل سالک کو دیا' انہوں نے بھی زیادہ ردّوبدل کیے بغیر ترجمہ واپس پیش کر دیا' یہاں تک کہ ۲۰ شوال المکرّم بمطابق ۲۴ ستمبر ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء کو حضرت مفتیِ اعظم پاکستان دنیا سے رحلت فرما گئے' راقم کی درخواست پر ان کے صاحب زادے حضرت مولانا علامہ سید محمود احمد رضوی' شارح بخاری نے ترجمے کا مسودہ راقم کو عنایت فرما دیا۔

راقم کی درخواست پر مولانا علامہ غلام نصیر الدین چشتی گولڑوی' مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ (اب مدرس جامعہ نعیمیہ) نے اس ترجمے کو آسان اور خوش خط کر کے نقل کیا' ان کا نقل کردہ مسودہ ہاتھوں سے اس طرح نکلا جیسے ضائع ہو گیا ہو' مایوس ہو کر مظفر آباد' آزاد کشمیر کے مولانا معین الدین حمیدی برکتی کو دوبارہ اس کی خوش خط نقل تیار کرنے پر لگایا' پھر راقم اسے اصل عربی متن اور ترجمہ کے اصل مسودہ سے ملا کر چیک کرتا رہا' جہاں مناسب معلوم ہوا عبارت آسان اور تبدیل بھی کرتا رہا' پھر اس مسودے کو مولانا محمد شاہد اقبال کشمیری صاف کر کے لکھتے' نصف سے زیادہ کتاب کا ترجمہ اس طرح صاف کر کے لکھا گیا' ادھر جناب سید محسن شاہ' مالک فرید بک سٹال نے بتایا کہ ترجمے کا مسودہ میرے پاس ہے اور میں نے کمپوز کرا لیا ہے' تب راقم نے یہ مقدمہ تحریر کیا' تاکہ مرشد گرامی حضرت سید صاحب اور شارح بخاری حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی رحمہما اللہ تعالیٰ کا قرض میرے سر سے اتر جائے اور عقائد کی ایک اہم کتاب

Marfat.com

کا ترجمہ برادرانِ اہل سنت تک پہنچ جائے۔ فالحمد للہ تعالیٰ علیٰ ذلک

محمد عبدالحکیم شرف قادری
بانی مکتبہ قادریہ لاہور
۲۸ شعبان ۱۴۲۶ھ/۱۳ اکتوبر ۲۰۰۵ء

Marfat.com

ڈاکٹر پیر محمد حسن صاحب (سابق شیخ التصوف جامعہ اسلامیہ بہاولپور) کے مکتوب کا عکس

یونٹ ۸۰۶
سیٹلائٹ ٹاؤن
راولپنڈی
۲۴ جولائی ۱۹۸۹ء

مکرمی و معظمی

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ:

آپکا ۱۳ / ۵ کا لکھا ہوا خط ۱۷ کو مل گیا تھا
طبیعت کی ناسازگی کی وجہ سے جلد جواب نہ دے سکا۔ معذرت چاہتا ہوں
کشف الظنون ۱: ۴۸۲ میں حاجی خلیفہ نے کتاب کا نام التمہید فی بیان التوحید دیا ہے

تاریخ ادب اللغۃ العربیۃ از بروکلمن ۱: ۹ الملحق (جرمن زبان میں) اس کا نام کتاب التمہید فی بیان التوحید، وھدایۃ لکل مسترشد و رشید دیا ہے
مصنف کا نام کشف الظنون (حوالہ مذکور) میں ابو الشکور محمد بن عبد السید بن شعیب الکشی السالمی الحنفی لکھا ہے۔

بروکلمن ضمیمہ تاریخ اللغۃ العربیۃ از بروکلمن (جرمن زبان میں) ج ۱: ۷۵۴ میں مصنف کا نام ابو شکور محمد بن عبد السید بن شعیب الکشی (کسی) الحنفی السالمی دیا ہے

بروکلمن نے (ج ۱: ۹ الملحق) میں دیا ہے کہ مصنف پانچویں صدی ہجری کے دوسرے نصف میں تھا۔

بروکلمن کے اس قول سے آپکے بیان کی تصدیق ہوتی ہے کہ مصنف سید علی ہجویری کے معاصرین میں سے تھا

مزید برآں اسے حنفی اور سالمی لکھا ہے اور وہ تھے بھی حنفی
سالمی کے لفظ سے ایک اور بات کی نشاندہی ہوتی ہے وہ یہ کہ وہ سالمی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ سالمی صوفیہ کا ایک فرقہ ہے جو کہ ابو الحسن احمد بن محمد بن سالم البصری م ۳۶۰ھ تھے۔ محمد بن سالم البصری ۲۹۷ھ میں فوت ہوئے
دائرۃ المعارف اسلامیہ اردو میں (ج ۱۰: ۴۱) سالمیہ پر ایک مقالہ ہے جو بعض حد تک مفید ہو سکتا ہے۔ امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے۔ والسلام

محمد حسن

Marfat.com

حضرت مفتیِ اعظم پاکستان، علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کے لکھے ہوئے ترجمہ کا پہلا صفحہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Marfat.com

حضرت مفتیٔ اعظم پاکستان' علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کے لکھے ہوئے ترجمہ کا درمیانی صفحہ

یہ سب چیزیں مشکوک اور مستدل عقل سے پہچانی نہیں جاتیں ۔ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] تک [illegible] حاصل نہیں ہوتا تو ضروری ہوا کہ ان حالتوں میں [illegible]
[illegible]
اور [illegible] وصیت و فرائض و میراث اور [illegible]
[illegible]
اس کی تقدیر کیجئے اور [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
ان کا عقیدہ باطل ہونا یقینا ثابت ہوگیا ۔ [illegible]
احکام و مسائل [illegible]
[illegible]
[illegible]
ہو جائے جیسے تمام [illegible]
[illegible] ۔ [illegible]
[illegible]
[illegible]

Marfat.com

حضرت مفتی اعظم پاکستان، علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کے لکھے ہوئے ترجمہ کا آخری صفحہ

صفحہ ۲۰۰

اور اگر بعض [illegible] حاضر ہوں اور بعض حاضر نہ ہوں تو جزا و سزا بعض کو ہوگی اور بعض کو نہیں ہوگی تو یہ عدل نہ ہوگا اور ہم نے دلائل عقلیہ سے ثابت کر دیا کہ جسد مع تمام اعضا کے حاضر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الیوم نختم علی افواههم وتکلمنا ایدیهم وتشهد ارجلهم بما کانوا یکسبون پھر دلیل یہ ہے کہ روح مخلوق ہے [illegible] ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی [illegible] کہ روح مخلوق ہے اور جسم میں داخل ہوتی ہے [illegible] ما بعد ہے اور وہ مخلوق ہوتا ہے دلیل [illegible] ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا [illegible] روح مخلوق ہے [illegible] جسم میں داخل ہوتی ہے اور جسم سے نکلتی ہے تو یہ تحویل و انتقال ہے اور تحویل و انتقال حدوث ہے اور جو حدوث کو قبول کرے وہ محدث ہے

مخلوق ہے

تمت [illegible]

[illegible] کو ترجمہ کرنا شروع کیا

اور [illegible] جنوری [illegible] بروز [illegible] ترجمہ تمام ہوا

یہ ترجمہ قابل غور و اصلاح ہے

Marfat.com

باب اوّل
عقل کا بیان

اور اس میں نو قول ہیں:

قول اوّل
ماہیت عقل میں

تمہید

عقل لطیف چیز ہے، اس کی کیفیت کو ہمارے اوہام ادراک نہیں کر سکتے اور ہمارے نزدیک فقہاء کرام سے کوئی قول صحیح ثابت نہیں ہوا کہ عقل کی ماہیت کیا ہے؟ (مہدی ابوشکور سالمی رحمہ اللہ تعالیٰ)

عقل کیا ہے؟

فلاسفہ کہتے ہیں کہ عقل ایک روشن کرنے والا، احساس کرنے والا اور مفید جوہر ہے جو روح میں حلول کیے ہوئے ہے اور اس سے روح کی حیات ہے، جیسے روح سے جسم کی حیات ہے تو روح کے لیے حیات اور اعمال و احوال عقل سے اتصال کی بدولت ہیں، جیسے جسم کی حیات اور اعمال و احوال روح کے اتصال سے ہیں۔

یہ ایک ایسا قول ہے کہ جس کے ثبوت میں بطریق نص اور قیاس کوئی دلیل نہیں۔ اس لیے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ عقل روح سے متصل مظہرِ حیات اور اس کے معانی کا افادہ کرنے والی ہے تو لازم آئے گا کہ روحیں جسموں سے پہلے قائم و موجود ہوں اور وفات کے بعد باقی و ثابت رہیں۔

Marfat.com

اور عقل نے روح سے ملاقات کی حالت میں حالتِ حیات جیسا فائدہ نہیں دیا۔ دلیل یہ ہے کہ عقل مذاکر نہیں ہے کہ اس کے ساتھ محسوس کرے اور نہ ہی ایسا ہے کہ وہ گزرے دنوں کو یاد کرے اور گزرے ہوئے احوال و اعمال میں تمیز کرے تو یہ قول بھی درست نہ ہوا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر عقل روح کے لیے حیات کا سبب ہوتی تو روح جسم سے پہلے اور جسم کے (زوال) کے بعد بھی عقل والی ہوتی اور پھر روح پر واجب ہوتا کہ وہ ایمان لائے اور احکام کی بھی پابند ہو' حسن و قبح (اچھے' بُرے) میں فرق بھی کر سکے اور ہمارا اجماع ہے کہ روح ایسی نہیں ہے تو ثابت ہوا کہ روح کی حیات کا سبب عقل نہیں ہے۔

اور اس لیے کہ تنہا روح درج ذیل اوصاف کی حامل نہیں ہے:

(۱) اشیاء کو دیکھنا (۲) کسی کو انفرادی طور پر جاننا (۳) خیر اور شر میں تمیز کرنا

(۴) مکلّف ہونا (۵) مستحق سزا و عقاب ہونا

ان میں سے کوئی چیز بھی روح کے لیے ثابت نہیں ہے۔

تحقیق کلام

بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو روح اور جسم کے ساتھ وہ زندہ مولود کہلاتا ہے حالانکہ اس میں عقل ثابت نہیں ہوتی' اگر عقل روح سے متصل و مجاور اور ایک ساتھ ہوتی تو پھر چاہیے کہ صبی (بچہ) اور اسی طرح جنین (وہ بچہ جو ابھی شکم مادر میں ہوتا ہے) دونوں بالغ کی طرح اشیاء کو جاننے کی عقل رکھتے ہوں اور یہ محال ہے' تو جب عقل نے کوئی فائدہ نہیں دیا تو معلوم ہوا کہ یہ کلام درست نہیں۔

عقل کی دوسری تعریف

بعض فقہاء نے کہا کہ عقل جوہر ہے۔

پہلی روایت: احادیث میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب عقل کو پیدا کیا تو فرمایا: آگے ہو! وہ آگے ہوئی' پھر حکم ہوا: پیچھے ہٹ' وہ پیچھے ہٹ گئی' پھر فرمایا: بیٹھ جا' تو وہ بیٹھ گئی' پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس شخص کے لیے بشارت ہے جسے میں نے عقل دی' تیرے سبب سے دوں گا اور تیرے سبب سے گرفت کروں گا' تیرے سبب سے عبادت کیا جاؤں گا' تیری وجہ سے ثواب دوں گا اور تیری وجہ سے سزا دوں گا۔

Marfat.com

دوسری روایت: جب اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا تو فرمایا: بیٹھ جا' وہ بیٹھ گئی' پھر فرمایا: کھڑی ہو جا تو وہ کھڑی ہو گئی' پھر فرمایا: پیٹھ پھیر' اس نے پیٹھ پھیر لی' پھر فرمایا: بول' وہ بولنے لگی' پھر فرمایا: دیکھ تو وہ دیکھنے لگی' پھر فرمایا: سن تو وہ سننے لگی' پھر فرمایا: مجھے اپنی عزت وجلال اور عظمت کی قسم! میں نے کوئی مخلوق تجھ سے زیادہ عزت والی پیدا نہیں کی' تیرے سبب سے میری عبادت کی جائے گی' تیرے سبب سے میری معرفت ہوگی' تیرے سبب سے میری حمد کی جائے گی' تیرے سبب سے میں مواخذہ کروں گا' تیرے سبب سے دوں گا' تیرے سبب سے سزا دوں گا' تیرے سبب سے ثواب دوں گا۔

تیسری روایت: عقل سے فرمایا: میں کون ہوں؟ عقل چپ رہی' اللہ تعالیٰ نے اسے نورِ معرفت کا سرمہ عطا فرمایا تو عقل یوں عرض گزار ہوئی: ''اَنْتَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ'' تو ہی اللہ ہے' تیرے سوا کوئی معبود نہیں' تو واحد اور قہار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مجھے اپنی ربوبیت کی قسم! میں نے تجھ سے زیادہ کوئی اچھی چیز پیدا نہیں کی۔

اس سے ثابت ہوا کہ اگر عقل جوہر نہ ہوتی تو خود قائم نہ ہوتی۔

اس قول کی تردید

ان احادیث مبارکہ سے یہ ثابت کرنا درست نہیں ہے کہ عقل جوہر ہے' اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی زندہ' بولنے والی مخلوق پیدا کر کے اس میں عقل کو رکھ کر اس کے ساتھ کلام فرمایا ہو۔

نیز یہ بات بھی ہے کہ اگر عقل کو جوہر مان لیا جائے تو آدمی سے اس کا الحاق اسی صورت میں متصور ہو سکتا ہے جب کہ وہ ایک الگ آلہ اور گوشت کا ٹکڑا ہو اور پھر اس کا زوال بھی آدمی کے جسم سے گوشت کے اس ٹکڑے کے زوال پذیر ہونے سے ممکن ہو۔

اور یہ تو واضح سی بات ہے کہ عقل ایک ظاہر چیز ہے جو گھٹتی بڑھتی ہے اور بچوں میں بھی پائی جاتی ہے' جب وہ بالغ ہو جاتے ہیں یا جب وہ سوجھ بوجھ والے ہوتے ہیں' ایسے ہی دیوانے جب ان کو افاقہ ہوتا ہے۔

اور یہ بھی معلوم ہے کہ وفات کے بعد عقل اپنے حال پر قائم اور باقی نہیں رہتی بلکہ روح کے زائل ہوتے ہی زائل ہو جاتی ہے اور کبھی کبھار تو روح کے زائل ہونے سے پہلے ہی

Marfat.com

زوال پذیر ہو جاتی ہے اور عقل کا ظہور روح کے ظاہر ہونے کے بعد ہوتا ہے' تو یہ چیز اس پر دلالت کرتی ہے کہ عقل جوہر نہیں۔

تیسری تعریف

اور بعض فقہاء نے کہا کہ ہم اس کے قائل نہیں کہ عقل جوہر ہے یا عرض مگر عقل حصولِ معرفت اور اشیاء کے ادراک کا سبب اور آلہ ہے۔

چوتھی تعریف

اور بعض نے کہا: عقل لطیف شئ ہے' دل میں ضیاء بکھیرتی ہے' اسے جلا دیتی ہے' دل میں اتر کر چیزوں کو دیکھتی اور اعیان کا ادراک کرتی ہے۔

اچھی چیز کو اس کے حُسن کی وجہ سے اچھا اور بُری چیز کو اس کے بُرے پن کی وجہ سے بُرا سمجھتی ہے' صالح چیزوں اور ان کے اعمال کو واجب گردانتی ہے' محالات اور ان کے انداز کی نفی کو واجب قرار دیتی ہے۔ قبولیّت اور اس کے مشابہ چیزوں کے تقاضوں کو ثابت کرتی ہے۔ معارف اور اس کے ارکان و آیات کا احاطہ کرنا بھی عقل کا کام ہے اور یہی معتزلہ کا قول ہے۔

پانچویں تعریف

امام ابو الحسن اشعری فرماتے ہیں کہ بعض نے کہا کہ عقل عبارت ہے تمیز' دانائی' اصلاحِ معیشت اور فراست سے جس کی وجہ سے خطابِ شرعی متوجہ ہوتا ہے۔

چھٹی تعریف

بعض نے کہا کہ عقل ایک معنی ہے جس کی وجہ سے خطاب شرعی متوجہ ہوتا ہے اور اسی معنی کے سبب سے ثواب و عقاب ہوتا ہے۔

ساتویں تعریف

بعض نے کہا کہ عقل ایک آلہ ہے جس کے ذریعے علم اور پہچان حاصل ہوتی ہے اور یہ ممنوعات' لہو ولعب اور بُرے کاموں سے روکتی ہے۔

آٹھویں تعریف

بعض نے کہا کہ عقل ایک جسم ہے لیکن آنکھوں سے پوشیدہ ہے۔

Marfat.com

نویں تعریف

بعض نے کہا کہ عقل ایک علت کا نام ہے' جس سے انسان دانش مند اور جان پہچان والا ہو جاتا ہے۔

اور یہ بات زیادہ درست ہے کہ اگر کہا جائے کہ عقل ایک عرض ہے جو ایک محل میں سرایت کیے ہوئے ہے جو چیزوں کی معرفت حاصل کرنے کے لیے کارآمد ثابت ہوتی ہے اور غائب و نامعلوم چیز کے مشاہدہ کے لیے واضح دلیل بنتی ہے۔

علاوہ ازیں بعض نے کہا کہ عقل کا محل دماغ ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا بھی ایک ایسا ہی قول ہے' ان کی دلیل نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: "اَلْقَرْعُ یَزِیْدُ فِی الدِّمَاغِ وَالدِّمَاغُ یَزِیْدُ فِی الْعَقْلِ" کدو کھانے سے دماغ کو تقویت ملتی ہے اور دماغ صحت مند ہو تو عقل بڑھتی ہے۔

دسویں تعریف

بعض حضرات کہتے ہیں کہ عقل کا محل دل ہے اور وہ (دل) عقل کا ثمرہ اور نتیجہ ہے اور عقل کی روشنی دماغ کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہے یعنی عقل دل و دماغ دونوں کے ذریعے سے فائدہ دیتی ہے اور وہ درخت کی طرح ہے۔

فلاسفہ اس چیز کے قائل ہیں کہ عقل کا محل روح ہے اور اس کا ذکر گزر چکا ہے۔

دوسرا قول

عقل کی مقدار کیا ہے؟

عقل کی کمیت اور اس کے کامل و ناقص ہونے کے بارے میں مختلف نظریات ہیں' چنانچہ آئندہ سطور میں ان نظریات کو دلائل کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔

اہل سنت و جماعت کے نزدیک عقل متفاوت ہے' برابر اور ایک درجے کی نہیں ہوتی اور معتزلہ کہتے ہیں کہ عقل مساوی اور ایک جیسی ہوتی ہے' اس میں فرق نہیں پایا جاتا۔

Marfat.com

عقل میں مساوات کے دلائل

معتزلہ نے مساواتِ عقل پر دلائل دیئے ہیں:

پہلی دلیل: اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں عقل والوں کو آیات سے استدلال اور قیاس کرنے کا حکم دیتا ہے۔

☆ ''فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَار'' تو اے نگاہ والو! عبرت حاصل کرو۔ (الحشر:۲)

☆ دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے: ''اِنَّ فِیْ ذَالِکَ لَاٰیَاتٍ لِّاُولِی النُّھٰی'' اور اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے۔ (طٰہٰ:۱۲۸)

چونکہ آیات سے دلیل اخذ کرنے اور قیاس کرنے کا حکم ہر عقل والے کو شامل ہے۔

لہٰذا سب کے لیے عقل بھی برابر ماننا پڑے گی' اس لیے کہ اگر عقل میں مساوات نہ ہو بلکہ تفاوت ہو تو پھر ہر عقل مند کے لیے آیات سے استدلال کرنا اور قیاس کرنا ممکن نہیں ہوگا۔

دوسری دلیل: اور عقل اللہ تعالیٰ کی حجتوں میں سے ایک حجت ہے اور اس میں فرق بیان کرنا خطاب الٰہی میں فرق کا موجب بنے گا اور خطابِ الٰہی میں تفاوت اور فرق کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بعض کے لیے احکامِ شریعت مہمل اور بے کار ہو جائیں اور بعض مکلفین احکام کے پابند ہوں۔

تیسری دلیل: نیز یہ کہ عقل کی زیادتی تکلیف اور خطاب کی زیادتی کا سبب ہے اور عقل کا کم ہونا خطاب شرعی اور تکلیفِ احکام میں کمی کا موجب قرار پاتا ہے اور چونکہ احکام کا مکلّف ہونے میں سب عقل والے برابر و مساوی ہوتے ہیں' لہٰذا عقل جو اس مساوات کا سبب ہے' اس میں بھی مساوات و برابری ہونی ضروری ہے' لہٰذا عقل میں تفاوت محال ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے' وہ فرماتے ہیں کہ عقل آنے کے بعد اگر عاقل اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتا اور اپنے خالق کو نہیں پہچانتا تو اس کی گرفت ہوگی اور عاقل کو اس مواخذہ سے بچنے کے لیے کسی قسم کا بہانہ تراشنے اور عذر پیش کرنے کی اجازت اور گنجائش نہیں ہوگی اور اگر عقل متفاوت ہو تو بعض کے حق میں عذر ثابت ہوگا اور بعض کے لیے عذر ثابت نہیں ہوگا۔

چوتھی دلیل: عقل کے غیر متفاوت اور مساوی ہونے پر یہ دلیل بھی دی جاتی ہے کہ اگر عقل میں زیادتی اور کمی ممکن ہو تو پھر یہ معلوم نہیں ہو سکے گا کہ عقل کی کتنی مقدار پائی جائے اور کس

Marfat.com

حد تک وہ حاصل ہو؟ تو انسان خطاب الٰہی کا لائق اور اہل ہوگا‘ اس لیے کہ عقل کا مشاہدہ تو ہو نہیں سکتا اور نہ ہی یہ دیکھنے میں آتی ہے‘ معلوم ہوا کہ عقل میں تفاوت نہیں ہے۔

اہل سنت و جماعت کے عقل کے متفاوت ہونے پر دلائل

اہل سنت نے عقل کے متفاوت ہونے پر اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''فَاعْتَبِرُوْا یٰاُولِی الْاَبْصَارِ'' سے استدلال کیا۔ انہوں نے کہا کہ لوگ چونکہ عقل میں الگ الگ درجے کے مالک ہوتے ہیں‘ لٰہذا ان کے اعتبار اور قیاس کرنے میں بھی اسی نسبت سے ان میں فرق ہوگا اور حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: پرندوں میں زیادہ عقل والا کبوتر ہے ''اَعْقَلُ الطُّیُوْرِ اَلْحَمَامُ'' کبوتر کے لیے بھی ایک قسم کی عقل ثابت کی‘ اگر عقل غیر متفاوت ہوتی یعنی عقل میں سب مساوی و برابر ہوتے تو کبوتر بھی شرائع و احکام میں مخاطب ہوتا اور یہ صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ لغت میں عقل اس چیز کو کہتے ہیں جو منکرات اور منہیات سے روکے‘ منافع اور نقصانات میں تمیز کرے‘ دوست اور دشمن میں فرق جانتی ہو۔

اور یہ اصل میں ''عقال البعیر'' اونٹ کی رسی سے مشتق ہے تو جس طرح رسی سے باندھ کر اونٹ کو پابند کر دیا جاتا ہے‘ اس طرح عقل بھی انسان کو شریعت کے دائرہ میں احکام کا پابند کر دیتی ہے اور اس قدر عقل تو ہر حیوان میں پائی جاتی ہے‘ مگر وہ عقل کہ جس کے سبب خطاب متوجہ ہو وہ عقل اور ہے‘ اس سے مراد تمیز کرنے والی عقل ہے کہ جس کے ذریعے استدلال کیا جا سکے اور اللہ تعالیٰ کی آیات اور نشانیوں میں نظر و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کا ذریعہ بنے اور اس سے صفات باری کا علم حاصل ہو۔ عقل سے مراد یہ ہے کہ وہ اچھے اور بُرے میں تمیز کرتی ہو‘ نفع اور نقصان کو جانتی ہو‘ آرام بخش اور دردناک چیزوں کا فرق جانتی ہو نیز انسان کو بے وقوفی اور بے ہودگی سے دور رکھے۔

اور بعض نے عقل کی حد و تعریف یوں بیان کی کہ عقل اس چیز کا نام ہے جو اچھائی کو پسند کرے اور برائی سے باز رکھے۔

عقل کی تعریف میں اختلاف لفظی ہے

اور بعض فقہاء اہل سنت نے فرمایا کہ درحقیقت اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں‘ اس لیے کہ جو کہتے ہیں کہ عقل میں تفاوت نہیں ہے‘ ان کا مطلب یہ ہے کہ اتنی عقل کہ جس کی وجہ

Marfat.com

سے انسان خطاب الٰہی کا اہل ہو سکے' اس مقدار میں سب لوگ مساوی ہیں' اس قدر عقل میں تفاوت اور فرق نہیں ہے۔ اسی اعتبار سے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عاقل کے لیے اپنے خالق و صانع کی معرفت میں کوئی عذر قبول نہیں کیونکہ اتنی مقدار عقل اس کو حاصل ہو چکی ہے جس سے وہ لائقِ خطاب ہو۔

لیکن احکام شرع کے واجب ہو جانے کے بعد عقل میں لوگوں کے درجات مختلف ہو جاتے ہیں' بعض کی عقل اسباب واکتساب اور علم کی باریکیوں کی طرف راہنمائی کرتی ہے اور بعض کی رہنمائی نہیں کرتی۔ ظاہر بات ہے کہ یہ زیادہ عقل اور فہم وفراست کی وجہ سے ہوتا ہے اور بعض فقہاء نے فرمایا ہے کہ وہ عقل جو خطاب کے متوجہ ہونے کا سبب ہے اور غلط و صحیح کے درمیان تمیز کا ذریعہ ہوتی ہے' اس میں قصور اور کمی ونقصان پایا جاتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام میں درجۂ کمال کی عقل ہوتی ہے

عقل کے درجۂ کمال تک صرف انبیاء کرام صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین ہی پہنچ سکتے ہیں' وہ عقل کے زیادہ ہونے کے محتاج نہیں ہوتے' کمال عقل کی بناء پر ہی وہ صغائر و کبائر گناہوں سے معصوم پیدا ہوئے۔

اب رہی یہ بات کہ عقل جس قدر زیادہ ہوتی ہے احکام کی پابندی اور تکلیف بھی انسان کے لیے اسی قدر بڑھ جاتی ہے تو اس سلسلہ میں گزارش یہ ہے کہ عقل جب کمال درجے کی ہو تو پھر احکام کی تکلیف بھی یقینی طور پر زیادہ ہو جائے گی' دیکھئے جیسا کہ انبیاء کرام بعض ایسی چیزوں کے مخاطب تھے جو امت پر لازم نہیں' جیسے حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو بیٹے کے ذبح کرنے کا خطاب ہوا اور ہمارے نبی کریم ﷺ پر نمازِ تہجد فرض تھی جب کہ امت پر فرض نہیں اور اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں مثلاً انبیاء کرام کو جو امتحان اور آزمائشیں پیش آئیں وہ دوسروں کے لیے نہیں اور انبیاء کرام پر بہت سخت اور کڑی ابتلاء و آزمائش کی گھڑیاں گزری ہیں کہ دوسرے لوگوں کے حق میں ان کے تصور کرنے سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

علاوہ ازیں جب عقل کا فرق بھی ایک جیسا نہیں' کسی میں کم عقل ہوئی اور کسی میں اس سے بھی کم اور کوئی عقل کے بلند درجے پر فائز ہے اور کوئی اس کے منتہاء کمال کو پہنچا ہوا ہے تو

Marfat.com

ثابت ہوا کہ عقل کا تفاوت خطاب اور تکلیفِ شرعی میں کوئی فرق پیدا نہیں کرتا کیونکہ جب عقل میں کمی اور قصور ثابت ہو گیا تو پھر خطاب شرعی کا مخاطب ہونے میں تو سب شریک ہیں عقل خواہ قلیل ہو یا کثیر ہو۔

تیسرا قول

عقل کے فائدہ اور اس کے زوال کا بیان

عقل کے بے شمار فوائد ہیں مگر سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ عقل سے انسان خطابِ الٰہی کا اہل ہو جاتا ہے اور خطاب کے متوجہ ہونے سے پہلے عقل ہی سے انسان اس چیز کا اہل قرار پاتا ہے کہ اس کے ایمان اور اسلام کو صحیح قرار دیا جائے خصوصاً امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس لیے کہ عقل مند بچہ بالغ ہونے سے پہلے ایمان لانے کا مخاطب نہیں ہے۔

تاہم اگر عقل مند نابالغ بچہ ایمان لے آئے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا ایمان لانا صحیح ہے اور عدیم العقل شخص کی طرف نہ خطاب متوجہ ہوتا ہے اور نہ وہ احکامِ شرعیہ کا مکلّف ہوتا ہے جیسے مجنون ہے (دیوانہ) کہ وہ خطاب کا اہل ہے اور نہ ہی حقوق اللہ کے ادا کرنے کی اہلیت رکھتا ہے اور اسی طرح دیگر احکام اس کے لیے ثابت نہیں ہوں گے، جیسے طلاق، عِتاق، نکاح وغیرہ اور دیوانے شخص کا ایمان بھی صحیح نہیں، اس طرح غیر عاقل بچہ اگر ایمان لائے تو بالاتفاق اس کا ایمان درست نہیں ہے۔

انبیاء و ملائکہ سے عقل کا زوال اور قصور ناممکن ہے

اسی معنی کے لحاظ سے ہم نے کہا کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حق میں عقل کا زوال اور اس میں قصور اور کوتاہی ممکن نہیں ہے، بلوغت سے پہلے اور بعد میں بھی اسی طرح فرشتوں کے لیے حکم ہے کیونکہ نبی بالغ ہونے اور وحی کے نازل ہونے سے قبل بھی اسی طرح ہی نبی ہوتا ہے جس طرح کہ بالغ ہونے کے اور وحی کے نزول کے بعد نبی ہوتا ہے، اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے کہ:

"كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا قَالَ اِنِّي عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا وَّ

Marfat.com

جَعَلَنِیْ مُبَارَكًا'' (مریم:۲۹-۳۱) عیسیٰ پنگھوڑے میں تھے' انہوں نے کہا: میں اللہ کا بندہ ہوں' اسی نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی اور برکت والا بنایا اور جو شخص انبیاء کرام کی عقل کے زائل ہونے کو جائز کہتا ہے وہ نبوت کے زائل ہونے کو بھی مانتا ہے' جب نبی کی عقل (نعوذ باللہ من ذلک) زائل ہوگی تو اس کی عبادات واحکام صحیح نہیں ہوگا اور خطاب بھی اس کی طرف متوجہ نہیں ہوگا اور انزال وحی بھی صحیح نہ ہوگا۔ منصب شریعت اور احکام کا بیان کرنا صحیح نہیں ہوگا' یہ اُمور نبوت کے زوال پر دلالت کرتے ہیں حالانکہ نبوت کبھی زائل نہیں ہوتی اور جو شخص نبوت کے زائل ہونے کو جائز قرار دے وہ کافر ہے اور خشیتِ الٰہی کی وجہ سے بے ہوشی انبیاء کرام پر طاری ہوسکتی ہے اور یہ جائز ہے کہ نبی اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی عظمت اور جلال کی وجہ سے مغلوب ہو جائے جیسے موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی ہیبت اور جلال سے بے ہوش ہو گئے تھے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وَخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا'' (الاعراف:۱۴۳) اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

یہ ایسی کیفیت ہوتی ہے کہ جس کی وجہ سے احوال ان پر مخفی نہیں ہوتے اور نہ ہی یہ کیفیت ان سے اعمال کو فوت کرتی ہے' اس لیے کہ اگر نبی پر کوئی شئی مخفی اور پوشیدہ ہو جائے تو گویا اس پر حق پوشیدہ ہو گیا جب کہ وہ اس کو بیان کرنا چاہتا ہے اور اس سے نبی کی حجت کا بطلان لازم آتا ہے اور یہ ممکن نہیں ہے۔

چوتھا قول
عقل معرفت کا ذریعہ ہے

یہ بات معلوم ہے کہ عقل تمام مقدورات ومصنوعات اور آیات (نشانیوں) مثلاً زمین وآسمان' درخت' پانی' ہوا' آندھی وغیرہ میں نظر واستدلال کے لیے ذریعہ ہے تو ثابت ہو گیا کہ عقل کو صانع کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور پھر عقل کے ذریعے ان مصنوعات میں غور وفکر کر کے عارف کو علم حاصل ہوتا ہے۔

لہٰذا جس طرح معرفت کی نسبت عارف کی طرف کرنا درست ہے' اسی طرح عقل کی

Marfat.com

طرف بھی اس کی نسبت ہوسکتی ہے کیونکہ عقل حصول معرفت کا سبب اور آلہ ہے۔

ابوالحسن اشعری کا نقطۂ نظر

امام ابوالحسن اشعری فرماتے ہیں کہ عقل حصولِ معرفت کا ذریعہ نہیں ہے' کیونکہ معرفت نظر وفکر کے بغیر محض سماع (شرعی طریق سے) حاصل ہوتی ہے' لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔

عقل کے آلۂ معرفت ہونے کی دلیل

ہم دیکھتے ہیں کہ مثلاً وہ اعضائے جسم جو حس کا محل بنتے ہیں' جیسے آنکھ' کان' ہاتھ وغیرہ یہ محسوسات کے ادراک کا ذریعہ و آلہ ہوتے ہیں حالانکہ محسوس کا علم صرف حس سے بغیر عقل کے حاصل نہیں ہوتا اور واسطہ (آلہ) اس چیز سے عبارت ہے کہ جس کو طلب علم کے وقت بروئے کار لاکر علم حاصل کیا جائے اور جب یہ جائز ہے کہ ''حس'' آلہ بن سکتی ہے تو پھر عقل بدرجۂ اولیٰ حصولِ معرفت کا آلہ وذریعہ قرار پانے کی حق دار بنے۔

سوال: اور اگر یہ کہا جائے کہ عقل آلہ ہے تو پھر اس کا جوہر ہونا ضروری ہے۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ ہمیں یہ بات تسلیم ہے کہ عقل جوہر ہے اور عقل کا جوہر ہونا ہمارے لیے مضر نہیں' اس لیے کہ بعض فقہاء نے عقل کو جوہر کہا ہے۔

اور اگر ہم یہ کہیں کہ عقل عرض ہے' یہ بھی ممکن ہے کہ یہ حصول معرفت کا ذریعہ و آلہ ہوگی' دیکھئے جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ مفعول فعل سے حاصل ہوتا ہے اور وہ حرکت ہے جو ہاتھ سے ظاہر ہوتی ہے۔

اس کے بعد خوب سمجھ لیجئے کہ مفعول کبھی فعل (جو کہ حرکت ہے) کی طرف منسوب ہوتا ہے' کبھی اس کی نسبت ہاتھ یعنی آلہ کی طرف کر دی جاتی ہے اور کبھی فاعل کی طرف اس کی اضافت ہوتی ہے جو کہ قوت ہے تو ان میں سے ہر ایک مفعول کے حصول کا آلہ اور ذریعہ ہے' بالکل اسی طرح ہماری بحث کو سمجھ لیجئے۔

عقل کا محل

عقل کا محل قلب ہے اور عقل کو استعمال کر کے فکر ونظر اور استدلال سے علم ومعرفت حاصل ہوتی ہے اور علم ومعرفت کبھی قلب کی طرف مضاف ہوتی ہے اور کبھی عقل کی طرف' اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشادِ مبارک: (۱) ''لَهُمْ قُلُوْبٌ لَا يَفْقَهُوْنَ بِهَا'' (الاعراف:۱۷۹)

Marfat.com

ان کے ایسے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں ہیں (۲) "لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْئًا وَّلَا یَهْتَدُوْنَ" (البقرہ:۱۷۰) وہ سمجھتے ہیں کسی چیز کو اور نہ ہی وہ ہدایت پاتے' اور اس قسم کی بہت سی مثالیں ہیں۔

اشکال: پس اگر یہ اشکال وارد کیا جائے کہ عقل تو تمام اشیاء کو ادراک اور احاطہ سے پہچانتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے بلند و بالا ہے کہ کوئی چیز اس کا ادراک اور احاطہ وگھیراؤ کر سکے۔

جواب: تو اس سلسلہ میں اوّلاً یہ گزارش ہے کہ ہم تسلیم ہی نہیں کرتے کہ عقل جس شئی کا ادراک کرتی ہے تو اس کا احاطہ اور گھیراؤ کر لیتی ہے' اس لیے کہ عقل عاقل سے زائل نہیں ہوتی کہ شئی کا احاطہ کرے' بلکہ تمام اشیاء اپنی حقیقت اور مکمل صفات کے ساتھ عقل سے معلوم ہو جاتی ہیں اور یہ عین ممکن ہے کہ علم بغیر ادراک و احاطہ کے حاصل ہو جیسا کہ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ مکہ مکرمہ' کعبہ' بصرہ کی معرفت ہمیں حاصل ہے' لیکن ان کا ادراک حسی اور احاطہ عقلی ہمیں نہیں ہے' اس لیے کہ ادراک کہتے ہیں کہ کسی شئی کو اس طرح جاننا کہ اس کا محل وقوع' طول' عرض اور بناء اور رنگ و روغن سب معلوم ہوں۔ پس جب یہ جائز ہے کہ یہ اشیاء بغیر ادراک کے علم و عقل سے معروف و معلوم ہو سکتی ہیں تو اسی طرح اللہ تعالیٰ جل شانہ' کی معرفت علمی اور عقلی طور پر حاصل ہو جائے نہ کہ ادراک اور احاطہ کے طور پر۔

دوسرا جواب: دوسری بات یہ ہے کہ علم و معرفت عقل سے حاصل ہوتے ہیں اور معرفت مدرکہ ہے اور علم محاط ہے اگرچہ معلوم اور معروف غیر مدرک ہو' نیز یہ کہ آلہ کی تعریف یہ ہے کہ جس سے کسی چیز کو حاصل کرنے میں مدد لی جائے اور عقل معرفت اور استدلال سے حاصل ہوتی ہے' اس لیے عقل کو آلۂ معرفت کہہ سکتے ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اتنی عقل دی ہے کہ جس سے ہم عبودیت کو پہچانیں' ربوبیّت پہنچاننے کے لیے نہیں دی۔

حضرت حسن بصری کے قول کے معنی یہ ہیں کہ ہم ربوبیت اور اس کی حکمت کو کماحقہٗ نہیں پہچان سکتے اور تخلیقِ کائنات' ایجاد و انشاء' موت و حیات اور احوال کے انجام اور مصالح

Marfat.com

اعیان اور شرائع کا نصب۔ پس یہ تمام ایسے معانی نہیں جو اللہ تعالیٰ کے علم اور حکمت خاصہ کا مقتضیٰ ہیں، عقل سے ان اشیاء کا مناسب طور پر ادراک نہیں ہوسکتا۔

لیکن نشانات قدرت اور آیاتِ الٰہی میں غور وفکر کرنا اور صانع کے وجود اور اس کی معرفت پر جو چیزیں دلالت و رہنمائی کرتی ہیں ان میں نظر وفکر اور تامّل کرنا یہ صفات عبودیت ہیں جو کہ عقل سے حاصل ہوتی ہیں جیسا کہ ہم گذشتہ ابحاث میں بیان کر چکے ہیں۔

پانچواں قول
کیا عقل حُجت ہے؟

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص پہاڑ کی چوٹی پر یا کسی ایسے جزیرے میں پیدا ہوتا ہے کہ وہاں کوئی عقل والا نظر نہیں آتا تو ایسی جگہ جب وہ سن بلوغ کو پہنچتا اور جوان ہو جاتا ہے، لیکن اسے کسی دین کی جان پہچان نہیں اور نہ ہی معرفت خداوندی کے لیے اس میں قوت استدلال ہے اور اس سے ذاتی ونفسانی مصلحتوں کے سوا کوئی عقل مندوں ایسا فعل ظاہر نہیں ہوتا اور ساتھ یہ بھی ہے کہ وہ کوئی دیوانوں ایسے کام نہیں کرتا۔ ایسے اوصاف رکھنے والے شخص کے لیے کیا حکم ہے؟

معتزلہ نے کہا کہ وہ شخص کافر ہے، اس لیے کہ عقل سے اس پر ایمان لانا واجب تھا اور دراصل یہ مسئلہ ایک دوسرے مختلف فیہ مسئلہ کی فرع اور شاخسانہ ہے، وہ یہ ہے کہ آیا بغیر سماع (شریعت) کے محض عقل ہی موجبِ ایمان ہے یا نہیں؟ چنانچہ اس سلسلہ میں ہمارے علماء نے فرمایا کہ محض عقل موجب نہیں ہے اور اس کے برعکس معتزلہ نے کہا کہ عقل موجب ایمان ہے، اس کی تفصیل ہم ان شاء اللہ عنقریب ذکر کریں گے۔

ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ جو شخص پہاڑ کی چوٹی پر پیدا ہوا اور اسے حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی عقل حاصل نہیں ہے تو اس کو مسلمان یا کافر ظاہر کرنے کے لیے دیکھا جائے گا کہ اگر تو وہ دارالاسلام کی حدود میں ہے تو جب تک اس سے کوئی علامت کفر ظاہر نہ ہو، اس کو مسلمان قرار دیا جائے گا اور اگر وہ کفرستان کی حدود میں ہے تو جب تک اس کے اسلام

Marfat.com

پر کوئی دلیل ظاہر نہیں ہوتی اسے کافر قرار دیا جائے گا۔

لیکن تیسری صورت یہ ہے کہ وہ ایسی خالی جگہ رہتا ہے جہاں نہ دارالاسلام کی حد لگتی ہو اور نہ دارالکفر کی تو اس کے کفر و اسلام میں توقف کریں گے' اس لیے کہ اس سے انکار و شرک نہیں پایا گیا' لہٰذا بغیر دلیل اسے کافر نہیں کہیں گے اور اس سے توحید و اقرار نہیں پایا گیا تو بغیر دلیل کے اس کے اسلام کا حکم نہیں کیا جائے گا۔

امام محمد بن حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ بغیر گناہ کے کسی کو عذاب نہیں دیتا۔

اعتراض: اگر کہا جائے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: اگر یہ شخص اسی حالت میں قتل کر دیا گیا تو اس کے قاتل پر نہ قصاص واجب ہے اور نہ دیت' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کافر ہے کیونکہ اگر وہ کافر قرار نہ دیا گیا ہوتا تو قاتل پر قصاص واجب ہوتا یا دیت واجب ہوتی۔

جواب: ہم نے کہا: یہ (یعنی قاتل پر قصاص یا دیت کا واجب نہ ہونا) اس کے کفر پر دلالت نہیں کرتا' اس لیے کہ قصاص یا دیت درج ذیل تین وجہوں میں سے کسی ایک کے پائے جانے سے واجب ہوتی ہے اور وہ تین وجوہ یہ ہیں:

(۱) ایسے شخص کو قتل کرنا جو دارالاسلام میں اجازت لے کر آیا ہو۔

(۲) ذمی و معاہد کو قتل کرنا۔

(۳) کسی مسلمان کو قتل کرنا جو مسلمان ہونے کے سبب مستحق تحفظ تھا۔

اور اس میں تینوں وجہوں میں سے ایک بھی نہیں پائی گئی (اس لیے قاتل پر قصاص یا دیت واجب نہیں' نہ کہ اس وجہ سے کہ وہ کافر تھا)۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ شخص جنتی ہے یا دوزخی؟

چنانچہ اس سلسلہ میں ہمارا موقف یہ ہے کہ ہم اسے دوزخی نہیں کہتے' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جلّ مجدہ کی شانِ عدل یہ نہیں ہے کہ وہ سبحانہٗ و تعالیٰ کسی کو بغیر جرم اور کفر کے عذاب دے۔

اور چونکہ اس میں ایمان نہیں پایا گیا اس لیے وہ جنت کا مستحق بھی نہیں ٹھہرتا۔

Marfat.com

لیکن کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل بیکراں سے اس شخص کو جنت عطا فرمادے؟

اور یہ کہنا جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ بغیر جرم کے اس کو عذاب دے کیونکہ ایسا اللہ تعالیٰ کی شانِ عدل کے لائق وسزاوار نہیں ہے اور یہ اس حالت میں ہے کہ جب اشارہ وعبارت اور فاعل ومفعول کو نہ جانے' لیکن اگر وہ ان چیزوں کے درمیان فرق محسوس کرتا ہے تو پھر اس کی عقل کا نتیجہ ظاہر ہو گیا اور اسے معذور نہیں سمجھا جائے گا بلکہ وہ قابلِ پرسش اور جواب دہ ہے' اس لیے کہ اس نے ذی عقل ہوتے ہوئے جدوجہد اور غور وفکر نہیں کی' حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا '' (العنکبوت:٦٩) کہ جن لوگوں نے ہماری راہ میں آنے کی کوشش کی ہم ضرور انہیں اپنے راستوں کی طرف راہنمائی کریں گے۔

تو اس کے کفر کا حکم نہیں کیا جائے گا لیکن اسے معذور بھی قرار نہیں دیا جائے گا کیونکہ اس نے فکر وتأمل کو ترک کیا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کی مشیت پر چھوڑ دیا جائے گا اور اگر اس نے استدلال کیا اور اپنی عقل سے اس نے دلیل قائم کی اور سمجھنے میں خطا کی اور اس کا اعتقاد کرلیا تو اس کے کفر کا حکم صادر کیا جائے گا اگر اس کا اعتقاد کفر ہے تو اور اگر بدعت کا اعتقاد کیا تو مبتدع ہوگا کیونکہ جب اس نے استدلال کیا اور ایک دین پر اپنا اعتقاد پختہ کرلیا تو معلوم ہوا کہ اس نے صانع کے لیے خوبی وبدی کو واجب کردیا اور جب خطا کی تو معذور نہ ہوگا کہ یہ اس کی اپنی کوتاہی ہے' اس لیے کہ اگر وہ کوتاہی نہ کرتا تو ہوسکتا تھا' دینِ اسلام کی ہدایت ہو جاتی اور وہ صراطِ مستقیم کو پالیتا۔

امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ بہرحال معذور ہوگا کیونکہ اس کو دلیل سمعی (شریعت) نہیں پہنچی' اس کا مفصل ذکر اپنے مقام پر آئے گا۔

چھٹا قول

عقل سے احکام ثابت ہونے کی بحث

اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے واجب ہوتے ہیں' لیکن اس بارے میں اختلاف ہے کہ وجوب کی دلیل کیا چیز ہے؟

Marfat.com

معتزلہ کا مذہب

چنانچہ بعض حضرات نے کہا کہ عقل ایمان اور احکامات کے واجب ہونے کی دلیل ہے' لہٰذا جو احکام شرعیہ عقل کے مطابق ہیں وہ تو مشروع اور ثابت ہیں اور جو حکم و شرع عقل کے خلاف ہے وہ صحیح نہیں۔

چنانچہ معتزلہ یہی بات کہتے ہیں کہ جو حکم عقل کے موافق ہو اس کی اتباع کی جائے۔

امام ابوالحسن اشعری کا قول

امام ابوالحسن اشعری فرماتے ہیں کہ وجوب کی دلیل سماع ہے' جس نے ایمان و احکام کے امر کو سنا' اس پر ایمان اور تعمیل احکام واجب ہے اور جس کو سننے کا موقع ہی نہیں ملا' وہ خواہ بت پرستی کرتے ہوئے مر جائے' معذور ہے' اسے کافر نہیں کہا جائے گا۔

اہل سنت و جماعت کا موقف

اہل سنت کا موقف یہ ہے کہ ہر حکم اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے واجب ہوتا ہے اور احکام کے وجوب کی دلیل سماع یا وہ چیز جو سماع کے قائم مقام ہو جیسے کتابت' اشارہ اور کوئی بھی چیز جو واجبات کے علم کا ذریعہ ہو' اس لیے کہ اہل فترت میں سے جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا لیکن شریعت کے احکامات پر عدمِ علم کی وجہ سے عمل نہ کر سکا وہ معذور ہے۔

ایسے ہی وہ شخص جو دارالحرب میں ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے تو اس کا ایمان صحیح ہے مگر عدم علم کی بناء پر احکام شرع یعنی نماز' روزہ وغیرہ بجا نہیں لاتا تو وہ معذور ہے (مگر نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ وغیرہ احکام علم نہ ہونے کی وجہ سے' اگر وہ نہیں بجا لایا تو وہ اس میں معذور ہے) کیونکہ اس تک دلیل شرعی نہیں پہنچی اور محض عقل سے احکام و شرائع اور ان کی کیفیت معلوم نہیں ہو سکتی۔

لہٰذا محض عقل کو دلیل بناتے ہوئے اس پر احکام واجب نہیں کیے جائیں گے' مثلاً جب وہ دارالاسلام آیا یا کسی مسلمان نے اسے احکام کے بارے میں بتایا تو جو نماز روزہ وہ نہیں کر سکا اس کی قضاء واجب نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت اور وحدانیت کو عقل سے حاصل ہو سکتی ہے لیکن ایمان محض عقل سے واجب نہیں ہوتا' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے واجب کیے بغیر صرف عقل موجب ایمان نہیں

Marfat.com

ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے وجوب کی دلیل موجود نہیں اور وہ شخص ایسے حال میں اگر کسی دین پر اعتقاد و ایمان رکھنے میں خطا کر لیتا ہے تو معذور نہیں ٹھہرے گا بلکہ کافر ہوگا۔

اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں' ایک یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ دنیا میں کسی رسول کو مبعوث نہ فرماتا اور تمام انسان کسی دین پر اعتقاد نہ لاتے اور غور و فکر اور استدلال کی قدرت عطا نہ کی جاتی اور اس چیز کی معرفت حاصل نہ کرتے کہ ہم مخلوق ہیں اور نہ اپنے بنانے والے کو پہچانتے بلکہ جانوروں کی طرح بے کار و بے مقصد زندگی بسر کرتے تو ایسے انسان کے لیے کیا حکم ہے؟

اسی مسئلہ کی دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص جو پہاڑوں میں پیدا ہوا اور اس کی عقل پر پردۂ غفلت پڑا رہا تو ایسے شخص کے لیے کیا حکم ہے؟ معتزلہ نے کہا: یہ سب کافر ہیں' اس لیے کہ جب وہ صاحبِ عقل تھے تو ان کے لیے ضروری تھا کہ عقل سے اپنے صانع پر ایمان لاتے اور جب انہوں نے عقل سے کام نہیں لیا تو انہوں نے اپنے اوپر جو چیز لازم تھی اسے ترک کر دیا' لہٰذا ان کے کفر کا حکم صادر کیا جائے گا' اگرچہ وہ کسی چیز کا اعتقاد نہ رکھتے ہوں۔

ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وہ سب معذور ہیں اگرچہ بت پرستی کرتے ہوں کیونکہ انہیں ایمان لانے اور کفر سے بچنے کا حکم ہی نہیں ملا' لہٰذا ایسی صورتِ حال میں وہ معذور ٹھہریں گے۔

اہل سنت ماتریدیہ کا مؤقف

ماتریدیہ اس بات کے قائل ہیں کہ ایسے حالات میں اگر وہ ایمان نہیں لائے تو کافر نہیں کہلائیں گے اس لیے کہ ان پر ایمان واجب ہی کب ہوا ہے۔

قرآن کریم میں ہے: ''وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا'' (الاسراء:۱۵) اور ہم عذاب نہیں دیتے حتیٰ کہ رسول بھیج دیں لیکن اگر کفر کریں تو معذور قرار نہیں دیئے جائیں گے اس لیے کہ جو کفر کو جانتا ہے وہ ایمان کو کیسے نہیں جانتا؟ حالانکہ ایمان کی معرفت تو اولیٰ و مقدم ہے۔

بعض حضرات نے کہا کہ اس آیت ''وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا'' (الاسراء:۱۵) کا معنی یہ ہے کہ ''ہم کافروں کو عذاب نہیں دیتے یہاں تک کہ رسول بھیجیں'' اور رسول سے مراد عقل ہے تو ثابت ہوا کہ اگر وہ عقل رکھتے ہوئے کفر کریں تو معذور نہیں قرار

Marfat.com

پائیں گے۔

پھر اگر وہ غور وفکر اور تامّل وتدبّر سے استدلال کر کے جان لے کہ وہ مصنوع ومخلوق ہے اور اس کا کوئی صانع اور خالق ہے اور اپنے پیدا کرنے والے پر یقین لائے لیکن زبان سے اقرار نہیں کیا اور نہ ہی وہ اقرار کو جانتے تھے، صرف اتنا جانتے تھے کہ ہمارا کوئی صانع ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ کے سوا کوئی راستہ نہیں اور اللہ کے دین کے علاوہ کوئی دین نہیں ہے تو عند اللہ (اللہ کے نزدیک) مؤمن ہیں اس لیے کہ اقرار کا تعلق احکام سے ہے اور احکام بغیر سماع (شرع) محض عقل سے معلوم نہیں ہو سکتے اور جب سماع وعلم موجود نہیں تو اُسے اقرار اور اس کے طریقہ وکیفیت کا علم کیسے ہوگا؟ تو وہ کیسے جانے گا کہ اقرار کس طرح کرتے ہیں اور اس کا طریق وکیفیت کیا ہے؟ لہٰذا وہ مؤمن ہے جب کہ اپنے صانع کی تصدیق کرتا ہو۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشادِ مبارک کی وضاحت

اور جو امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ عاقل اگر خدا کو نہیں پہچانتا تو وہ معذور نہیں ٹھہرے گا، آپ کے اس فرمان کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایمان عقل سے واجب ہے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ عقل والے غور وفکر کریں اور عقل سے استدلال کر کے اپنے اللہ کو پہچاننا ان پر واجب اور ضروری ہے اور جب عقل سے استدلال کر کے اللہ کو پہچانے گا تو عند اللہ وہ مؤمن قرار پائے گا جب کہ اللہ کے دین کے سوا کسی اور دین کا اعتقاد نہ رکھتا ہو اور اگر اس کے باوجود اس نے تامل واستدلال کو ترک کر دیا اور اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانا تو اس نے خدا کو پہچاننے میں کوتاہی کی ہے تو اس وقت تک اس کے کفر کا حکم صادر نہیں کریں گے جب تک وہ کسی اور دین پر اعتقاد نہ رکھتا ہو۔

غور وفکر چھوڑنے کی وجہ سے معذور بھی نہیں ہوگا۔ لیکن اس کی اس تقصیر وکوتاہی کا معاملہ مشیت ایزدی کے سپرد ہے، جیسے چاہے اس کے ساتھ معاملہ فرمائے۔

عقل تنہا موجب ایمان نہیں

دلیل: عقل بغیر سماع کے ایمان کو واجب نہیں کرتی، اس لیے کہ عقل وجود باری تعالیٰ کو ثابت کرتی ہے اور احکام کی پابندی وتکلیف اللہ تعالیٰ کی طرف سے عقل کے سبب سے ثابت ہوتی ہے۔

Marfat.com

پھر یہ بھی ہے کہ عقل تو اپنے نفس اور اس کی کیفیت کو نہیں جان سکتی یہ کسی اور شئی کو کس طرح واجب کر سکتی ہے؟ لہٰذا محض عقل موجب ایمان نہیں۔

عقل اپنی پہچان سے قاصر ہے

اس لیے کہ احکام میں فرق اور تفاوت تو اس وجہ سے آتا ہے کہ خطاب میں فرق و تفاوت ہے، عقل کی وجہ سے یہ فرق رونما نہیں ہوتا۔

دلیل: دلیل کے طور پر چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

مثال نمبر ۱: یہ کہ احکام میں تفاوت خطاب میں تفاوت کی وجہ سے ہوتا ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ نماز کے واجب ہونے کا سبب وقت ہے اور نماز مقیم آدمی پر تمام دنوں میں چار رکعت اور مسافر پر دو رکعت فرض ہے۔ ظاہری بات ہے کہ وقت اور عقل میں فرق و تفاوت نہیں ہے، اس لیے کہ عقل ایک ہی ہے اور عقل جیسی تھی وہی ہے۔ معلوم ہوا کہ دن اور سبب جب ایک ہے تو یہ تفاوتِ احکام فقط خطاب میں فرق ہونے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے نہ کہ عقل سے۔

مثال نمبر ۲: ایسے غور کریں کہ ظہر کی نماز تمام دنوں میں خواہ گرمی ہو یا سردی چار رکعتیں فرض ہیں جب کہ جمعہ کے روز دو رکعت ہیں تو یہ تفاوت بھی خطاب کی وجہ سے ظاہر ہوتا ہے، عقل سے یہ دو اور چار کا فرق پیدا نہیں ہوتا، اس کی دلیل یہ ہے کہ وجوب کا تعلق خطاب سے ہے عقل سے نہیں ہے۔ لہٰذا ابتداءً عقل سے شریعت کا قیام ممکن نہیں ہے، علاوہ ازیں عقل اس چیز کی راہ نمائی نہیں کر پاتی کہ شریعت کے ارکان و شرائط، اسباب و علامات اور ان کی کیفیات اور اس کے دلائل کیا ہیں؟ ایسے ہی عقل قطعاً موجب ایمان نہیں۔

عقل کے موجب ایمان نہ بننے کی دلیل

اس لیے کہ ایمان کے بھی ارکان و شرائط ہیں اور عقل ان معانی کا ادراک کرنے سے قاصر ہے، بلکہ عقل خود اپنی ذات سے بے خبر اور اسے جاننے سے عاجز ہے تو عقل ایمان کی صورت اور اس کے اوصاف کو کس طرح جان سکتی ہے؟ لہٰذا جب ایمان کے اوصاف اور شرائط و ارکان کو جاننے سے عقل قاصر و بے بس ہے تو وجوب ایمان پر دلیل بھی نہیں بن سکتی۔

Marfat.com

دلیل کی تعریف

دلیل اس امر کو کہتے ہیں جو ذات مع الوصف پر دلالت کرے اور جب عقل بغیر سماع کے اوصاف ایمان بیان کرنے سے قاصر ہے تو دلیل کیسے بن سکتی ہے؟ لہٰذا ہمارا دعویٰ صحیح ثابت ہوا۔

اشکال: اگر کوئی یہ اعتراض وارد کرے کہ عقل اس حیثیت سے کہ اس سے احکام کا تعلق ہوتا ہے حجت الٰہی قرار پاتی ہے (لہٰذا آپ اس کے دلیل و حجت ہونے کا انکار نہیں کر سکتے) مثلاً دیکھیں کہ عقل بہت سے مقامات پر دلیل و حجت کا کردار ادا کرتی ہے۔ عقل قیاس، استحسان، استصحابِ حال اور نصوص و احادیث میں تاویلات کی علت بنتی ہے۔ اسی طرح اصل سے فرع کی طرف قیاس عقل کی بنا پر حکم ثابت کرتے ہیں۔

جواب: قیاس حجت عقلیہ نہیں ہے بلکہ حجت شرعیہ ہے اس لیے کہ قیاس کے حجت ہونے کا اعتبار شرع کرتی ہے اور شرع ہی نے قیاس کو اثبات حکم کے لیے حجت قرار دیا ہے۔

دلیل: اس پر دلیل یہ ہے کہ نص میں جو حجت معتبر ہے وہ محض عقل سے جائز نہیں ہے کیونکہ منصوص پر قیاس کیے بغیر صرف عقل سے کسی حکم کو ثابت کرنا جائز نہیں ہوتا۔ ہاں! بلاشک و شبہ عقل اللہ تعالیٰ کی حجتوں میں سے ایک حجت ہے، اس معنی کے لحاظ سے کہ عقل آلہ و ذریعہ ہے حصول معرفت کے لیے اور اس حیثیت سے کہ استدلال کے لیے واسطہ اور خطاب کے متوجہ ہونے کے لیے سبب بنتی ہے۔

لیکن عقل وجوب کی دلیل اور حجت نہیں ہے، یہ (عقل) اسی طرح ہے جیسے وقت نماز کے لیے ہوتا ہے کہ وقت نماز کے لیے حجت ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے، بایں معنی کہ وقت کے آنے سے نماز واجب ہو جاتی ہے حالانکہ اصل میں دلیلِ وجوب خطاب الٰہی ہے وقت نہیں ہے، اسی طرح ماہِ رمضان کا آنا روزے کے واجب ہونے اور نصاب بابِ زکوٰۃ میں حجت ہے حتیٰ کہ مہینہ اور نصاب وجوب کا سبب بن گئے، لیکن دلیلِ وجوب درحقیقت وہ خطاب ہے نہ کہ سبب، ایسے ہی ہمارے قول کو قیاس کرنا چاہیے۔

اور جس چیز کا علم سماع پر موقوف ہے تو سماع اس چیز کے لیے علت ہے اور سماع کا حجت ہونا عقل و فکر سے مستغنی و بے نیاز نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ بغیر نبی کے سماع صحیح نہیں ہے اور نبی

Marfat.com

و متنبی (جھوٹا نبی) میں بغیر معجزہ کے فرق و امتیاز نہیں ہو سکتا اور معجزہ و خرق عادت میں جو فرق کیا جاتا ہے وہ بھی عقل ہی سے ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ عقل مثبت علم اور حصول معرفت کا ذریعہ و آلہ ہے اور بعض فقہاء نے فرمایا کہ اس مسئلہ کی وضاحت میں واضع سے خطا ہوئی ہے۔ یہ خطا اس لیے ہے کہ سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور حضور نبی کریم ﷺ نے آدم علیہ السلام سے دعوت و تبلیغ فرما دی۔ اگر اس کے بعد سماع نہ بھی ہو تو یہی سماع کافی ہے' اس لیے کہ تمام انسان آدم علیہ السلام کو بطور خبر متواتر اپنے آباء و اجداد سے سنتے آئے ہیں تو جب آدم علیہ السلام کا باپ ہونا تواتر کے ساتھ سب تک پہنچ گیا تو اس طرح ان کا نبی ہونا بھی بطور خبر متواتر پہنچ گیا تو اہل فترت سب کفار ہیں' جس نے بھی کفر کا عقیدہ اختیار کیا اور حضرت آدم اور ان کی رسالت اور فترت سے پہلے کے رسولوں کا انکار کیا وہ بھی کافر ہیں اور ایسے ہی وہ کفار جن کو ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خبر نہیں پہنچی' معذور قرار نہیں دیئے جائیں گے بلکہ ان کو کافر ہی کہا جائے گا' اس لیے کہ ان کو دوسرے انبیاء کرام کی دعوت کی خبر پہنچ گئی یا فقط آدم علیہ السلام کی دعوت کی خبر پہنچ گئی۔

ساتواں قول

بچوں کا بیان

اس میں شک نہیں کہ مؤمنوں کے بچے دنیا و آخرت میں مؤمن ہیں اور وہ جنتی ہیں لیکن سوال کفار اور مشرکین کے بچوں کے بارے میں ہے کہ دنیا اور آخرت میں ان کا کیا حکم ہے؟

تو دنیا میں کفار و مشرکین کے بچے اپنے والدین کی تبعیت میں کافر ہیں' اگر کوئی گرا پڑا بچہ مل جائے تو اگر وہ دار الحرب یا کافروں کے علاقے میں پڑا ہوا تھا تو کافر ہے' خصوصاً جب کہ اٹھانے والا بھی کافر ہو' اگر اٹھانے والا مؤمن ہے تو اس صورت میں اختلاف ہے۔ ''کتاب اللقیط'' میں ہے کہ وہ چونکہ کافروں کے علاقہ سے ملا ہے لہٰذا کافر ہے اور ''کتاب الدعویٰ'' میں ہے کہ بچہ کے اسلام کا اعتبار کیا جائے گا جب کہ مسلمان پانے والا ہو خواہ وہ بچہ

Marfat.com

دارالاسلام سے ملے اور خواہ کفرستان سے، بہر حال بچہ مسلمان سمجھا جائے گا۔

ابن سماعہ، امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ پانے والے کا اعتبار کریں گے کہیں سے بھی پائے (یعنی اگر پانے والا کافر ہے خواہ دارالاسلام سے پائے یا کفرستان سے تو بچہ کافر ہو گا اور اگر پانے والا مسلمان ہے تو بچہ خواہ مسلمانوں کے علاقہ سے ملے یا کافروں کے علاقہ سے اس کو مسلمان اعتبار کریں گے)۔

سوال: آخرت میں کافروں کے بچے کہاں ہوں گے؟

جواب: معتزلہ اور خوارج کہتے ہیں کہ وہ دوزخی ہیں۔

اور اہل سنت و جماعت نے فرمایا کہ انہیں عذاب نہیں ہو گا۔ بعض نے کہا کہ وہ ''اعراف'' میں ہوں گے۔ بعض نے کہا: اصحاب یمین کے ساتھ ہوں گے۔ بعض نے کہا: وہ اہل جنت کے خدمت گار ہوں گے اور سیدنا امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سے سوال ہوا تو آپ نے فرمایا: میں اس بارے میں اپنی رائے کا اظہار نہیں کرنا چاہتا۔

یہی سوال جب محمد بن حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ عزوجل بغیر گناہ کسی کو عذاب نہیں دے گا۔

اور نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے ''لاھیــن'' کے متعلق اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا، صحابہ کرام نے عرض کیا: ''لاھیــن'' سے کیا مراد ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مشرکین کے بچے۔

دوسری روایت میں ہے کہ میں نے مؤمنوں کے بچوں کے لیے سفارش کی تو میری وجہ سے ان کو بخش دیا گیا اور جب میں نے مشرکین کے بچوں کی سفارش کی تو ان کو اہل جنت کا خادم بنا دیا گیا۔

عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ مؤمنین کے بچے بادشاہ اور مخدوم ہوں گے اور مشرکوں کے بچے اہل جنت کے خدمت گار ہوں گے اور صحیح ترین بات یہ ہے کہ مشرکین کی اولاد حقیقت میں غیر کافر پیدا ہوئی، لیکن دنیوی احکام کے ثبوت اور نفاذ قوانین کے لیے ان کو اپنے والدین کے تابع قرار دیا گیا تاکہ ان کے لیے دنیا میں ولایت، شادی بیاہ، وراثت وغیرہ احکام ثابت کیے جائیں لیکن حقیقت میں وہ کافر نہیں

Marfat.com

ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ بغیر گناہ اور معصیت کے کسی کو عذاب دے تو یہ اس کی شانِ عدل کے لائق نہیں ہے۔

سوال: اگر یہ اشکال پیدا ہو کہ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ حضور! آپ سے جو میرے بچے پیدا ہوئے ہیں (اور بچپن میں فوت ہو گئے) وہ کہاں ہیں؟ فرمایا: جنت میں۔

عرض کیا: حضور! میرے وہ بچے جو آپ سے نہیں پہلے شوہر سے ہیں؟ فرمایا: وہ جہنم میں اور اگر تو چاہے تو میں آپ کو ان کی چیخ و پکار سنواؤں؟

جواب: اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے اپنے پہلے شوہر سے پیدا ہونے والی بالغ اولاد کے متعلق سوال کیا تھا کیونکہ اس پر قرینہ یہ ہے کہ بالغ پر بھی ''طفل'' (بچہ) کا لفظ بولا جاتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''ثم نخرجکم طفلاً'' (الحج:۵) پھر ہم نے تمہیں بچے کی صورت میں پیدا کیا، چنانچہ یہاں اللہ تعالیٰ نے بالغوں پر ''طفل'' کا اطلاق فرمایا ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ جب بچہ غیر عاقل ہو تو اس کے بارے میں توقف ضروری ہے جیسا کہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد گرامی ہے۔

لیکن جب وہ عاقل ہو تو اس پر کفر کا حکم درست ہے، جیسے کہ اس کا اسلام صحیح ہے، خصوصاً امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس لیے کہ عقل مند بچہ جب اسلام لایا پھر (نعوذ باللہ) مرتد ہو گیا تو ان دونوں ائمہ کے نزدیک اس کا ارتداد معتبر ہو گا تو ایسا ہی یہاں حکم ہے۔

اور زیادہ قرین قیاس اور درست بات یہ ہے کہ آخرت کے معاملے میں بلوغ سے پہلے کفر کا حکم نہیں کیا جائے گا، اس لیے کہ بے عقل بچہ نہ مخاطب ہے اور نہ معاقب (لائقِ سزا)۔

مذکورہ بالا تمام بحث اور احکام انسان کے بچوں کے متعلق تھے اور ایسے ہی جنات کے بچوں کا حکم ہے۔

اور شیاطین کے بچوں کے متعلق متقدمین سے کوئی روایت نہیں ملتی اور معتزلہ کے

Marfat.com

نزدیک کوئی اشکال نہیں کہ ان کے نزدیک اہل نار سے ہیں لیکن جو بچوں کے لیے عذاب کے قائل ہیں، وہ کہتے ہیں کہ شیاطین جب بچے جنتے ہیں تو وہ عاقل بالغ ہوتے ہیں اور پیدا ہوتے ہی کفر اختیار کر لیتے ہیں اور بعض نے کہا کہ یہ بات صحیح طور پر ثابت نہیں ہو سکی کہ شیاطین کی اولاد ہوتی بھی ہے یا نہیں؟ لہٰذا جواب کی حاجت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

آٹھواں قول
عقل افضل ہے یا علم؟

اس میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے کہ عقل افضل ہے یا علم؟ بعض نے کہا کہ عقل افضل ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ عقل افضل ہے اس لیے کہ علم عقل کا محتاج اور عقل علم کی محتاج نہیں۔

صحیح بات یہ ہے کہ علم کئی قسم کا ہوتا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ اور کی صفات کا علم، دین اور شرائع کا علم، یہ علوم عقل سے افضل ہیں، اس لیے کہ بغیر عقل کے بندہ کی نجات ہو جاتی ہے جب کہ بغیر علمِ دین کے بندہ کی نجات نہیں ہوتی۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہر عاقل مخاطب و مامور ہے کہ دین کا علم سیکھے، اس کی طلب کرے ان علوم کے علاوہ دیگر علوم مثلاً صنعت و حرفت کا علم، اصلاحِ اشیاء کا علم، علمِ نجوم، علمِ طب، ان علوم سے عقل افضل ہے، اس لیے تمام علوم اصلاحِ نفس اور اصلاحِ معیشت کے لیے ہیں، مصلحت عقل میں زیادہ ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کا علم تمام مخلوق کے علم سے افضل ہے اور اس کا علم غیر مخلوق ہے اور جس شخص نے کہا ہے کہ علم افضل ہے، اس سے مراد علمِ الٰہی ہے اور علمِ دین اور علمِ شریعت و احکام ہے اور جس نے کہا: عقل افضل ہے جیسے مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا تو اس سے مراد علم اکتساب و اصلاح ہے۔ واللہ اعلم

عقل والوں کی فضیلت کا بیان

اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ جن، شیاطین سے افضل ہیں اور انسان جن سے

Marfat.com

افضل ہے اور اطاعت گزار جن نافرمان انسانوں سے بہتر ہیں۔

انسان کو جن پر اس لیے فضیلت حاصل ہے کہ تمام انبیاء اور رسل علیہم السلام انسانوں میں سے ہوئے ہیں، جنوں میں سے کوئی نبی یا رسول نہیں ہوا۔

اولیاء کرام عام مؤمنوں سے افضل ہیں اور انبیاء کرام اولیاء سے افضل ہیں اور رسل کرام انبیاء کرام سے افضل ہیں اور رسولان اولوالعزم دیگر رسولوں سے افضل ہیں۔ فرشتوں کے بارے میں معتزلہ کہتے ہیں کہ وہ رسولوں اور نبیوں سے افضل ہیں۔

امام ابوالحسن اشعری فرماتے ہیں کہ انسانوں کے خواص فرشتوں کے خواص وعوام سے افضل ہیں اور عامۃ المؤمنین انسان عام فرشتوں سے افضل ہیں۔

امام محمد بن حسن سے مروی ہے کہ انہوں نے ''کتاب الصلوٰۃ'' میں یہ مسئلہ ذکر کیا ہے کہ نمازی جب سلام پھیرنے کا ارادہ کرے تو ملائکہ اور مؤمنین کی نیت کرے اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ سلام کے وقت مؤمنوں اور فرشتوں کی نیت کرے۔ اہل تأویل نے اس کا مطلب یوں بیان کیا ہے کہ جب امام رحمۃ اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ ملائکہ کو مؤمنین پر فضیلت حاصل ہے تو ذکر میں ملائکہ کو مقدم کر دیا اور جب دیکھا کہ مؤمنین کو فرشتوں پر فضیلت حاصل ہے تو مؤمنین کا ذکر پہلے کر دیا۔

اس مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ مطلقاً یہ جواب صحیح نہیں، اس لیے کہ ملائکہ میں وہ بھی ہیں جو رسول ہیں جیسے جبرئیل، میکائیل، اسرافیل اور عزرائیل علیہم السلام، اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَللّٰـهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَةِ رُسُلاً وَّمِنَ النَّاسِ. (الحج:۷۵) اللہ تعالیٰ فرشتوں اور انسانوں سے چنتا ہے۔

اور یہ محال ہے کہ غیر رسول، رسول سے افضل ہو جائے اور انسانوں میں بھی اسی طرح کہ غیر رسل، رسل سے افضل نہیں ہو سکتے۔

اور صحیح جواب یہ ہے کہ خواص مؤمنین یعنی انبیاء ومرسلین خواص ملائکہ سے افضل ہیں اور عوام ملائکہ عوام مؤمنین سے افضل ہیں اور جس نے یہ کہا کہ عوام مؤمنین عوام ملائکہ سے افضل ہیں، صحیح نہیں، اس لیے کہ مؤمن کو ایمان کی وجہ سے فضیلت حاصل ہوتی ہے اور ملائکہ کو بھی

Marfat.com

ایمان حاصل ہوتا ہے' تمام اوصاف کے ساتھ۔ پھر مزید برآں یہ کہ ملائکہ کی طاعت مؤمنین سے اکثر زیادہ ہے جب کہ مؤمن سے فسق و فجور متصور ہوسکتا ہے بلکہ کفر کا بھی خوف لاحق رہتا ہے اور مؤمن سے عذاب و حساب اور دخول نار اور سوال قبر ہوتا ہے اور فرشتہ ان تمام معصیتوں سے معصوم اور محفوظ ہوتا ہے' تو یہ محال ہے کہ مؤمن ان خطرات و خدشات اور بُرے کاموں کے باوجود ملائکہ سے افضل ہو جائے۔

سوال: اگر کہا جائے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے بعض ایسے مقرب بندے ہیں کہ وہ فرشتوں سے بھی افضل ہیں' ان میں سے ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں؟

جواب: تو اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ یہ حدیث بطریق آحاد وارد ہوئی ہے اور فقہاء کرام نے اس کے حجت ہونے پر اتفاق نہیں کیا' لہٰذا اس حدیث مذکور کو دلیل کے طور پر پیش نہیں کیا جاسکتا۔

دوسری بات' یہ بھی ممکن ہے حدیث میں جو مؤمن انسان کی فرشتے سے فضیلت ذکر ہوئی' یہ فضیلت و برتری ایک خاص وقت کے لحاظ سے ہو یا کسی مخصوص شخص کی نسبت سے ہو' مثلاً وہ ایک وقت میں افضل ہے اور دوسرے وقت میں نہیں اور ایک شخص کے لحاظ سے افضل ہے' دوسرے شخص کے لحاظ سے نہیں' تو ہوسکتا ہے کہ ابوذر غفاری ایمان کے بعد ایمان کے سبب افضل ہوں اور وہ ایمان' طاعت اور زہد و تقویٰ کی وجہ سے مقرب ہو گئے ہوں تو وہ دنیا میں ہاروت و ماروت سے افضل ہوں۔

اس لیے کہ ہاروت و ماروت دنیا ہی میں مبتلائے عذاب ہیں اور ابوذر سے آخرت میں سوال کئے جائیں گے اور دنیا میں ان سے سوال نہیں کیا جائے گا۔

لیکن آخرت میں ابوذر ہاروت و ماروت سے افضل نہیں ہوں گے اور تمام فرشتوں سے ابوذر افضل نہیں ہوں گے اور اس لیے کہ ابوذر اسلام سے پہلے کافر تھے اور اسلام کے بعد وہ معصوم نہیں اور خاتمہ سے مامون نہیں اور وہ شخص جس سے کفر حاصل ہوا ہو' اس کے بارے میں یہ فیصلہ کیونکر دیا جاسکتا ہے کہ وہ انجام کار کفر سے معصوم و محفوظ ہوگا؟ لہٰذا وہ ان فرشتوں

Marfat.com

سے افضل نہیں ہوسکتا جو کہ مقدس ومطہر اور کفر وعصیان سے معصوم ہیں۔

جبرئیل افضل ہیں کہ ابوبکر صدیق؟

اہل سنت و جماعت کا اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ جبرئیل' میکائیل واسرافیل' عزرائیل علیہم السلام اور رسل ملائکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابہ کرام سے افضل ہیں۔

مگر بعض متقشفہ نے وفورِ محبت اور غلبۂ عشق کی وجہ سے کہا کہ ابوبکر تمام فرشتوں سے افضل ہیں اور یہ قول ان کی تردید کرتا ہے۔

فرشتے افضل ہیں یا اولیاء؟

کیا باقی فرشتے حضرت ابوبکر صدیق اور دیگر اولیاء کرام سے افضل ہیں یا نہیں؟ تو اس بارے میں علماء کے چند اقوال ہیں:

(۱) بعض حضرات کہتے ہیں کہ ابوبکر وغیرہ فرشتوں سے افضل ہیں۔

(۲) اور بعض دوسرے حضرات نے کہا کہ فرشتے افضل ہیں اور یہی بات صحیح ہے' اس لیے کہ تمام فرشتے محل نبوت ہیں' کیونکہ معنیٰ نبوت (یعنی انباء' الہام اور وحی خفی) اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُن سے حاصل ہے تو جس بھی شخص کے ہاتھ اور زبان سے ظاہری و باطنی طور پر انزالِ وحی جائز ہو تو اس کا حکم نبوت کا حکم ہوگا۔

(۳) اور اس لیے کہ کسی فرشتہ سے بغض رکھنا جائز نہیں' اس لیے کہ سب اللہ تعالیٰ کے خواص' انبیاء اور پیمبر (سفارت کار) ہیں (ا) اور جو کسی فرشتہ سے بغض رکھے' کافر ہے۔ (ب) اور کسی فرشتے کو گالی دے کافر ہو جائے گا (ج) فرشتوں پر ایمان لانا واجب ہے' انبیاء کرام اور فرشتے درجہ ومرتبہ میں برابر ہیں تو ثابت ہوا کہ وہ اولیاء سے افضل ہیں۔

سوال: اگر کہا جائے کہ نبی کریم ﷺ نے صدیقِ اکبر اور بعض دیگر صحابہ کرام کے لیے جنت کی شہادت دی ہے اور یہ شہادت زوال ایمان سے عصمت اور امان کو واجب کرتی ہے۔

جواب: جواباً عرض یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی شہادت سے وہ نزع کے وقت زوالِ ایمان سے مامون ومحفوظ ہیں' بنیادی طور پر ان میں بزرگی وفضیلت نہیں ہے' اس پر دلیل یہ

Marfat.com

ہے کہ ابتداءً اسلام میں ان سے کفر بھی صادر ہوا مگر نبی اکرم ﷺ نے ان کے جنتی ہونے کی شہادت دی تو وہ جنت میں داخل ہوں گے لیکن جہنم میں ان کا داخل ہونا بھی ایک لازمی امر ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا'' (مریم: ۷۱) ''تم میں سے کوئی ایسا نہیں جس کا گزر دوزخ پر نہ ہو' تمہارے رب کے ذمہ پر یہ ضرور ٹھہری ہوئی بات ہے'' اگرچہ عذاب نہ دیئے جائیں گے اور انبیاء و ملائکہ ان امور مذکورہ سے معصوم ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

نواں قول
مستحسناتِ عقل کا بیان

معتزلہ کہتے ہیں کہ جس چیز کو عقل اچھا کہے وہ اچھی ہے اور جسے بُرا کہے' وہ بُری ہے اور عام علماء نے فرمایا: حسن (اچھی چیز) وہ ہے جس کو شرع اچھا کہے اور قبیح وہ ہے جس کو شرع قبیح کہے چنانچہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تفصیل بیان کر دی جائے' اس لیے کہ اشیاء میں حسن و قبح کے چند مراتب ہیں۔

حسن و قبح کی قسمیں

(۱) حسن لعینہٖ: وہ اشیاء جن کی ذوات میں حسن ہو' جیسے اللہ پر ایمان لانا' اس کی عبادت کرنا اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا۔

(۲) حسن لغیرہٖ: وہ اشیاء جن میں فی نفسہٖ حسن و خوبی نہیں ہے' مگر ان کے غیر میں خوبی ہے' جیسے سراؤں کا بنانا' مساجد کا تعمیر کرنا' اذیت دینے والی چیز کو راستہ سے ہٹانا۔

قبیح کی قسمیں

اسی طرح قبیح کے چند مراتب ہیں' مثلاً

(۱) وہ اشیاء جن کی ذات میں برائی ہے جیسے شرک' زنا' چوری وغیرہ۔

(۲) اور وہ چیزیں جن کی ذات میں قباحت و برائی نہیں لیکن اس سے متعلق دوسری میں قباحت ہے' اس کی وجہ سے یہ بھی قبیح ہوگئی۔

Marfat.com

تو ہم کہتے ہیں کہ جب کوئی شئی قبیح یا حسن لغیرہ ہو تو اس کا حُسن شرع کے اچھا جاننے سے ہوگا اور اس کا بُرا ہونا شرع کے بُرا جاننے سے ہوگا اور اس میں عقل کی مجال نہیں کہ کسی شئی کو حسن یا قبیح کہے اور جب کبھی وہ شئی حسن یا قبیح لعینہٖ ہو تو ہم کہیں گے کہ یہ حسن، حسن لعینہٖ ہے (یعنی اس کی ذات میں خوبی ہے) اور شرع نے اس کو پسند کیا ہے اور قبیح، قبیح لذاتہٖ ہے اور شرع نے اس کو قبیح قرار دیا ہے۔

ایسے ہی امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کتاب ''العالم والمتعلم'' میں فرمایا کہ ظلم قبیح لعینہٖ ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ وہ عقلاً حسن یا قبیح ہے بلکہ ہم یوں کہیں گے: ہمیں اس چیز کے حسن یا قبح کا علم عقل سے ہوتا ہے جیسے کہ شرع کی رہنمائی سے ہم کسی شئی کے حسن یا قبیح ہونے کو پہچانتے ہیں یہاں تک کہ اگر شرع اس کے حسن و قبح کو نہ بھی بیان کرتی تو بھی اسلام و عبادات وغیرہ حسن لعینہٖ ہوتے اور ظلم و کفر قبیح لعینہٖ ہوتے۔

اس گفتگو کا فائدہ یہ ہے کہ احسن الحسنات علانیہ طور پر اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور اس کا چھپانا قبیح ہے، پھر بھی اگر تقیۃً (خوف سے) چھپایا تو جائز ہے اور اس کو شرع نے مستحسن قرار دیا، اس کی دلیل یہ آیت ہے: ''وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یکتم ایمانہٗ'' (المومن: ۲۸) اور اگر ظاہر کر لے تو جائز ہے اور یہ بہتر ہوگا یہاں تک کہ اگر (اسی اظہارِ ایمان کی وجہ سے) قتل کر دیا جائے تو اجر پائے گا۔

تو ہم کہتے ہیں کہ یہ حسن کبھی شرع کی رہنمائی سے پہچانا جاتا ہے اور کبھی عقل سے اس کی معرفت ہو جاتی ہے۔ بہرکیف دونوں صورتیں شرعاً پسندیدہ ہیں اور ایسے ہی اگر مجبور کیا گیا کہ فلاں کو ناحق قتل کر دے تو یہ قبیح لعینہٖ اور دوسرے کی جان بچانا حسن لعینہٖ ہے۔

اور اگر ناحق طور پر کسی کے قتل کرنے پر مجبور کیا گیا تو بہتر یہ ہے کہ اس کو قتل نہ کرے، یہاں تک کہ مجبور کرنے والے نے اگر اس کو ناحق قتل کر دیا تو یہ مقتول ماجور ہوگا اور اگر قتل کر دیا مکرہ نے تو اس پر قصاص و دیت واجب نہیں، اس لیے کہ اپنی جان بچانا دوسرے کی جان بچانے سے اس کے نزدیک احسن ہے۔

اس مسئلہ سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ ایک شئی جائز ہے کہ حسن لذاتہٖ ہو یا قبیح لعینہٖ ہو اور یہ دلالتِ شرع سے معلوم ہوگا، پھر ہر وہ شئی جو حسن لعینہٖ ہو تو شریعت بھی اس کو مستحسن سمجھتی

Marfat.com

ہے اور ہر وہ شئ جو قبیح لذاتہٖ ہو شریعت اس کو بُرا کہتی ہے' اس لیے کہ ہمیں ایسی مثال نہیں ملتی کہ ایک چیز حسن لذاتہٖ ہو اور شریعت نے اس کو قبیح قرار دیا ہو یا جو چیز قبیح لذاتہٖ ہو' شریعت نے اس کو مستحسن قرار دیا ہو' ایسا کہیں نہیں' ہاں! شرع قبیح کو اس وقت مستحسن قرار دیتی ہے جب کہ قبیح سے اقبح منعدم ہو جائے۔

صورتِ مسئلہ

مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ جس کو قتل کا حکم دیا گیا اور محکوم علیہ بالقتل بھاگ گیا اور بھاگ کر کسی محفوظ مکان میں اطمینان سے جا بیٹھا' پھر اس کو کوئی شخص دیکھ لیتا ہے اور ادھر سے طالبِ قتل بھی آ جاتا ہے اور اس نے اس شخص سے اس مفرور آدمی کی نسبت دریافت کیا۔ اب یہ شخص یقین کے ساتھ اس کو جانتا ہے کہ وہ فلاں جگہ روپوش ہے اور اس کو علم ہے کہ اگر میں نے اس کی نشاندہی کر دی تو لامحالہ یہ اس کو قتل کر دے گا تو اس کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے' اگرچہ جھوٹ بولنا قبیح لعینہٖ ہے لیکن اس قبیح کے اختیار کرنے سے جو اقبح ہے' منعدم ہو سکتا ہے۔

اور یہ مسئلہ اس شخص کے قول کی واضح طور پر تردید کرتا ہے جس نے حسن و قبح دونوں کو عقلی قرار دیا (یعنی یہ کہا کہ قبیح' قبیح بالعقل اور یونہی حسن' حسن بالعقل ہے) اس لیے کہ جھوٹ بولنا عقلاً قبیح ہے اور شریعت نے اس معنی کے لحاظ سے مستحسن قرار دیا کہ اس سے ایک انسان کی جان بچ جاتی ہے۔

جھوٹ قبیح یعنی بُرا ہے اور ناحق قتل اقبح یعنی اس سے کہیں زیادہ بُرا ہے' اس کے انعدام کے لیے قبیح کو اختیار کرتا ہے۔

اور ایسے ہی کفر اقبح القبائح (سب سے زیادہ قبیح) ہے اور اگر کسی شخص کو کلمہ کفر یہ جاری کرنے پر مجبور کیا جائے تو اس کو کلمۂ کفر زبان سے کہنا بشرطیکہ قلب اس کا مطمئن ہو' تقیۃً جائز ہے' اس کو کا[illegible] نہ کہا جائے گا۔ دشمن کے خوف سے کلمۂ کفر کا اظہار کرنا مباح ہے تو شریعت نے اس کو [illegible] دیا ہے اور عقل کے نزدیک قبیح لذاتہٖ ہے' لہٰذا ثابت ہوا کہ حسن وہ ہے جس کو شرع اچھا سمجھے اور قبیح وہ ہے' جس کو شرع قبیح قرار دے' پھر بھی اگر صبر کرے اور قتل ہونے کو اختیار کرے تو یہ بھی جائز ہے اور اجر پائے گا' اس لیے کہ کفر قبیح لعینہٖ ہے تو ثابت ہوا کہ عقل کی مجال نہیں کہ وہ حسن و قبح کو پہچانے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

Marfat.com

دوسرا باب

محسوس ومعلوم کا بیان

محسوس ومعلوم کے بیان میں سات اقوال ہیں۔

مہتدی ابوشکور سالمی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے فرمایا کہ اس باب میں جن مسائل کا ذکر ہوگا' وہ فلاسفہ اور حکماء یونان کے خود ساختہ اور من گھڑت اور بلا دلیل و حجت ہیں' ان مسائل پر کوئی عقلی دلیل دی گئی ہے اور نہ محسوس' بلکہ محض تخیلات ہیں' جن سے جہلاء ہی دھوکا کھا سکتے ہیں' یہ فلاسفہ خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں اور اپنے ان جھوٹے تخیلات کو ''حکمت'' کا نام دے رکھا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے معتقداتِ کفریہ سے ہمیں محفوظ رکھے۔

اور تقلید ایمان میں مستحسن نہیں تو کفر میں کس طرح مستحسن ہوسکتی ہے؟ اور کفر تمام کا تمام اندھی تقلید سے ہے اور بہت ہی بُرا ہے۔

ہم نے یہ مسائل حقائق کو واضح کرنے اور ھویٰ و ہوس کے مارے اور خواہش کے پجاریوں کا پردہ چاک کرنے کی غرض سے ذکر کیے ہیں۔

پہلا قول

حس اور محسوس کے بیان میں ہے۔ فقہاء کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ حس بنی آدم اور تمام حیوانات میں پائی جانے والی ایک عرض کو کہتے ہیں اور اس سے مراد ''علم'' ہے۔ بعض نے کہا کہ ''حس'' سے مراد عقل ہے۔

اور زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ حس کسی شئی کے پالینے اور اس کے احاطہ کرلینے کا نام ہے اور یہ کسی شئی کی دریافت کے سلسلہ میں عقل کا آلہ کار بنتی ہے۔

Marfat.com

پانچ حواس کا بیان

حواس پانچ قسم کے ہیں: (۱) سمع (سننے کی قوت) (۲) بصر (دیکھنے کی قوت) (۳) شم (سونگھنے کی قوت) (۴) ذوق (چکھنے کی قوت) (۵) لمس (چھونے کی قوت) ان کو یوں بھی بیان کیا جاتا ہے: حواسِ خمسہ (۱) قوت سامعہ (۲) باصرہ (۳) شامہ (۴) ذائقہ (۵) لامسہ اور اعضاء کے استعمال سے حس کا فائدہ ظاہر ہوتا ہے تو اعضاء حس کے لیے آلہ ہیں اور ہر حس کا فائدہ دوسری حس سے جدا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ اشیاء کا ادراک کرنے میں حس عقل کے لیے وسیلہ ہے تو یہ اس لیے کہ عقل تمام اعضاء اور اجزائے بدن میں موجود نہیں جیسے ہاتھ، کان، ناک، آنکھ کہ ان اعضاء میں عقل نہیں ہے۔

دلیل: یہ ہے کہ ایسا ممکن ہے کہ عقل زائل ہو جائے اور حس باقی رہے لیکن وہ شخص کہ اس کی حس موجود ہو اور عقل نہ ہو اور اشیاء عقلیہ کو نہیں جانتا۔ مثل حرارت، برودت، گرمی، سردی، میٹھا کڑوا جیسے مجنون جب اس پر دیوانگی چھا جاتی ہے تو عقل زائل ہو جاتی ہے اور اسی طرح محسوس کا علم بھی جنون طاری ہونے سے زائل ہو جاتا ہے، کسی بھی ذوق اور تکالیف و آلام وغیرہا کا احساس ختم ہو کے رہ جاتا ہے۔

علم کا ذریعہ طبیعت ہے

فلاسفہ کے نزدیک علم کا ذریعہ طبع ہے اور جو چیز طبیعت سے ادراک میں آئے گی تو اس کو علم ہو جائے گا ورنہ نہیں۔

عرض بے قرار ہے

اہل سنت و جماعت کے نزدیک ''حس'' عرض ہے اور عرض دو زمانہ تک باقی نہیں رہتی بلکہ ہر گھڑی اس میں حدوث وتغیر واقع ہوتا رہتا ہے۔

فلاسفہ کے نزدیک حس کی تعریف

فلاسفہ اور نیچریہ کے نزدیک حس ایک ہی ہے اور وہ روح کی طرح تمام جسم میں ایک لطیف جوہر کی صورت میں موجود ہے۔

Marfat.com

اور بعض کہتے ہیں کہ حس ایک معنوی چیز ہے جو جسم کے ساتھ قائم ہے اور ہر ہر انگ میں خود ہی قائم ہے' اس لیے کہ تمام محسوسات کو اسی معنی کے ذریعہ جانتا ہے اور یہ کلام بلا دلیل ہے' اس لیے کہ اگر معنی حواس کا جوہر ہوتا تو اس کا قیام لذاتہٖ ہوتا اور وہ اپنے ثبوت کے لیے محل کا محتاج نہ ہوتا اور عالم میں حس اور جسم کے سوا کوئی چیز نہ پائی جاتی اور وہ شئی حرارت و برودت اور حلاوت و کڑواہٹ کو جانتی تو ہم جانتے کہ یہ معنی ہیں حس کے اور جب وہ قائم بذاتہٖ نہیں تو جوہر بھی نہیں' اس لیے کہ جوہر کی کم سے کم تعریف یہ ہے کہ وہ قائم بذاتہٖ ہو کسی کے سہارے کی اس کو حاجت نہ ہو اور اس کا وجود و ثبوت بغیر محل کے ہو اور یہ معنی حس میں محال ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب انسان کا ایک ہاتھ شل ہو جاتا ہے تو اس میں حس باقی نہیں رہتی یا ایک آنکھ خراب ہو جائے یا ایک کان بہرا ہو جائے یا ایک عضو خشک ہو جائے تو ایک عضو میں حس باقی ہے اور ایک عضو میں حس باقی نہیں اور جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ حس ایک عضو میں باقی رہے اور دوسرے عضو میں زائل ہو جائے تو ثابت ہوا کہ حس "شئی واحد" نہیں ہے اور حس جوہر بھی نہیں' اس لیے کہ حس کے اگر ایک معنی ہوتے یا حس جوہر ہوتی تو یہ ممکن نہ ہوتا کہ ایک عضو میں حس ہو اور دوسرے میں نہ ہو اور اگر کہا جائے کہ حس تمام اعضاء میں موجود ہے اور قائم بذاتہٖ ہے مگر اس عضو کے خشک ہو جانے سے اس کا ظہور نہیں ہوتا' مانع دور ہو جائے تو حس معلوم ہو جائے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ بات مجنون مطبق کہ جس کا جنون انتہاء کو پہنچا ہوا ہو' وہ کسی چیز کا ادراک نہیں کر سکتا حالانکہ تمام اعضاء صحیح و سالم ہیں اور بقول تمہارے حس موجود ہے' تو عجب بات ہے کہ معنی حس بھی موجود اور اعضاء بھی صحیح و سالم اور کسی چیز کا ادراک نہیں کرتا اور حس کا فائدہ معدوم ہو گیا تو ثابت ہوا کہ تمہارا کلام درست نہیں۔

حواسِ خمسہ باطنہ

پھر حواسِ خمسہ ظاہریہ کے علاوہ حواسِ خمسہ باطنیہ بھی ہیں' وہ درج ذیل ہیں:

(۱) خطرہ (۲) فکرہ (۳) ضمیر (۴) علم (۵) کلام

Marfat.com

پانچ باطنی حواس کیا ہیں؟

(۱) خطرہ کی تعریف یہ ہے کہ جو فعل یا عمل دل میں گزرے یا رائے اور اجتہاد ہو اور ایک ساعت میں فوراً پارہ پارہ ہو جائے۔

(۲) فکرہ کی تعریف یہ ہے کہ جو خطرہ دل میں بار بار پیدا ہو دوبارہ آئے۔

(۳) ضمیر کی تعریف یہ ہے کہ اشیاء میں خیر و شر کا بار بار تامل کرے' پھر جو صواب و احسن نظر آئے اس کو اختیار کرے۔

(۴) علم کی تعریف یہ ہے کہ شئی پر اسی طرح وقوف حاصل ہو کہ اس کے تمام اوصافِ باطنہ معلوم ہو جائیں۔

(۵) کلام وہ ایک معنی ہے کہ جس سے مافی الضمیر (دل کی بات) کا اظہار کر سکے۔

یہ حواسِ باطنہ ہیں' یہ سب کے سب عرض ہیں' دو زمانہ تک باقی نہیں رہتے' جیسے حس ظاہر عرض ہونے کی وجہ سے دو زمانہ تک باقی نہیں رہتی اور حواسِ ظاہرہ سے فقط موجودات خارجیہ دریافت ہوتے ہیں اور حواسِ باطنہ معدوم کی طرف متعدی ہوتے ہیں تو موجود محسوس ہوتا ہے اور معدوم معلوم ہوتا ہے' محسوس نہیں ہوتا۔

محسوس اور معلوم میں فرق

ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ محسوس کی طرف اشارہ حسیہ کیا جا سکتا ہے اور وہ ایک جہت میں ہوتا ہے اور معلوم کی طرف اشارہ نہیں کیا جا سکتا اور وہ ایک جہت میں نہیں ہوتا' اس لیے ہم نے کہا کہ ''اللہ تعالیٰ'' معلوم ہے' محسوس نہیں ہے۔

دوسرا قول

طبع اور آلہ کا بیان

جاننا چاہیے کہ طبع عرض ہے جو نو پیدا اور مجبور ہے اور بذات خود قائم نہیں ہے اور عام مسلمانوں کے نزدیک تمام جواہر و آلات میں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے تکلیف دینے سے حلول

Marfat.com

کرتی ہے۔

طبائعہ (نیچریہ) کہتے ہیں: طبع جوہر لطیف ہے، اس کے اجزاء باہم متصل ہیں، آپس میں ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں، عالم کا کوئی حصہ طبع سے خالی نہیں ہے، اس کا ہر جز طبع سے مرکب و مؤلف ہے۔

(فطرت کائنات) یا طبع کے بارے میں مختلف مذاہب

اس مسئلہ میں فلاسفہ کا اختلاف رہا ہے کہ طبع عالم کیا ہے؟

(۱) بعض فلاسفہ نے اسے جوہر بسیط کہا ہے۔

(۲) اور بعض نے کہا کہ ہیولیٰ ہے یعنی ہیئت اوّلیہ اور مادہ ہے جس سے شاخ در شاخ افعال پھوٹتے اور نکلتے ہیں۔

(۳) بعض کہتے ہیں: شے اصلی ہے۔

(۴) علت اصلیہ ہے۔

(۵) بعض کہتے ہیں: قوت اصلیہ ہے۔

(۶) بعض نے کہا کہ طبع قدیم ہے۔

اور ان کا عقیدہ ہے کہ روح طبع کا جز ہے اور عالم کی کوئی شئ روح سے خالی نہیں، اس لیے کہ حالت وجود میں طبع سے خالی نہیں اور طبع اصلی سے اور تاثیر افلاک سے حیات و حرکت وجود میں ظاہر ہوتی ہیں جب کہ وجود اپنے مرتبۂ کمال میں ہو اور شے متحرک قوت طبع سے حرکت کرتی ہے، جس قدر قوت طبع اس شے میں اثر کرے، حتیٰ کہ بعض چیزیں نشو و نما سے متحرک ہیں اور بعض اشیاء زمین پر چلتی ہیں اور بعض آہستہ چلتی ہیں اور بعض دوڑتی ہیں اور چیختی، چلاتی ہیں اور بعض کلام کرتی ہیں اور بعض اشیاء میں اتنی قوت تاثیر ہوتی ہے۔

بعض کہتے ہیں: وہ (طبع) جانتی اور سمجھتی ہے اور اسے اس قدر قوت ہوتی ہے کہ حکماء کی طرح تمام کائنات کا علم رکھتی ہے۔

ان حکماء نے یہ بھی کہا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اسی قوتِ طبع سے جو ان میں اثر کرتی ہے تمام علوم اور تمام اشیاء کو جانتے ہیں اور ان کو نہ وحی ہوتی ہے اور نہ وہ خدا تعالیٰ سے علم حاصل کرتے ہیں اور یہ مسئلہ کفر ہے، کسی پر مخفی و پوشیدہ نہیں اور جو انبیاء و رسل کو حکیم مانے اور

Marfat.com

نبوت کا انکار کرے وہ کافر ہے اور جو سلیمان علیہ السلام کو محض بادشاہ مانے اور نبوت کا انکار کرے، کافر ہے اور اسی طرح موسیٰ علیہ السلام اور نبی کریم ﷺ کو بطور حقارت راعی یا یتیم کہے اور نبوت کی نفی کرے تو کافر ہو جائے گا اور اگر حقارت اور نفی نبوت کا ارادہ نہیں کیا تو کافر نہ ہوگا، لیکن راعی و یتیم کہنا مکروہ ہے۔

نیچریہ بے وقوف ہیں

ہم نے جو طبائعہ (نیچریہ) کا کلام ذکر کیا ہے تو یہ بے وقوفوں کا کلام ہے، حکماء ایسی لچر اور احمقانہ باتیں نہیں کر سکتے، لہٰذا اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

طبیعت حقیقت میں کیا ہے؟

دراصل طبیعت وہ ہے جو ودیعت کی گئی ہے، بنی آدم اور حیوانات و بہائم اور جواہر میں گرمی سردی، خشکی تری ہر ایک دوسرے کی ضد ہے اور اضداد ایک محل میں جمع نہیں ہو سکتیں مگر جبار کے جبر سے جو علیم و حکیم ہو، قادر ہو اور وہ اللہ تعالیٰ ہے اور اگر بوجہ زیادتی اور غلبۂ غذا سے کوئی طبع زیادہ ہو جائے اور غذا کی کمی سے کوئی طبع کم ہو جائے تو یہ موجب تعطیل ہے۔

اور تقدیر الٰہی میں کوئی جوہر عالم گردش و انتقال سے خالی نہیں اور اللہ تعالیٰ کی تالیف سے چاروں طبیعتوں میں تفاوت جائز ہے اور یہ علوم طب و معالجہ سے ہے تو اس مقام پر اس کے بیان کی حاجت نہیں اور جو علم و معالجہ ناواقف اور جاہل ہے، وہ اعتقاد کر لیتا ہے کہ طبع قدیم ہے اور یہی فاعل اشیاء اور جاہل ہے، نشوونما اور وہ جاہل اسی (طبع) کو علوم نفسانیہ، صنعت و حرفت، تیراندازی وغیرہ کا معلم سمجھ لیتا ہے اور یہ کافرانہ عقیدہ ہے۔

مناظرہ کا طریقہ

طبائعہ کے ساتھ مناظرہ کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ

(i) پہلے ان سے یہ سوال کرو کہ بتاؤ طبیعت کیا چیز ہے؟ اگر وہ جواب دیں کہ یہ ایک اجسام و اشیاء سے مرکب چیز ہے، تو تم کہو کہ وہ عرض ہے بذاتہٖ قائم نہیں رہ سکتی تو اس کا وجود بغیر جسم اور ترکیب ثابت نہیں ہو سکتا، وہ اس سے عاجز ہے کہ بغیر جسم و ترکیب کے قائم ہو سکے۔

(ii) اگر وہ کہیں کہ اجسام ہی طبع ہیں، یہ درست نہیں ہے، اس لیے کہ یہ اجسام منعدم ہو سکتے

Marfat.com

ہیں اور فنا ہوسکتے ہیں اور فانی قدیم نہیں ہوسکتا۔

(iii) اگر کہیں کہ طبع نے اجسام میں حلول کیا ہوا ہے اور وہ اس صفت پر ہوگئی ہے تو جواب دو کہ جس نے اس شئی کو اس صفت پر کر دیا ہے وہ تمہارے گمان میں طبع ہے' اب بتاؤ کہ وہ جوہر ہے یا عرض ہے؟ اگر وہ کہیں کہ عرض ہے تو عرض زائل وفنا ہو جاتی ہے' تو وہ قدیم نہیں ہوسکتی بلکہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف بدلتی اور متغیر ہوتی رہتی ہے' لہٰذا یہ بات تو درست نہ ہوئی۔

اور اگر کہے کہ طبع جوہر ہے تو یہ بھی خطا ہے' اس لیے کہ طبع بنفسہٖ قائم نہیں ہوتی اور جوہر بنفسہٖ قائم ہوتا ہے تو تم کہو: طبع اگر جوہر ہے تو اس کا وجود ثابت ہوگیا اور اس کا قیام دوسرے جوہر کے ساتھ ممکن نہیں تو تمہارا کلام باطل ہوگیا۔

پھر مسامحت کے بعد پوچھو کہ جس جوہر کا تم نے ذکر کیا ہے زندہ ہے یا مردہ؟

اگر وہ کہے کہ میت ہے تو اس سے افعال کا صدور ممکن نہیں اور اگر کہے کہ وہ جوہر زندہ ہے تو پھر کہو کہ وہ ارادہ رکھنے والا مرید ہے یا مجبور ہے یا عالم ہے یا جاہل؟ مرکب ہے یا بسیط؟

اگر کہے کہ مرید ہے' عالم ہے' مختار ہے' جاعل ومؤلف ہے' حکیم ہے' جبار ہے' تو یہ تمام صفات اللہ تعالیٰ کی ہوں گی پھر اس کے بعد ذات میں کلام کر کہ وہ مقدور ومحدود ہے یا غیر محدود؟

اگر وہ کہے کہ وہ مقدر ومحدود ہے تو تم کہو: پھر قدیم نہیں اور یہ بھی دریافت کرو کہ اس کے اجزاء اور حصے بھی ہیں یا نہیں؟ اگر کہے کہ اس کے حصص اور اجزاء ہیں تو اس نے خود ہی اس کے قدیم ہونے کا انکار کر دیا' اس لیے کہ اجزاء اور حصوں میں بٹ جانے والی چیز یقیناً حدوث وتغیر کی حامل ہوگی اور یہ صفات قدیم کے نہیں ہوسکتے۔

اور اگر وہ کہے کہ متجزی اور متبعض نہیں ہے اور نہ ہی محدود ومتناہی ہے تو کہو: وہ جوہر نہیں اس لیے کہ جوہر ان معانی سے خالی نہیں تو اگر کہے کہ وہ جوہر نہیں بس صانع کو ثابت کر دیا اور اس نے اقرار کر لیا صانع کے وجود کا' جسے ہم نے جمیع صفات کے ساتھ ثابت کیا' مگر اس نے نام میں خطا کی۔

مسئلہ: اور اللہ تعالیٰ کو جوہر یا عرض یا طبع کے نام سے موسوم کرنا جائز نہیں ہے' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء جامع اور متفق علیہ ہوں یا سماع سے ثابت ہوں جیسا کہ ہم ذکر کریں

Marfat.com

گے۔

مسئلہ: جو نام اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے بیان نہیں فرمایا اور اسی طرح جس نام کے جواز میں سب مسلمانوں کا اتفاق نہ ہو ایسا نام رکھنا کفر ہے۔

حکایت

ہارون رشید کے پاس دس زندیق حاضر ہوئے ہارون رشید نے فقہاء کو جمع کیا اور مناظرہ کا حکم دیا تو زنادقہ غالب آئے اور فقہاء مغلوب ہو گئے۔ ہارون رشید کو اس پر بڑا غم ہوا چنانچہ خلیفہ نے بصرہ سے مقاتل بن سلیمان کو پانی کے راستہ سے بلایا جب وہ حاضر ہوئے تو ان کو مناظرہ کا حکم دیا انہوں نے زندیقوں سے سوال کیا کہ بتاؤ ریشم کے کیڑے گائے کے بچھڑے ہرن اور شہد کی مکھیاں کیسے پیدا ہوئے؟ تو زنادقہ نے کہا کہ یہ سب [illegible] سے پیدا ہوئے۔

پھر مقاتل سوال کرتے ہیں: اس کی کیا وجہ ہے۔ [illegible] شہتوت کے پتے اگر کیڑے کھائیں تو ریشم بنتا ہے اور اگر شہد کی مکھی کھائے تو شہد بنتا ہے اور اگر ہرن کھائے تو مشک بنتا ہے اور اگر گائے کھاتی ہے تو گوبر بنتا ہے؟ (اس کی کیا وجہ ہے؟) زنادقہ کہنے لگے: یہ سب طبع کے کرشمے ہیں۔

مقاتل نے فرمایا کہ اگر یہ طبع سے ہوتا تو ضروری تھا کہ بمقتضائے طبع سب کا مشک بنتا یا سب گوبر بنتا یا سب ریشم بنتا، لیکن ایسا نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ یقیناً اس کا خالق وہ قادر و قیوم اللہ تعالیٰ ہے۔

یہ سن کر زنادقہ حیران ہو گئے اور ان میں سے دو مسلمان ہو گئے اور باقی اپنی ضد پر رہے ہارون رشید نے ان کو قتل کر دیا۔ باذن اللہ تعالیٰ (یہ بحث بڑی مشکل ہے)

تیسرا قول

جز اور کل کا بیان

فلاسفہ میں سے ایک گروہ طبائعہ ہے ان کے ساتھ گفتگو کا مدار وہم پر ہے انہوں نے

Marfat.com

اپنے اوہام کی بناء پر کلمات فاسدہ کے ساتھ وہم کیا اور بغیر دلیل و حجت کے انہوں نے اعتقاد کرلیا کہ عالم جز وکل ہے' کل بیان ہم کر چکے ہیں۔ ان کے نزدیک جوہر طبع اصلی سے ہے اور بعض نے کہا کہ عناصر ہیں اور بعض نے کہا کہ افراد ہیں' یعنی جوہر فرد بسیط ہیولانیہ ہے اور اشیاء کلیہ جسمانیہ کے ساتھ جو متصل ہے وہ جزء ہے اور جب شئی فاسد ہو جاتی ہے تو وہ جزء جو اس کے ساتھ ہے اور اس میں قائم وہ اپنی اصل وکل کی طرف لوٹ آتا ہے۔

اس اجمال کا بیان یہ ہے کہ پانی طبعی طور پر تر اور ٹھنڈا ہے' اس کی رطوبت (تری) ہوا سے ہے اور برودت (ٹھنڈک) زمین سے ہے' جب پانی زمین پر بہایا جاتا ہے اور مٹی کے ساتھ مل جاتا ہے اور خشک ہو جاتا ہے تو حکماء کہتے ہیں: رطوبت ہوا کی طرف اور برودت زمین کی طرف لوٹ جاتی ہے۔

یہ واضح رہے کہ فساد جوہر اور محل میں اثر کرتا ہے' طبع اس سے متاثر نہیں ہوتی' تمام اشیاء کا یہی حال ہے۔ ایسے ہی جب حیوانات مر جاتے ہیں تو وہ فنا و معدوم بلکہ ان کا قالب فاسد و متغیر ہو جاتا ہے اور ایسے ہی طبیعت اپنے اصل کی طرف رجوع کر جاتی ہے اور وہ فی الحقیقت باقی ہے۔

انہوں نے مزید کہا کہ روح طبیعت کا جز ہے' جب روح شخص و قالب سے زائل ہوتی ہے تو طبع قدیم کی طرف لوٹ جاتی ہے' پھر دوسرے شخص و قالب کی طرف رجوع کرتی ہے۔

اور انہوں نے کہا: طبع قدیم ہے نیز عالم' روحیں اور سب اشیاء طبیعت کے اجزاء ہیں اور قدیم کے اجزاء قدیم ہوتے ہیں اور فلاسفہ کا گمان یہ ہے کہ عالم اور اس کی تمام اشیاء طبعاً قدیم ہیں لیکن وصف کے لحاظ سے محدث و نو پیدا ہیں اور جوہر جو محل طبیعت ہے' ایک حال سے دوسرے حال کی طرف فساد اور تغیر کو قبول کرتا ہے' حدث کو طبیعت قبول کرتی ہے' اس کی اصل قدیم ہے' یہ کلمات کفر ہیں اور جنہوں نے یہ کلمات کہے ہیں وہ سخت کافر ہیں۔

مناظرہ کا طریقہ

ان کے ساتھ مناظرہ کا طریقہ یہ ہے کہ ان سے دریافت کیا جائے کہ طبع جس کو تم کل کہتے ہو وہ کیا چیز ہے؟ وہ جوہر ہے یا عرض؟

اگر وہ کہیں کہ جوہر ہے تو یہ درست نہیں اس لیے کہ جوہر نو (۹) اعراض سے خالی نہیں:

Marfat.com

(۱) مائیت (۲) کمیت (۳) کیفیت (۴) مضاف (۵) مکان (۶) زمان (۷) فاعل (۸) مفعول اور (۹) تغیّر جیسا کہ فارسی میں کسی نے اعراض تسعہ کو جمع کر دیا ہے

مردے دراز نیکو در شہر خویش امروز   آراستہ نشستہ بر کارِ خویش پیروز

پھر یہ معانی حدوث کی صفات ہیں' قدیم کے لیے صلاحیت نہیں رکھتے تو ثابت ہوا کہ جوہر قدیم نہیں ہوسکتا' ان میں سے بعض نے کہا کہ طبع فلک ہے۔

ہم نے کہا کہ تمہارا یہ قول بھی ٹھیک نہیں' اس لیے کہ فلک جوہر فلک مطبوع ہے تو ثابت ہوا کہ طبع اور چیز ہے اور فلک اور ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ فلک کے لیے ضد وند اور شکل ومثل موجود ہیں تو شک واضح ہوگا کہ فلک یہ ہے یا اس کی مثل یا شکل تو جب شک وشبہ واقع ہوگیا تو نہیں کہہ سکتے کہ فلک کون سا ہے۔

اگر وہ کہیں کہ فلک ایک ہے تو ہم کہیں گے کہ فلک طبیعت کا غیر ہے یا یہی طبیعت ہے' اگر وہ کہے: جوہر غیر طبیعت ہے تو ان کا کلام باطل ہو جائے گا' اس لیے کہ جوہر طبیعت کا غیر ہے وہ فساد کو قبول کرتا ہے تو جو طبع فلک میں ہے دوسرے کی لوٹے گی تو پھر جز ہو جائے گا کل نہ ہوگا اور اگر کہیں کہ فلک ہی طبع ہے تو ہم کہیں گے: کل تو نہ ہوا' اس لیے کہ تمہارا گمان یہ ہے کہ اس کے اجزاء ہوتے ہیں اور اس کے اجزاء دوسرے محل میں حلول کیے ہوتے ہیں تو وہ جز جو اس سے جدا ہو کر زائل ہو جائے گا' اس میں نقصان کا موجب ہوگا' جتنے جز جدا ہوئے اتنا ہی کم ہوگیا اور جو ناقص ہو وہ کل نہیں کہلائے گا۔ اس لیے کہ کل عبارت ہے کمال سے اور یہ کامل نہیں ناقص ہے۔ پس اگر کہیں کہ اس سے اجزاء زائل نہیں ہوتے بلکہ وہ اجزاء اس کے ساتھ متصل ہیں اور عالم سب کا سب جوہر طبیعی ہے' کوئی مکان اس سے خالی نہیں تو ہم کہیں گے کہ پھر کل اور جز کی بات ہی فاسد ہے' اس لیے کہ جب وہ بعض کے ساتھ متصل ہے تو جز ہوا۔

پھر ہم کہتے ہیں: یہ کل اور طبع دونوں کا قدیم ہونا جائز نہیں۔

اور مناظرہ اس مسئلہ میں اور پہلے مسئلہ میں برابر ہے تو ان کا کلام صحیح نہیں۔

Marfat.com

چوتھا قول

روح اور حرکت کا بیان

روح کے بارے میں مسلمانوں کا عقیدہ

تمام مسلمانوں کا اجتماعی عقیدہ ہے کہ روح نو پید امخلوق ہے مگر اس کو فنا نہیں' اس لیے کہ روح جب جسم سے نکلتی ہے تو متقین کی روح جنت دار النعیم میں ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''کَلَّا اِنَّ کِتَابَ الْاَبْرَارِ لَفِیْ عِلِّیِّیْنَ '' (المطففین:۱۸) ہاں! پرہیزگاروں کے اعمال نامے سب سے اونچے محل علیین میں ہیں۔

اور مجرموں کی روح دار الجحیم (دوزخ) میں ہوتی ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''کَلَّا اِنَّ کِتَابَ الْفُجَّارِ لَفِیْ سِجِّیْنٍ '' (المطففین:۱۷) خبردار! بے شک کافروں کے اعمال نامے سب سے نیچی جگہ سجین میں ہیں۔

اس کے بعد روح کو جسم میں دوبارہ لوٹایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے قیامت کے روز حساب کے لیے روح جسم کے ساتھ قائم ہوگی اور پھر روح اپنے جسم کے ساتھ جنت میں ہوگی یا دوزخ میں۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ موت کے بعد جسم کا کیا حشر ہوگا؟ تو اس کا حکم عنقریب ہم ذکر کریں گے۔

جو گروہ روح کے قدیم ہونے کے قائل ہیں

طبائعہ (نیچریہ) فلاسفہ' قرامطہ' تناخیہ' براہمنہ اسی طرح عیسائیوں اور روافض کا ایک طائفہ بھی روح کے قدیم ہونے کا قائل ہے' یہ لوگ عقل کو قدیم مانتے ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ قدیم کا جز ہے' جب کہ بعض دوسرے حضرات اس چیز کے قائل ہیں کہ روح چونکہ نور قدیم سے پیدا کی گئی ہے' اس لیے اصل قدیم ہے۔

اور بعض نے کہا کہ روح بایں معنی قدیم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو زندہ پیدا کیا تو

Marfat.com

اس کا پیدا کرنا اس کا فعل وضع ہے اور اس کا فعل اس شخص میں حلول کیے ہوئے ہے' اس لیے کہ فعل وضع صانع سے شروع ہو کر مصنوع میں ختم ہو جاتا ہے' یہ تمام طوائف (گروہ) حلولیہ کہلاتے ہیں اور یہ تناسخیہ کی ایک صنف ہے اور خدا کے فعل وصفت گری چونکہ اس شخص میں حلول کیے ہوئے ہے' اس لیے ہر شئی کو سجدہ کرتے ہیں' حجر ہو یا شجر' پانی ہو یا گھاس' مٹی ہو یا سونا' درندے ہوں یا چوپائے' زندہ ہو یا مردہ سب کو سجدہ کرتے ہیں کہ یہ تمام اس صفت سے مخلوق ہیں کہ خدا کے فعل وضع کا اس میں حلول ہوتا ہے اور اس کا فعل ان میں باقی ہے۔

یہ تمام کلمات کفریہ ہیں' جو اس نہج اور طریق سے ان کلمات کا معتقد ہو وہ کافر ہے' اس لیے کہ روح اگر قدیم کا جز ہے یا قدیم کا فعل ہے اور اس سے زائل ہو کر اس میں حلول کیا تو قدیم تو اللہ تعالیٰ ہے تو جز کا اس سے جدا ہونا اس کو ناقص کر دے گا اور زوال فعل سے' وہ عاجز ہو جائے گا تو دوسرے کا محتاج ہو گا اور محتاج خدا نہیں ہو سکتا' پھر یہ کہ روح اگر صانع قدیم کا جز ہے تو جہاں قبائح پائے جائیں گے یہ روح جو کچھ کرے گی وہ خدا کا فعل ہو گا' جیسے زنا' لواطت وغیر ذلک اور جو یہ اعتقاد کر لے کہ یہ قبائح خدا کا فعل ہے' وہ کافر ہے۔

ان لوگوں نے صانع قدیم کو نہیں پہچانا کہ ان صفاتِ ذمیمہ سے صانع کو موصوف کیا' حالانکہ یہ صفات حادث و مجبور کی ہیں تو پھر یہ محتاج ہو گا پیدا کرنے والے جبار کا اور اس لیے کہ روح ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف منتقل ہوتی ہے' روح اشخاص سے تجاوز کرتی ہے اور ان سے زائل ہوتی ہے۔ تو جو چیز منقول و زائل شدہ ہو وہ نقل کرنے والے اور زائل کرنے والے کی محتاج ہوتی ہے' خصوصاً جب کہ منقول میں حیات' زندگی اور عقل بھی نہ ہو تو اس لیے کہ زندگی کا سبب و علت روح ہے اور اس کے لیے حیات نہیں اور جب اس میں حیات نہیں ہے تو عقل بھی نہ ہو گی۔

اور جب اس میں عقل نہیں تو ثابت ہوا کہ وہ کسی شئی کو بذاتہ نہیں کرتا' بلکہ وہ سبب ہے اور سبب مسبب کا محتاج ہوتا ہے' بعض نے کہا: روح قدیم ہے' مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہے۔

پھر بعض روحوں نے ظہور آدم علیٰ نبینا وعلیہ السلام سے قبل اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو نکال کر زمین میں دھنسا دیا جو اس کے بعد اب پھلوں' سبزیوں اور کھیتیوں کے ساتھ زمین سے نکلتی ہیں۔

Marfat.com

ان حضرات نے قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کیا ''وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا'' (قٓ: ۱۱) اور ہم نے اس سے مردہ شہر کو زندگی بخشی۔ نیز اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے کہ ''كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا'' (الروم: ۵۰) وہ زمین کو اس کی موت کے بعد کیسے زندگی بخشتا ہے؟ انہوں نے کہا کہ تمام اشیاء کی حرکت روح سے ہے' پھر چوپائے اور پرندے' نباتات اور دانوں کو کھاتے ہیں اور آدمی حلال جانوروں' دانوں اور سبزیوں کو کھاتے ہیں تو اس طرح یہ متفرق اجزاء میں بکھری ہوئی روحیں لوٹ آتی ہیں اور تھکاوٹ و عقوبت پہنچنے کے بعد نفس انسان میں آ پہنچتی ہیں' اسی معنی کے لحاظ سے انسان کا نام ''نفس قائم'' رکھا اور اس لیے کہ تمام اشیاء آدمی کی طرف رجوع کرتی ہیں اور اس کے ساتھ قائم ہوتی ہیں اور آدمی کو ''نفس النفوس'' کہا جاتا ہے اور انہوں نے کہا کہ انسان ان تمام اشیاء کے مجموعہ کا نام ہے۔

اس لیے کہ انسان نماز میں کھڑا ہوتا ہے اور قیام درختوں کی صفت ہے' پھر رکوع کرتا ہے تو یہ بہائم کی صفت ہے' پھر سجدہ کرتا ہے تو پرندوں کے مشابہ ہو جاتا ہے' پھر بیٹھتا ہے تو نبات کے مشابہ ہوتا ہے' پھر شب کو سوتا ہے تو مچھلی اور سانپ کے مشابہ ہوتا ہے' اسی طرح قیاس کرتے جاؤ گے بہرحال ہر شئی سے انسان کو حصہ ملا ہے' اس معنی کے لحاظ سے آدمی کا نام ''صورۃ الصور'' رکھا گیا ہے۔

ان گروہوں کے ساتھ مناظرہ کا طریقہ

درحقیقت ان سے مناظرہ کا طریقہ یہ ہے کہ ہم ان سے محدث و قدیم کی صفات میں کلام کریں' جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں اور پھر چونکہ یہ تمام صفات محدث ہیں تو ان کا کلام درست نہیں۔

حرکت کی قسمیں

پھر ان میں سے بعض نے حرکت کی دو قسمیں بتلائی ہیں:

(۱) حرکت مستویہ (۲) حرکت متدیرہ۔

اور حرکت مستویہ کی دو قسم ہیں' ایک اوپر سے نیچے کی طرف جیسے بارش اور برف کہ اوپر سے نیچے آتی ہیں اور کوئی چیز اوپر سے گرے اور ایک حرکت نیچے سے اوپر کو ہوتی ہے جیسے آگ اور ہوا کہ نیچے سے اوپر کو جاتی ہے۔

Marfat.com

اور حرکت مستدیرہ جیسے چکّی کی حرکت' کرہ اور فلک کی حرکت۔

دوسری تقسیم کے اعتبار سے حرکت کی چھ قسمیں

بعض نے حرکت کی چھ قسمیں کی ہیں: (۱) حرکت کون و فساد یعنی حدوث و عدم (۲) حرکت (۳) زیادۃ (۴) ونقصان یعنی موٹاپا اور لاغری' دبلا ہونا (۵) حرکت استحالہ اور وہ کیفیت ہے (۶) حرکت انتقال اور وہ سیر یعنی چلنا ہے۔

یہ سب خطا ہے اس لیے کہ ان تمام چیزوں کی حرکت اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہے' یہ سب حرکت کرنے میں مجبور ہیں۔

اور اصح یہ ہے کہ حرکت ایک ہے' وہ کسب و اختیار ہے کسی زندہ کے افعال میں اور جو اس سے زیادہ ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے تھے۔

پانچواں قول

آثارِ علویہ کا بیان

معلوم ہونا چاہیے کہ جواہر یعنی معادن و مراکز' یواقیت' لوہا' سیسہ' مائعات اور تمام اشیاء ظاہریہ اور باطنیہ میں جو تغیر و تبدل اور کمی بیشی ہوتی ہے بالاجماع یہ کسی مؤثر کی تاثیر کا نتیجہ ہے۔

طبائعہ اور منجمہ نے کہا کہ یہ تبدیلیاں طبع اور ستاروں کی تاثیر سے رونما ہوتی ہیں' اسی طرح زندگی' موت' پیدائش اور ایجاد و ٹوٹ پھوڑ سب کچھ بھی طبع اور ستاروں کی تاثیر سے ہیں۔

انہوں نے کہا کہ فلاں ستارہ جب فلاں برج' فلاں درجہ اور فلاں دقیقہ میں پہنچتا ہے تو کسی کے لیے خیر اور کسی کے لیے شر' کسی کے لیے بیماری اور کسی کے لیے صحت و تندرستی ایسی تاثیرات ظاہر ہوتی ہیں' ایسے ہی پیدائشوں اور اجناس اور پھلوں کی پیداوار' بارشوں کے برسنے میں اور دیگر کائنات میں جو قسم قسم کی تبدیلیاں ظاہر ہوتی ہیں' یہ سب کچھ فلک اور ستاروں کی تدبیر اور طبع کی تاثیر سے ہوتا ہے۔

اس لیے کہ ستارے اور افلاک' ہوا' زمین اور طبع میں اثر کرتے ہیں پھر ہوا اور طبع ان

Marfat.com

اشیاء میں اثر کرتے ہیں اب پھر دو صورتیں ہیں۔ یا یہ حضرات فعل و تدبیر کو من جانب اللہ سمجھتے ہیں اور ان اشیاء کو تدبیر اور حکمِ الٰہی کے اظہار کا محض سبب گردانتے ہیں یا فعل و حکم کو غیر اللہ کی طرف سے اور فلک کو صانع گردانتے ہیں۔

پس اگر تو کہیں کہ صنع اور تدبیر و تقدیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور فلک اور ستارے سبب ہیں تو یہ حقیقت میں مؤمن ہیں لیکن علم نجوم میں زیادہ انہماک کی وجہ سے خطا کار ہیں کیونکہ مقدم و موخر کرنے والا اور کائنات میں تاثیر کرنے والا تقدیر کا مالک تو وہ اللہ تعالیٰ ہے۔

آسمان اور ستاروں کی گردش حکمِ الٰہی کی پابند ہے

اور فلک اور ستارے اپنی حرکت و سیر میں مجبور ہیں اور مصلحت عالم کے لیے اللہ تعالیٰ کے حکم سے حرکت کرتے ہیں اور آسمان اور ستاروں کی طرف افعال کی نسبت بطور مجاز کی جاتی ہے اور مسبب حقیقی اللہ تعالیٰ ہے جیسے تم احکامِ شرعیہ میں کہتے ہو کہ زنا سبب ہے' حد کے واجب ہونے کا اور حقیقت میں واجب کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے' لیکن زنا کو حد کے واجب ہونے کے لیے سبب گردانا گیا ہے' سبب کی طرف ''حد'' کی اضافت مجازاً جائز ہے' اس لیے کہ ظہورِ حکم کے لیے علامت ہے۔

اسی طرح ستارے اور گردش افلاک ظہورِ احکام کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سبب قرار دیئے جائیں تو جائز ہے۔ جیسے طلوعِ شمس دھوپ کا سبب ہے اور غروبِ آفتاب رات کے ظہور کا سبب ہے یونہی تمام احکام میں لیکن جائز ہے کہ سبب حکم سے خالی ہو' سبب بھی رہے۔

سبب اور علّت میں فرق

اس لیے کہ سبب اور علّت میں فرق یہ ہے کہ علت معلول میں حکم کا اثبات کرنے سے خالی نہیں ہو سکتی اور سبب کے لیے جائز ہے کہ اس سے بعض میں حکم کا اثبات ہو بعض میں نہ ہو' اس مسئلہ کا مقام اصول فقہ ہے۔

علم نجوم منسوخ ہو چکا ہے

علم نجوم میں غلو کرنے والے کو مخطی اس لیے قرار دیا جاتا ہے کہ علم نجوم حضرت ادریس علی نبیّنا علیہ السلام کے زمانہ میں مشروع تھا اور پھر بالاجماع منسوخ ہو گیا ہے اور منسوخ میں اشتغال خطا ہے۔

Marfat.com

منسوخ پر عمل کرنا باطل ہے

اور اس پر عمل باطل ہے۔

علم نجوم اور شمس الائمہ حلوانی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ

منقول ہے کہ حضرت شمس الائمہ عبدالعزیز بن احمد حلوانی بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ سے منجم اور علم نجوم کے بارے میں سوال کیا گیا' انہوں نے جواب دیا کہ علم نجوم آسمان میں حق ہے اور زمین میں منسوخ' اس پر عمل کرنا باطل ہے اور منجم مخطی' جو شخص فعل و تقدیر کو غیر اللہ کی طرف سے جانے وہ کافر ہے۔

علم نجوم کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا فرمانِ مبارک

نبی کریم ﷺ سے مروی ہے' حضور ﷺ نے حلوان (شیرینی) کاہن سے منع فرمایا یعنی اجرتِ کاہن جائز نہیں ہے۔ نیز مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جو چور کا نام بتانے والے کے پاس آیا' کاہن کے پاس گیا اور اس کی تصدیق کی تو اس نے کفر کیا یعنی اس نے حضور ﷺ پر نازل ہونے والے قرآن کا انکار کیا۔

نجومی اور اس کی تصدیق کرنے والا دونوں کافر ہیں

اس کا مطلب یہ ہے کہ نجومی نے جب یہ کہا کہ فلک یا ستارہ یہ کہتا ہے یا یہ کرتا ہے اور ان کے افعال کو صحیح مانا اور آسمان اور ستاروں کی گردش کو مؤثر حقیقی جانا تو کافر ہو جائے گا اور جو تصدیق کرے گا وہ بھی کافر ہو جائے گا[1] اور جس نے مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ کو جانا اور گردشِ

---

[1] زید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے' وہ فرماتے ہیں کہ صلح والے سال ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ سفر پر نکلے' ایک رات ہم پر بارش برسی تو صبح کی نماز ادا فرمانے کے بعد نبی اکرم ہماری طرف متوجہ ہوئے تو فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندوں میں سے جو مجھ پر ایمان لایا اس پر بھی صبح طلوع ہوئی اور جس نے انکار کیا اس پر بھی (صبح طلوع ہوئی)' تو جس نے کہا کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت' عطاء اور فضل کے ساتھ بارش برسائی گئی تو وہ مجھ پر ایمان لانے والا ہے اور ستاروں کا انکار کرنے والا ہے اور جس نے کہا کہ ہمیں بارش فلاں ستارے سے برسائی گئی ہے تو وہ ستاروں پر ایمان لانے والا ہے اور میرا انکار کرنے والا ہے۔

(صحیح البخاری' کتاب المغازی' باب غزوۃ الحدیبیہ ج ۲ ص ۵۹۷' مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ' دہلی)

Marfat.com

فلک اور ستاروں کے چکر کو محض سبب جانا' مثلاً یہ کہے کہ فلاں ستارہ جب فلاں برج میں' فلاح درجہ اور دقیقہ میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایسا ہوگا تو وہ کافر نہیں لیکن مخطی ہوگا جیسا کہ اس کی وجہ ابھی بیان ہوئی ہے۔

ستاروں کی تخلیق کا فلسفہ

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو تین فائدوں کے لیے پیدا کیا ہے:

(۱) آسمانوں کی زینت کے لیے' فرمایا: ''اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِينَةِ نِ الْكَوَاكِبِ'' (الصافات:٦) بے شک ہم نے آسمانِ دنیا کو ستاروں کی زینت کے ساتھ آرائش بخشی۔

(۲) رہنمائی کے لیے' جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے: ''وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ'' (النحل:١٦) اور ستارے سے وہ راہ پاتے ہیں۔

(۳) شیاطین کے رجم کے لیے' فرمانِ خداوندی ہے: ''وَجَعَلْنَا رُجُوْمًا لِّلشَّيَاطِيْنَ'' (الملک:۵) اور ہم نے ان ستاروں کو شیاطین کے لیے مار بنا دیا۔

اعتراض: اگر کہا جائے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے کہ آپ نے ستاروں کو دیکھ کر فرمایا: میں سقیم ہوں ''نَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ فَقَالَ اِنِّي سَقِيْمٌ'' (الصافات:۸۸) یعنی ابراہیم (علیہ السلام) نے ایک نظر ستاروں پر ڈالی اور فرمایا: میں بیمار ہونے والا ہوں۔

جواب: اس کے جواب میں کہا گیا کہ علم نجوم میں دیکھا۔

اعتراض: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''فَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْرًا'' (النازعات:۵) ستارے تدبیر کرنے والے ہیں۔

جواب: مدبرات سے مراد جبرئیل' میکائیل و اسرافیل و عزرائیل ہیں' صلوات اللہ علیہم اجمعین۔

سوال: اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ملائکہ (فرشتے) مدبرات ہو سکتے ہیں تو فلک اور ستاروں کا مدبر ہونا بھی جائز ٹھہرا' یہ بھی مدبر ہو سکتے ہیں؟

جواب: مدبر حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اور فرشتے اللہ تعالیٰ کی تدبیر کا اظہار کرتے ہیں اور اس کی

Marfat.com

تقدیر کے مطابق کام کرتے ہیں۔اسی طرح آسمان اور ستارے اللہ تعالیٰ کے حکم کے پابند اور تابع ہیں' تدبیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

دلیل یہ ہے: "یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ" (السجدہ:۵) اللہ تعالیٰ ہر کام کی تدبیر فرماتا ہے آسمان سے زمین تک۔نیز فرمایا: "وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ" (یونس:۳۱) اور کون کاموں کی تدبیر کرتا ہے؟ تو اب کہیں گے: اللہ تعالیٰ۔

پھر یہ بات اپنی جگہ اٹل ہے کہ فرشتوں سے تدبیر کا ظہور کتاب وسنت سے ثابت ہے اور فلک ونجوم کے سپرد کرنا صحیح نہیں ہے۔

اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ تدبیر امور کا کام فرشتوں کے تفویض کرنا یوں بھی صحیح ہے کہ یہ زندوں کا کام ہے لہٰذا یہ فرشتوں کو تفویض کرنا تو درست ہے لیکن فلک اور نجوم کی طرف تفویض کرنا جائز نہیں ہے اور ایسے ہی ہر فلک اور نجم کو تدبیر سونپنا صحیح نہیں' اس لیے کہ فلک و انجم میں حیات نہیں۔

پھر ستاروں کی چال اور فلک کی گردش خالص اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہے' اس میں دنیا جہان کے فوائد اور مصلحتیں مضمر ہیں۔تو تم نے جو کچھ کہا وہ سب ناجائز وناروا کہا ہے' صحیح نہیں ہے۔

علم نجوم کے منسوخ ہونے کی تاریخ

یہ بجا ہے کہ علم نجوم حضرت ادریس علیہ السلام کے زمانہ میں حق تھا لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں منسوخ ہو گیا۔

بعض فقہاء نے فرمایا: علم نجوم کی معرفت اس بناء پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو خبر دی ہے کہ فلاں ستارہ جب فلاں برج میں یا درجہ ودقیقہ میں پہنچے گا تو اس کا یہ حکم ہے' مگر یہ منسوخ ہو گیا اور اگر منجم اللہ تعالیٰ کے سوا ستارہ کو مؤثر وفاعل اعتقاد کرے اور فلک کو صانع مانے تو وہ بالاتفاق کافر ہے۔

مناظرہ کا طریقہ

ان کے ساتھ مناظرہ کا طریق یہ ہے کہ حدوث عالم اور اثبات صانع اور اس کی صفات اور اثباتِ وحی بیان کیا جائے' نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مراکز و

Marfat.com

معادن میں، کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا، جس دن آسمان وزمین کو پیدا کیا۔

چھٹا قول

تعریفاتِ اشیاء اور تخلیق کائنات کا بیان

یہ باب ان حدود اشیاء کی معرفت پر مشتمل ہے جو کہ اجسام وموجودات کو عارض ہوئے، یہاں پر حدود کا اسی قدر بیان ہوگا جس قدر فقہاء کو حاجت ہے کہ ان الفاظ کا اطلاق اور اس سے احکام کا اثبات اور اعتقادیات اور احکامِ شرعیہ میں جو قیاس کے خلاف ہیں اور خلافِ واقع ہیں اور لوگوں کے درمیان ادیان میں مختلف فیہ رہے، بیان کیا جاتا ہے۔ اعیان کی تعریف اور ان کے اوصاف کی پہچان میں، اس لیے کہ حد کے معنی طرف اور کمیت کے آتے ہیں، پھر حد ذکر کر کے اس سے اوصاف مراد لیتے ہیں، وصف شئی کو حد کہتے ہیں اور وصف حد نہیں۔

حد کے لغوی معنی

حد کا معنی منع کرنے کے آتے ہیں، اسی لیے دروازہ کو "حد" کہتے ہیں کہ وہ لوگوں کو اندر داخل ہونے سے منع کرتا ہے۔ اسی طرح حد محدود کی تعریف میں اس کے غیر کو اور اس کی جنس کو داخل ہونے سے منع کرتا ہے اور حد سے مقصود شے کا اس طرح پہچاننا ہے کہ اس شے کے اوصاف، ارکان، حدود ومقدار سب کی معرفت حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اب ہم یہ بیان شروع کرتے ہیں۔

قدیم کی تعریف

چنانچہ معلوم ہونا چاہیے کہ لغت میں قدیم اس شئی کو کہتے ہیں کہ جو سب سے پہلے ہو اس معنی کے لحاظ سے ہم اللہ تعالیٰ کو قدیم کہہ سکتے ہیں، یعنی تمام اشیاء سے اس کو تقدم حاصل ہے اور اس کا یہ تقدم اشیاء پر اس لحاظ سے نہیں کہ وہ پہلے معدوم تھا اب وجود یا پہلے نیست تھا، اب ہستی پائی یعنی اس کو عدم سے وجود میں آنے یا نیست سے ہست ہونے کے لحاظ سے

Marfat.com

اشیاء پر تقدم نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے موجود ہے۔

دھریوں کا مذہب

دھریوں نے قدیم کے معنی میں اختلاف کیا ہے' انہوں نے کہا: صانع اس لحاظ سے قدیم نہیں کہ وہ ہمیشہ سے ہے' بلکہ اس کا تقدم ظہورِ وجود کے لحاظ سے ہے یعنی تمام چیزوں سے پہلے اس کا وجود ظاہر و موجود ہوا' پھر تقدم کی قوت سے اس نے اشیاء کو پیدا کیا' اس کے بعد عدم کی طرف لوٹ گیا جو کہ اس کی اصل ہے اور یہ بیّن کفر ہے' اس لیے کہ معدو کا وجود و تکون بغیر موجد (پیدا کرنے والے) کے نہیں ہوسکتا' اس لیے کہ معدوم سے تو فعل متصور نہیں' لہٰذا فعل کس سے حاصل ہوگا؟ یا تو قوت ہے یا علت ہے اور یا موجد ہے۔ بہر حال جس سے فعل واقع ہوگا' وہی صانع و خالق ہوگا اور پھر یہ صانع بھی اسی طرح کا ہوا تو یہ بھی محتاج ہوگا یا قوت کا یا علت کا یا موجد کا اور یونہی یہ سلسلہ چلتا رہے گا اور یہ صحیح نہیں ہے تو ثابت ہوا کہ صانع قدیم ہے اور اس کی صفت قدم ہے۔

قدیم و قدم میں فرق

بعض کہتے ہیں کہ قدم اور قدیم میں فرق ہے' یہ دو شئی ہیں جن کا ایک ہی محل ہے اور یہ جائز نہیں یعنی قدم قدیم کی صفت نہیں بن سکتی۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ قدیم ایک زندہ موجود شئی ہے اور قدم اس شئی کی صفت ہے تو ہم یہ نہیں کہتے کہ شئی غیر موصوف ہے بلکہ شئی موصوف ہے' صفت قدم سے اس کا ذکر ہم بعد میں کریں گے جیسا کہ صفت اور نعت میں ہوتا ہے۔

نعت اور صفت کیا ہوتی ہیں؟

اہل لغت کے نزدیک نعت اس شئی سے عبارت ہے جس کے ساتھ شئی آراستہ ہو بایں حیثیت کہ اس کا زوال ناممکن ہو' جیسے آنکھ' ناک' ابرو' ہاتھ کہ یہ شئی کے لیے نعت ہے۔

صفت کا بیان

اور صفت وہ ہے جو عارض ہوتی ہے اور شئی سے زائل بھی ہو جاتی ہے' جیسے رنگ' کلام' سونگھنا' چکھنا اور کاریگری وغیرہ یہ اشارہ نعت کا بیان ہے۔

Marfat.com

نعت اور صفت کی اصطلاحی تعریف

اصول اور اصطلاح میں نعت وصفت کی تعریف کہ جس پر اعتقاد کی صحت کا مدار ہے اور یہ کہ جس کی اضافت ونسبت اللہ تعالیٰ کی طرف جائز یا ناجائز ہو وہ کیا ہے؟ تو واضح رہے کہ سابقہ سطور میں جو نعت وصفت کی تعریفات گزری ہیں' اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف جائز نہیں اور معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات کے ساتھ موصوف ہے اور اپنی نعت کے ساتھ منعوت ہے جیسا کہ ہم ان شاء اللہ ذکر کریں گے' اسے خوب سمجھ لو۔

صفت کے بارے میں کرامیہ اور بعض عاشقوں کا مذہب

کرامیہ اور متقشفہ کہتے ہیں کہ صفت وہ شئی ہے کہ ذات اس سے جدا ہو کر ثابت نہ ہو۔ بلکہ بغیر تقدیم جیسے ہی ذات ثابت ہو گی تو ساتھ ہی صفت بھی ثابت ہو گی اور صفت کی نفی سے ذات کی بھی نفی ہو جائے گی گویا کہ ذات اور صفت کے درمیان چولی دامن کا ساتھ ہے' آپس میں لازم وملزوم ہیں۔

نعت: اور نعت وہ ہے کہ ذات کا ثبوت اس کے بغیر بھی جائز اور ممکن ہوتا ہے اور اس کا مفصّل ذکر ان شاءاللہ ہم بعد میں کریں گے۔

نعت وصفت اور فقہاء اہل سنت وجماعت

اہل سنت و جماعت کے فقہاء کرام نے فرمایا کہ نعت وصفت میں کوئی فرق نہیں' ان دونوں (نعت وصفت) کی تعریف یہ ہے جس کے ساتھ موصوف اپنے ماسوا دوسری چیزوں سے ممتاز ہو جائے۔

اسم کی لغوی تحقیق

اہل لغت کے نزدیک اسم کی تعریف یہ ہے کہ جس کے ساتھ مسمّٰی کی طرف اشارہ کر سکیں اور یہی علامت ہے۔

اسم کا مادۂ اشتقاق

اسم کا مادۂ اشتقاق ''سِمَۃٌ'' ہے جس کے معنی علامت اور نشانی کے آتے ہیں۔

Marfat.com

محققین اور اصولیوں کے نزدیک اسم کی تعریف

اہل تحقیق اور اہل اصول کے نزدیک اسم کی تعریف یوں بیان کی جاتی ہے: اسم وہ ہے کہ جس سے اس کے مسمّٰی کو اپنے ماسوا سے فرق اور امتیاز حاصل ہو جائے۔

محدث کسے کہتے ہیں؟

جو شئی تبدیلی کو قبول کرلے محدث کہلاتی ہے' اور بعض کہتے ہیں: حدیث کی تعریف یہ ہے کہ عدم سے وجود میں آنا (اس کے مطابق عدم سے وجود میں آنے والی یعنی نیست سے عالم ہستی میں آنے والی شئی کو محدث کہیں گے)۔

جوہر کس کو کہتے ہیں؟

اہل سنت و جماعت کے نزدیک جوہر وہ ہے جو اپنی ذات میں یکتا' مستقل اور بذاتِ خود قائم ہو اور اعراض کو قبول کرلے۔

دیگر فرقوں کے نزدیک جوہر کی تعریف

فلاسفہ' طبائعہ اور کرامیہ کے نزدیک جوہر کی تعریف یہ ہے کہ جو قائم بنفسہٖ ہو۔

جسم کی تعریف

کرامیہ کے نزدیک جسم وہ ہے جو محل سے مستغنی ہو۔

معتزلہ جسم کسے کہتے ہیں؟

اور معتزلہ کے نزدیک جسم وہ ہوتا ہے جس کے لیے لمبائی' چوڑائی اور گہرائی ہو۔

اہل سنت و جماعت جسم کس کو کہتے ہیں؟

اہل سنت و جماعت کے نزدیک جسم وہ ہے جس کے لیے تالیف و ترکیب ہو' اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ'' (البقرہ:۲۴۷) اور اسے علم اور جسم میں کشادگی عطا فرمائی۔

عرض کسے کہتے ہیں؟

اہل سنت و جماعت کے نزدیک عرض کی تعریف یہ ہے جو غیر کو عارض ہو اور محل کی محتاج ہو اور دو زمانوں تک باقی نہ رہے' اسی لیے علّت کا نام عارضہ رکھا گیا ہے کہ غیر پر عارض ہوتی

Marfat.com

ہے۔

معتزلہ و متقشفہ عرض کس کو کہتے ہیں؟

معتزلہ اور متقشفہ کے نزدیک عرض وہ ہے جو غیر کے ساتھ قائم ہو۔

صورت' ہیئت' جثہ اور بدن کسے کہتے ہیں؟

اہل سنت و جماعت کے نزدیک صورت و ہیئت و جثہ و بدن کی تعریف یہ ہے کہ جس کے لیے حد' نہایت اور تالیف ہے۔

ذات' نفس اور شئی کیا ہیں؟

اہل سنت کے نزدیک موجود بالعلم کو کہتے ہیں' طبائعہ اور جہمیہ کہتے ہیں: ذات' نفس اور شئی اس کو کہتے ہیں جو حدث کو قبول کرے۔

وجود: وجود کہتے ہیں جو بالذات ثابت ہو۔

عدم: وجود کی ضد ہے۔

حِس: مدرک بالطبع کو کہتے ہیں۔

طبع: طبع اس کو کہتے ہیں جس سے لذت والم معلوم ہو اور جو جمع و تقسیم کی محتمل ہو۔

علم: معلوم جیسا کہ وہ ہے اس پر واقفیت حاصل کرنے کا نام علم ہے' بعض نے کہا کہ شئی جیسی وہ ہو اس پر واقفیت پانے کو علم کہتے ہیں' لیکن یہ تعریف اس لیے درست نہیں ہے کہ معدوم معلوم ہے لیکن شئی نہیں۔

کلام کسے کہتے ہیں؟

اہل سنت کے نزدیک کلام اس معنی کو کہتے ہیں جو سمجھ میں آ جاتا ہے یعنی کلام معنی و مفہوم کا نام ہے اور ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کلام معنی فی الذات کو کہتے ہیں۔ معتزلہ نے کہا کہ حروف کو ملا کر جو جدا جدا آوازیں ظاہر کی جاتی ہیں' ان کا نام کلام ہے۔ اور حشویہ (جو کرامیہ اور متقشفہ سے ہیں) نے کلام کی دو طرح سے تعریف بیان کی ہے:

(۱) گفتگو پر قدرت ہونے کو کلام کہتے ہیں۔ (۲) کلام وہ ہے جس سے معنی کا اظہار کیا جائے۔

Marfat.com

قول کیا ہے: کلام کا بیان کرنا اور اظہار کرنا۔

نطق: الگ الگ متفرق حرفوں سے ملا کر جو ایک باضابطہ آواز پیدا ہو اس کو نطق کہتے ہیں۔

صوت: ظہورِ حرکت کے وقت جوہر کی قوت کا نام صوت ہے۔

کتابت: کتابت کی تعریف ہے: مکتوب کو ثابت کرنا۔

انسان: جو طبیعت سے زندہ ہے اور جو شہادت کی گویائی پر قدرت رکھتا ہے۔

جنس: معنی کے لحاظ سے دو چیزوں کا موافق ہونا۔

نوع: نوع کی تعریف یہ ہے کہ وہ مفہوم جو شئی کے ایک پہلو سے موافق ہو اور دوسری جہت سے مخالف ہو۔

اس کی قدرے وضاحت یہ ہے کہ مثلاً ''حیوان'' اسم جنس ہے اس میں انسان، چوپائے، پرندے اور ہر زمین پر چلنے والا داخل ہے۔ پھر چوپائے ایک نوع ہے حیوان کی اور بکری چوپائیوں کی ایک نوع ہے، اسی طرح اونٹ، گھوڑا، گائے یہ علیحدہ علیحدہ نوع ہیں، تو یہ اشیاء صورت وصفت میں باہم مختلف ہیں اور حیات میں موافق ہیں۔

جوہر: اسم جنس ہے، تمام مخلوق کو شامل ہے، جمادات، حیوانات، ہوا، پانی وغیرہ سب اس کے تحت آتے ہیں، پھر پتھر ایک نوع کا نام ہے مٹی کا ڈھیلا ایک نوع، پانی ایک الگ دوسری نوع ہے۔

اشارہ سے کیا مراد ہے؟: اہل سنت کے نزدیک فعل کی تعریف یہ ہے: شے کے لانے میں کوشش کرنا۔ بعض نے کہا کہ شئی کے نام لانے کی طاقت کو فعل کہتے ہیں اور متقشفہ اور اشعریہ کے نزدیک جو فاعل سے ظاہر ہو اور مفعول میں اثر کرے۔

مکان کسے کہتے ہیں: جو مشغول کرے اس کے کون کو غیر سے۔

محل: جہاں کوئی اترنے والا اترے، محل کہلاتا ہے۔

ازل: زمانے کی ابتداء کو کہتے ہیں۔

ابد: زمانے کی انتہاء کو کہتے ہیں۔

فنا: شے کا معدوم ہونا۔

بقا: شے کا ہمیشہ رہنا۔

Marfat.com

ساتواں قول

حدوثِ عالم کا بیان

جاننے کی چند باتیں

(۱) کسی شے کا ثابت کرنا محال ہو تو یہ اس کی نفی پر دلیل ہوتی ہے۔

(۲) اور کسی شے کی نفی کرنا محال ہو تو یہ اس کے ثبوت کی دلیل بنتی ہے۔

(۳) کسی چیز کا زیرِ عمل لانا محال ہو تو یہ اس کے ترک پر دلالت کرتا ہے۔

(۴) اور اگر کسی شئ کا ترک کرنا محال ہو تو یہ اس کے واجب العمل ہونے کی دلیل ہوگی۔

عالم کی دو قسمیں ہیں

متکلمین کے نزدیک عالم کی قسمیں یہ ہیں: جوہر اور عرض۔

اَصنافِ عالم کے سلسلے میں کچھ اور مذاہب بھی ہیں ملاحظہ ہوں:

(۱) تکوین اور مُکوَّن۔

(۲) تغییر اور مُتغیّر (متقدمین فقہاء اسی کے قائل ہیں) اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی بھی یہی رائے ہے۔

(۳) بعض کہتے ہیں: حال اور محل ہے۔

(۴) بعض کہتے ہیں: حدوث ومحدث۔

اور سب کا مطلب ایک ہے یعنی عالم جوہر وعرض سے عبارت ہے اور جسم جوہر کی نوع ہے، پھر عرض کا زائل ومعدوم ہو جانا جائز ہے اور ایسے ہی تغییر وتکوین وحدوث اور یہ اشیاء تبدیل ہونے کا احتمال رکھتی ہیں اور بدل اس عین میں حلول کرتا ہے اور مبدل کے زائل ہونے کے ساتھ اس عین پر عارض ہوتا ہے اور یہ بدل ومبدل دونوں کے حدوث کی دلیل ہے، اس لیے کہ بدل اس مبدل سے پہلے نہ تھا اور جو پہلے نہ ہو پھر معرض وجود میں آئے تو وہ محدث ہے اور مبدل کبھی بدل کے ساتھ زائل ہو جاتا ہے اور جو چیز زائل ہو جائے وہ قدیم

Marfat.com

نہیں ہوسکتی' اس لیے کہ اس کا زوال اس کے یقیناً منعدم ہونے کو واجب کرتا ہے اور جس کا معدوم ہونا (خواہ انجام کے اعتبار سے ہو) جائز ہو تو اس کا ابتداء امر میں بھی معدوم ہونا ممکن ہوتا ہے۔

عالم کے محدث ہونے کی بُرہان

اور قدیم عدم سے پاک ہے' بلکہ عدم کے توہّم سے بھی منزہ ہے اور عالم کی اشیاء پر عدم کا طاری ہونا جائز ہے تو عالم کا قدیم ہونا باطل ہے اور جب عالم قدیم نہیں تو محدث ہوگا۔

محدث کی تعریف

اس لیے کہ محدث وہ ہے جو عدم سے وجود میں آیا ہو۔

عرض کے خواص و علامات

ایک حالت سے دوسری میں بدل جانا اور قابلِ زوال ہونا عرض خاص وصف ہیں یعنی تحویل وازالہ عرض کے خصوصی اوصاف ہیں اور تحویل وازالہ کا ظاہر ہونا حدوث ہے اور جو حدوث سے ظاہر ہو وہ محدث ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ عرض اپنے وجود میں محل کی محتاج ہے اور اس کا وجود و بقاء بغیر محل کے ناممکن ہے اور جو بذاتہٖ باقی نہ رہے اور اس کا وجود محل کا محتاج ہو تو وہ محدث ہوگا اور اس لیے کہ حلول اس کا محل میں حدث ہے اور حلول سے پہلے بعینہٖ موجود نہ تھا تو ثابت ہوا کہ محدث ہے اور جب عرض کا محدث ہونا ثابت ہو گیا تو عرض کا حدوث جوہر کے حدوث کو واجب کرتا ہے' اس لیے کہ عرض جوہر میں حلول کیے ہوئے ہوتی ہے تو حال جب محدث ہے تو محل بھی محدث ہوگا' اس لیے کہ قدیم شئی یا قدیم ذات میں محدث کا حلول جائز نہیں ہے' اسی طرح جوہر کا وجود عرض سے پہلے جائز نہیں' اس لیے کہ جوہر کا عرض سے خالی ہونا محال ہے اور عرض کا وجود جوہر کے بغیر جائز نہیں۔

عرض اور جوہر دونوں کی ابتداء اور انتہاء ہوتی ہے

عرض کی بدایت بھی ہے اور نہایت بھی' جیسا کہ ابھی سابقہ سطور میں ہم ذکر کر چکے ہیں۔ تو ایسے ہی جوہر کے لیے بھی ابتداء اور انتہاء کا ہونا ضروری ہے۔

Marfat.com

حدوثِ عالم پر ایک اور دلیل

اور نتیجہ کے طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہر وہ شئی کہ جس کی ابتداء اور انتہاء ہو، ضروری بات ہے کہ وہ محدث ہوگا جیسا کہ ہم تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔

سوال: کیا اللہ تعالیٰ حرکت کو بغیر نفس متحرکہ کے پیدا کرنے پر قادر ہے؟

جواب: بے شک اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، اس کی قدرت علی وجہ الکمال ہے مگر اس کے لیے حیزِ وجود داخل ہونا بغیر محل کے ممکن نہیں اور محل جوہر اور حرکت عرض ہے تو عرض کا وجود بغیر جوہر کے اور جوہر کا وجود بغیر عرض کے محال ہے اور اللہ تعالیٰ عزوجل کی شان اس سے بلند و بالا ہے کہ وہ محال کو پیدا کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

Marfat.com

تیسرا باب
اثباتِ صانع کا بیان

اس میں سات اقوال ہیں۔

مہتدی ابوشکور سالمی فرماتے ہیں: جاننا چاہیے کہ علم کی دو قسمیں ہیں:

علم کی قسمیں

علم کی دو قسمیں ہیں: علم قدیم، علم حادث۔

علم قدیم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور علم حادث مخلوق کا علم ہے۔

علم حادث کی قسمیں

پھر مخلوق کے علم کی دو قسمیں ہیں: ضروری اور استدلالی۔

علم ضروری کی تعریف

علم ضروری وہ ہے جو حواس سے حاصل ہو وہ اس طرح کہ جب کسی چیز کو یا کسی آدمی کو دیکھا تو یقیناً جان لیتے ہو یہ شئی کیا ہے؟ کیسی ہے؟ کتنی ہے؟ زندہ ہے یا مردہ ہے؟ مرد ہے یا عورت؟ لمبا ہے یا چوڑا؟

علمِ استدلالی کسے کہتے ہیں؟

علم استدلالی وہ ہے جو نظر وفکر سے حاصل ہو۔ بعض متکلمین نے کہا کہ علم ضروری اور علم استدلالی میں کچھ فرق نہیں ہے جب کہ ایسی دلیل سے ثابت جو شک کو زائل کر دے یہی قول زیادہ درست ہے' اس لیے کہ جو علم' استدلال سے بہ طریق یقین حاصل ہوتا ہے' وہ قبول وعمل کو ضرور واجب کرے گا اور اس سے حاصل ہونے والا علم قطعی اور یقینی ہوگا تو علم استدلالی علم ضروری ہوگیا۔

Marfat.com

تفصیلی بیان

اس اجمال کا بیان یہ ہے کہ معرفتِ صانع کا علم صانع کے وجود پر دلالت کرنے والی آیات اور نشانیوں میں نظر واستدلال کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

اور ایسے ہی استدلال ونظر سے وحی ونبوت کا اثبات ہوتا ہے کہ معجزات میں نظر وفکر کی جائے اور قولِ رسول جب کہ سنے یا اللہ کی طرف سے نقل کرے یا رسول سے بغیر شبہہ کے ایسے ہی اجماعِ امت' تو یہ چیزیں نظر وفکر کے بعد علم قطعی ویقینی کو واجب کرتی ہیں اور یہ علم ضروری ہو جاتا ہے' جو بغیر شک وشبہہ کے ایمان اور قبول وعمل کو واجب کرتا ہے اور جو شک کرے گا وہ کافر ہو جائے گا اور یہ ایسے ہے کہ ہم دھویں کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہاں آگ ہے اور یہ علم ضروری کا موجب ہوتا ہے' حتیٰ کہ دیکھنے والا جب دھواں دیکھتا ہے' اگرچہ آگ نہ دیکھی ہو وہ یقین کر لیتا ہے کہ یہ دھواں آگ سے پیدا ہوتا ہے۔

اسی طرح بُنا ہوا کپڑا بُننے والے کے وجود پر دلالت کرتا ہے اور سلا ہوا کپڑا درزی کے وجود پر دلالت کرتا ہے اور دلیل کے بعد مدلول کا علم یقین کے ساتھ حاصل ہو جاتا ہے۔

ایسے ہی بارش دلیل ہے بادلوں کے موجود ہونے پر' یہاں تک کہ جب ایک نابینے شخص پر بارش برستی ہے تو اس نے اگرچہ بادلوں کو حواس سے دیکھا نہیں ہوتا لیکن یقین کر لیتا ہے کہ یہ بارش بادلوں سے رسی ہے' اس طرح بارش سے وہ بادلوں کے وجود پر یقین کر لیتا ہے اور یہ علم ضروری یقینی ہو جاتا ہے' ایسے ہی مکان اپنے بنانے والے پر دلیل ہوتا ہے اور مصنوع صانع پر جیسا کہ یہ مقرر وثابت ہے۔

علم ضروری اور علم استدلالی میں فرق

علم ضروری اور استدلالی جب کہ بطریق یقین ثابت ہو جانے میں کوئی فرق نہیں ہے' اس لیے کہ "حس" بذات خود علم نہیں' بلکہ کسی چیز کو جاننے کے لیے دلیل ہے' ایسے ہی آیات و علامات دلیل ہیں جو کہ دلالت کرتی ہیں معلوم پر' پھر جب عالم معلومات پر واقفیت حاصل کر لیتا ہے تو پھر یہ معلوم خود اس چیز پر دلالت کرتا ہے جو بدلالت دلیل دلالت کرتا ہے اسی چیز پر تو پھر ضروری واستدلالی علم میں فرق واقع نہ ہوگا جب کہ ایک دلیل دوسری دلیل پر دلالت کرے اور یہ دلیل دلالت کرتی ہے معلوم پر جب کہ اس میں شبہہ نہ ہو ایسے ہی اگر تین ہو یا

Marfat.com

اس سے بھی زیادہ جیسے تم کہتے ہو خبر متواتر میں اور قرآن پاک میں کہ نبی کریم ﷺ سے ہم تک بنقل متواتر منقول ہوا دست بدست اور لوگوں کے زبانی بایں حیثیت کہ ان کے جھوٹ پر جمع ہو جانے کو ہم عقلاً جائز نہ سمجھیں کیونکہ اس سے علم قطعی اور یقینی حاصل ہوتا ہے اور ایسے ہی ''ما نحن فیہ'' میں ہے ''العلم علیہ'' اور تمہارا لوگوں سے سننا ایسے ہی ہے جیسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اور ایسے ہی نبی اکرم ﷺ نے خبر دی اللہ تعالیٰ سے اور بسا اوقات جبریل سے' وہ میکائیل سے' وہ اسرافیل سے' وہ اللہ تعالیٰ سے یا لوحِ محفوظ سے' وہ اللہ تعالیٰ عزوجل سے تو یہ خبر تمام وسائط کے اعتبار سے ایسی خبر ہوگئی' جیسے تم نے خود حضور ﷺ سے سنا یا اللہ تعالیٰ عزوجل سے سنا' اس لیے کہ یہ وسائط جھوٹ وغیرہ کے شبہ اور توہم سے پاک اور خالی ہیں تو اس میں شبہ نہیں ہوسکتا اور اس کی مانند ہے اگر خبر بہ طریقِ آحاد ثابت ہو تو راویوں میں شبہ ممکن ہے' مثلاً یہ کہ راوی کو سہو ہو گیا ہو یا غلطی کی ہو یا ادراک معانی میں غلطی لگ گئی ہو یا جھوٹ کا بھی احتمال ہوسکتا ہے' لیکن یہ خبر اس حیثیت سے ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی خبر ہے' اس میں شک کی گنجائش نہیں' لیکن راویوں میں سہو' غلط' شبہہ کا وہم ہوسکتا ہے' اس لیے کہ علم قطعی و یقینی کا موجب نہیں ہے تو اسی پر اندازہ لگا کر ہماری اس گفتگو کو سمجھا جا سکتا ہے۔

پانی' درخت' بارش' آسمان' شمس و قمر ہر ایک اس پر دلیل ہے کہ ان کا ضرور کوئی صانع' قادر' قدیم خالق ہے' پھر یہ نشاناتِ قدرت اثباتِ صانع پر دلیل قطعی ہیں' تو ان دلائل سے نشاناتِ قدرت سے علم و معرفت کا حصول مثل علم ضروری ہے۔[1] حسی طور پر زوال شبہ کے لیے یہ آیاتِ قدرت پر دلالت کرتے ہیں کہ قطعی اور یقینی طور پر ان کے لیے صانع ہے۔

اس کی تحقیق یہ ہے کہ عالم اجزاء مؤلفہ اور اجرام مرکبہ کا نام ہے جو کہ قابلِ تقسیم ہے اور جس میں اندازہ' حد وغیرہ متصور ہو سکتے ہیں۔ پھر وجود فعل اپنی جنس سے جائز نہیں اور نہ اجزاء عالم سے جائز ہے' جیسے وجود فعل اپنی اصل سے جائز نہیں[2] اس لیے کہ اصل اپنے ظہور اور

---

1. کہ جب یہ آیات قدرت یقینی اور قطعی طور پر دلالت کرتی ہیں کہ ان کے لیے صانع ہے۔

(۱۲ سیدی ابوالبرکات)

2. جیسے درخت پر پھل لگتا ہے تو نہیں کہہ سکتے کہ درخت نے پھل کو پیدا کیا یا انڈے سے بچہ نکلتا ہے تو نہیں کہہ سکتے کہ انڈے نے بچے کو پیدا کیا۔

Marfat.com

حیات سے پہلے شئ ہی نہیں اور حدوث و کینونت ظاہر و موجود ہونے کے بعد وہ زندہ نہیں اور حدوث و احداث دونوں غیر حسی اور بے جان چیز سے متصور نہیں اور شے کے بغیر بھی متصور نہیں اور معدوم عادۃً اور عقلاً حیز وجود میں داخل نہیں تو موجد کا محتاج ہوا۔

تو ثابت ہوا محدثات و موجودات کے لیے موجد و محدث ہے اور ان مقدورات و مکنونات کے لیے مقدر و مکون ہے اور ہر مرکب و مؤلف کے لیے مرکب کرنے والا اور تالیف کرنا لازمی ہے اور جب کہ وہ جسم والا ہے تو جسم دینے والا اور جب وہ صورت والا ہے تو اس کو صورت دینے والا کوئی لازمی ہونا چاہیے تو ثابت ہو گیا کہ عالم کے لیے صانع، مبدع، موجد محدث ہے۔

اگر کہا جائے کہ ہمارے مشاہدہ میں آیا ہے کہ مثلاً بانی ایک مکان بناتا ہے تو ہم جان لیتے ہیں کہ ہر عمارت اسی طرح بانی کی محتاج ہے لیکن عالم میں اور اس کی بناء کو دیکھ کر دوسرے عالم کو نہیں دیکھا کہ اس کو کس نے بنایا تھا؟ یہاں تک کہ ہم حاضر پر غائب کو قیاس کر سکیں۔ ہم نے کہا کہ بناء عالم اور غیر عالم کی ایک طریقے اور نہج پر ہے اس لیے کہ بناء کی تعریف ترتیب اجزاء و ترکیب اشیاء یعنی بعض اجزاء کو بعض کے ساتھ ترکیب دینا اور جب کوئی شئ مرکب و مرتب ہو گی تو فرق نہیں پڑتا، شئ چھوٹی ہو یا بڑی۔ علاوہ ازیں بناء عالم میں جو شاہد ہے، عالم کی جنس سے ہے اور عالم کا جز ہے اور باوجود اس کے بغیر بانی کے نہیں بن سکتی تو اصل عالم بہ طریقِ اولیٰ بغیر بانی کے نہیں ہو سکتا۔

سوال: اگر کہا جائے کہ نطفہ قدیمہ طبع کے لیے ثابت ہے اور جسد قدیم ہے اور وہ اصل پیدائش نبت ہے اور طبع قدیم ہے، وہ اصل عالم ہے۔

جواب: جواباً گزارش ہے کہ نطفہ قدیم ہو ہی نہیں سکتا اس لیے کہ نطفہ جسد سے نکلتا ہے اور جسد نطفہ سے اور نطفہ جسد سے تو سب سے پہلے جسد کس نطفہ سے ہوا؟ تو یہ سلسلہ الی غیر النہایہ چلتا جائے گا۔

پھر اس پر دلیل کہ نطفہ قدیم نہیں ہے، یہ ہے کہ نطفہ تغیر اور متغیر ہے اور تکوین اور متلون اور ہم نے بیان کیا ہے کہ تغیر و متغیر تکوین اور متلون حدث و محدث ہیں اور یہ معنی جسد میں موجود ہے۔

Marfat.com

رہا یہ ان کا قول کہ طبع قدیم ہے تو اس سلسلہ میں ان کے ساتھ مناظرہ کا طریقہ یہ ہوا کہ جیسے کہ ''باب الطبائع و الفلک'' میں ہم ذکر کر چکے ہیں۔

علاوہ ازیں ہم کہتے ہیں کہ طبع قدیم نہیں ہوسکتی' اس لیے کہ اس میں تبدیلی اور انقلاب رونما ہوتا رہتا ہے' انقلاب اور تحویل لازمی چیز ہے کہ حرکت سے ہوتا ہے اور حرکت عرض ہے اور عرض محدث ہے تو ایسے ہی محل متحرک بھی لازماً اسی حال پر ہوگا جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

دوسرا قول

قِدم کا بیان

جہان کا پیدا کرنے والا قدیم ہے

ہمارا اجماع ہے کہ عالم کا بنانے والا قدیم ہے' اس لیے کہ اگر قدیم نہ ہو تو محدث ہوگا اور محدث کے لیے پھر صانع کی ضرورت ہے' اس میں بھی یہی کلام جاری ہوگا کہ محدث ہے یا قدیم؟ اور یہ سلسلہ کہیں جا کر رکنے کا نہیں تو ثابت ہوا کہ صانع عالم قدیم ہے حادث نہیں ہے۔

سوال: یہ ہے کہ اگر ہم یہ کہیں کہ صانع قدیم ہے تو قدم صفت ہوگی اور صفت و ذات (قدم و قدیم) ایک محل میں دو چیزیں مجتمع ہوگئیں اور ایسا ہونا محال ہے۔

جواب: جواباً عرض ہے کہ یہ جو کچھ تم نے ذکر کیا ہے' یہ محدثات کی صفت ہے تو صفت عرض ہوگی وہ محتاج محل ہے اور ذات جوہر ہے محتاجِ مکان ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات عرض نہیں اور نہ ذاتِ باری تعالیٰ جوہر کہ محل و مکان کی محتاج ہو تو ہم کہتے: وہ موجود ہے اور بغیر تمکن و حلول کے موصوف ہے تو یہ سوال ہی صحیح نہیں۔

ایک محل میں دو چیزوں کا جمع ہونا محال نہیں

دو چیزوں کا ایک محل میں پایا جانا محدثات میں محال نہیں ہے' اس لیے کہ عرض و جوہر دو شئی ہیں اور وہ دونوں محل واحد میں ہیں' پھر دو جوہروں کا وجود بھی ایک مکان میں جائز ہے۔

Marfat.com

جیسے پانی مٹی میں حلول کیے ہوئے ہوتا ہے اور مٹی جوہر ہے، بذاتہٖ مکان میں مشتغل ہے اور پانی اس میں جذب وسرایت اور حلول کیے ہوئے ہے لیکن اسی مکان میں قرب اتصال کی بناء پر اس میں رچا اور سمایا ہوا ہے، ایسے ہی روح میں۔

سوال: سوال یہ ہے کہ یہ تو بجا ہے کہ صانع قدیم ہے کیونکہ محدثات کا خود بخود معرض وجود میں آ جانا محال ہے، لہٰذا اشیاء اپنے ظہور اور پیدائش میں پیدا کرنے والے کی محتاج ہیں اور اس قدیم کا ان محدثات ونو پیدا اشیاء پر تقدم بھی ضروری، یہ سب باتیں مانتے ہیں، لیکن صانع قدیم کو اشیاء محدثات پر ایک گھڑی کے لیے تقدم حاصل ہو جائے یہی کافی ہے، باقی رہا اس سے زیادہ تو اس پر آخر کون سی دلیل قائم ہے؟ اور کس دلیل سے ثابت ہے کہ صانع قدیم ہے اور اس کو اشیاء پر ہمیشہ سے تقدم حاصل ہے؟

جواب: ہم کہتے ہیں کہ جب صانع کا اپنے قدم و وجود کے ساتھ مصنوعات ومحدثات سے تقدم ثابت ہو گیا تو اس کا تقدم ہمیشہ کے لیے بھی ثابت ہو گیا اس لیے کہ اس پر تحویل وحدوث تو جائز ہی نہیں تو وہ بغیر ابتداء اور بغیر انتہاء کے قدیم ہو گا۔

اور علاوہ ازیں ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ محدثات میں سے ایک قدم محدث ہے تو اوّل مدت اس کے حدوث پر دلالت کرے گی اس بناء پر وہ قدیم نہ ہو گا (پس اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے قدیم اور ہمیشہ قدیم رہے گا) بلکہ اوّل محدثات ہو گا اور محدث کا محتاج ہو گا تو یہ کہنا صحیح نہیں۔

نیز اس لیے کہ قدیم ومحدث میں فرق چار وجہ سے ہو گا۔

قدیم اور محدث میں چار وجہ سے فرق

(۱) اللہ تعالیٰ کو ہم یہ نہیں کہتے کہ وہ اوّل وآخر ہے، بلکہ ہم کہتے ہیں: وہی اوّل ہے بلا ابتداء اور وہی آخر ہے بلا انتہاء اور مخلوق کے لیے اوّل وآخر ہے۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جنس ونوع سے پاک ہے اور مخلوق کے لیے جنس ونوع ہے۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حال متغیر نہیں ہوتا اور نہ اللہ تعالیٰ کو حال کے ساتھ موصوف کیا جاتا ہے، جب کہ مخلوق کا حال متغیر ہوتا رہتا ہے اور مخلوقات حال سے موصوف ہوتی ہیں۔

Marfat.com

(۴) اور چوتھی وجہ یہ ہے کہ مخلوق زمان و مکان میں ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ زمان و مکان اور جہات سے پاک ومنزہ ہے۔

تو ہماری بات صحیح ہوئی' اس کا قدم بلا ابتداء ہے اور ہمیشہ سے وہ قدیم بلا ابتداء ہے اور ہمیشہ باقی رہے گا جس کی کوئی انتہا نہیں مقرر کی جا سکتی۔

اور اگر ہم یہ کہیں کہ اس کے قدم کی ابتداء ہے یا اس کی ہستی کی اوّل ہے تو آخر یہ بھی منتج ہوگا اس کے حدوث پر' اس لیے کہ قبل وجود مقتضیٰ ہے کہ وہ موجود نہ ہو یا نہیں تھا' پھر ہوا تو اس صورت میں محدث ہوگا اور ایک دوسرے محدث کی طرف محتاج ہوگا اور یہ صحیح نہیں ہے تو ثابت ہوا کہ وہ موجود ہے بلا اول اور بلا ابتداء اور وہ باقی ہے بلا آخر و بلا انتہاء اور ثابت ہو گیا کہ وہ قدیم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

تیسرا قول

وحدانیت کا بیان

خدا ایک ہے

جہان کو پیدا کرنے والا اپنی ذات میں یکتا ہے' اس کی صفات قدیم ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں قدیم ہے

دلیل: یہ ہے کہ ہم نے صانع کو صنع اور حدوث کی ضرورت سے ثابت کیا ہے کہ بغیر صانع مصنوع کا وجود نہیں ہوسکتا۔

اور یہ ضرورت ایک صانع سے مرتفع ہوسکتی ہے تو جہاں اپنے ظہور اور تخلیق میں دوسرے اور تیسرے خالق وصانع کی طرف محتاج نہیں رہتا اور دوسرے اور تیسرے صانع کے اثبات پر کوئی دلیل نہیں۔

سوال: کوئی شخص سوال اٹھاتا ہے کہ یہ تو سبب اور دلیل کا نہ ہونا ہے لیکن یاد رہے کہ سبب یا دلیل کا مفقود ہونا شئی کی نفی کے لیے دلیل قرار نہیں پا سکتی۔

Marfat.com

دوسری بات یہ ہے کہ جب کوئی شئی ایک صانع کے اثبات پر دلیل بننے کی صلاحیت رکھتی ہے یا اس کے لیے کون سا امر مانع ہے کہ اسی طرح ثانی اور ثالث کے اثبات کے لیے بھی دلیل قرار پائے جیسے راستہ چلنے والے کے لیے دلیل ہے' اب خواہ اس پر ایک چلنے والا چلے یا دو' تین یا زیادہ' ایسے ہی سلا ہوا کپڑا درزی کے وجود پر دلیل ہے تو جائز ہے' کپڑے کو ایک شخص سے یا دو' تین یا زیادہ سے[1]

جواب: یہ ہم مانتے ہیں کہ کسی شئی کے اثبات پر دلیل اور سبب کا نہ پایا جانا اس شئی کی نفی کی دلیل نہیں ہوا کرتی' مگر جب وہ شئی دلیل سے معلوم ومحسوس نہ ہوتو پھر وہ عدم (نہ ہونے) کے حکم میں ہوگی۔

تو جو چیز حکم عدم میں ہوگی اس کا نام بلا دلیل شئی وجود نہیں رکھا جا سکتا اور یہاں کوئی دلیل نہیں ہے تو پھر کہنا واجب نہ ہوا۔

باقی اس بات کا جواب (کہ جب ایک شے صلاحیت رکھتی ہے کہ وہ ''صانع واحد'' کے اثبات پر دلیل ہو سکتی ہے تو اس میں ثانی اور ثالث صانع کے اثبات پر دلیل بننے کی بھی صلاحیت ہوگی طریق ومحیط کی مثل (استہ' سلا ہوا کپڑا)) یہ ہے' ایسی صورت وہاں ممکن ہوتی ہے جہاں ثانی وثالث محال نہ ہو' لیکن جب استحالہ ظاہر ہو گیا کہ ثانی وثالث صانع کا وجود محال ہے تو یہ واجب کرتا ہے اس کی نفی کو اور اس کا اثبات ناجائز ہے اس لیے کہ ہم بیان کر آئے ہیں کہ کسی شئی کے اثبات کا محال ہونا اس کی نفی کا موجب ہوتا ہے اور شئی کی نفی کرنا محال ہو تو یہ اس کے اثبات پر کھلی دلیل ہوتی ہے اور ثانی وثالث کے اثبات میں استحالہ پایا گیا ہے تو اس سے لازم نہیں آتا جو تم نے کہا۔

وجہ استحالہ

دو خدا نہیں ہو سکتے' دلائل ملاحظہ ہوں:

اس کے محال ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر صانع دو خدا ہوں تو دو حال سے خالی نہیں' دونوں ایک دوسرے سے متصل ہوں گے یا منفصل ہوں گے' ایک دوسرے سے پہلی شق

---

[1] لہٰذا صانع کی وحدانیت سے دوسرے اور تیسرے صانع کی نفی نہ ہوتی تو یہ قول صحیح نہ ہوا۔

Marfat.com

اختیار کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ اگر دونوں متصل ہیں تو ایک ہی ہوئے' اس لیے کہ ان دونوں میں جدائی اور فاصلہ نہیں ہے اور اس وقت ہر ایک کی حد معلوم نہیں ہو سکے گی اور ہر ایک کی طرف اشارہ ممکن نہیں ہوگا تو دوسرے اور تیسرے خدا کے وجود کی بات کرنا محال ہوا' ایسا ہونا ہی غلط ہے۔

دوسری شق پر بات

اور اگر دونوں متصل (جدا) ہوں گے تو جدائی اور ملنا دو چیزیں تحدید کو واجب کرتی ہیں اور محدود و مقدر کے لیے جنس و نوع ہوگی تو شبہہ پیدا کرے گی' پھر یہ بھی کہ محدود کی حد قائم کرنے والے اور مقدر کی تقدیر و اندازہ لگانے والے کی طرف احتیاج و ضرورت پڑے گی' تو ایسی صورت میں دو میں سے ایک ''خدا'' نہیں ہوگا' تو ثابت ہوا کہ خدا ایک ہی ہے۔

اعتراض: اگر کہا جائے دو صانع ہوں اور اس طرح کہ ہر ایک دوسرے سے نہ متصل ہے نہ منفصل۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے آپ کہیں کہ صانع (خدا) موجود ہے اور عالم (جہاں) موجود ہے اور صانعِ عالم' نہ عالم سے متصل ہے اور نہ وہ عالم سے منقطع ہے تو ایسے ہی یہاں صورتِ حال ہے۔

جواب: یہ ہے کہ ہاں! یہ تسلیم کہ صانع بھی موجود ہے اور عالم بھی موجود ہے لیکن عالم' صانع کی جنس سے نہیں ہے اور صانع عالم کی جنس سے نہیں (یعنی خدا اور جہاں دونوں ہم جنس نہیں ہیں) اور وصل و جدائی دو جنسوں یا دو نوعوں میں ہوتا ہے یا ایک جنس اور ایک نوع میں ہوتا ہے اور یہ اس جگہ نہیں پائے جاتے' تو جب یہاں جنسیّت و نوعیّت نہیں تو ان دونوں میں فصل و وصل بھی ممکن نہیں' برخلاف ہمارے اس مسئلہ کے کہ اگر صانع (خدا) دو ہوں تو ہر ایک دوسرے کے ہم جنس ہوگا اور دو جنسوں میں اتصال جائز ہوگا۔ اب اگر ایک دوسرے سے اتصال ہوا تو ایک ہو جائے گا اور ایک دونوں ہم جنس نہیں ہیں تو اتصال نہ پایا گیا' جب اتصال نہ پایا گیا تو انفصال لازمی امر ہے' جب انفصال ہوا تو یہ (انفصال) تحدید کو واجب کرتا ہے جیسا کہ ہم تفصیل سے بیان کر آئے ہیں۔

Marfat.com

خدا کی وحدانیت پر دلیل

دوسرے اور تیسرے خدا کے استحالہ سے صانع کی وحدانیت پر دلیل یہ ہے، مثلاً گفتگو اسی طرح جاری کریں گے کہ فرض کرو! اگر دو صانع ہوں تو یہ دو حال سے خالی نہیں یا دو صانع مشترک طور پر ہوں گے یا جدا جدا طور پر، تو اگر دو صانع بر سبیل اشتراک ہیں تو ہر ایک مکمل طور پر کارروائی کرنے کا مالک نہیں ہوگا، اس لیے کہ جہاں (عالم) کا ہر جز دونوں میں نصف نصف طریق پر مشترک ہوگا اور حکماً ہر چیز میں دونوں صانع تصرف کرنے والے نہیں ہوں گے، اس لیے کہ ہر ایک ایک جہت اور پہلو سے تصرف و کارروائی سے ممنوع قرار پاتا ہے اور جو کسی چیز میں تصرف کرنے سے ممنوع ہو وہ مقہور و مغلوب ہوتا ہے اور مقہور و ممنوع خدا نہیں ہو سکتا اور اگر ہر ایک متصرف (کارروائی کرنے والا) ہو ہر جز میں تو اس سے بھی بڑھ کر استحالہ لازم آئے گا، اس لیے کہ ان میں سے اگر ایک کسی شخص کو مارنے کا ارادہ کرے اور دوسرا اسی شخص کو زندہ رکھنے کا ارادہ رکھتا ہے تو شخص واحد ایک ہی وقت میں زندہ بھی ہو اور میّت بھی، زندگی اور موت دونوں سے متصف ہو یہ محال اور ناممکن ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''لَوْ کَانَ فِیْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا'' (الانبیاء:۲۲) کہ اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا اور خدا ہوتے تو زمین و آسمان تباہ ہو جاتے۔

اعتراض: اگر کہا جائے کہ جائز ہے دو خدا ہوں اور دونوں میں اختلاف جھگڑا واقع نہ ہو اس لیے کہ حکمتِ کاملہ موجب اختلاف نہیں ہوا کرتی۔ پس دونوں قادر ہیں، دونوں علیم ہیں، حکیم ہیں، صانع و خالق ہیں اور دونوں علیٰ سبیل الکمال کامل ہیں۔

اب حکمت کاملہ کا تقاضا یہ ہوگا کہ جس چیز کو ایک چاہے گا اسی کو دوسرا چاہے گا اور جو چیز ایک جائز رکھے گا وہی دوسرا جائز رکھے گا تو اس طرح بمقتضائے حکمت کاملہ دونوں میں اختلاف واقع نہیں ہوگا۔

جواب: ہم نے جواب میں کہا کہ جب دونوں صانع قادر، عالم، حکیم اور کامل ہیں تو ان دو میں سے ایک کا ان صفات سے متصف ہونا کافی ہے تو دوسرے خدا کے ماننے میں کچھ فائدہ نہ ہوا اور جب فائدہ نہیں ہوا تو مخلوق اس سے مستغنی ہوگی اور جس کی مخلوق کو حاجت نہ ہو، مخلوق اس سے مستغنی ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ معبودِ برحق جب

Marfat.com

کہ تمام اشیاء کا صانع بھی ہو، خالق و رازق بھی ہو تو تمام اشیاء، جمادات، نباتات، حیوانات، جواہر و اعراض سب کے سب محتاج ہوں گے، اس کے قائم رکھنے سے قائم ہوں گے، اس لیے کہ زندہ اس کے زندہ رکھنے سے اور مردہ اس کے مارنے سے اور باقی اس کے باقی رکھنے سے باقی رہے گا اور موجود اس کی ایجاد سے موجود ہوگا اور معدوم اس کے ختم کرنے سے معدوم ہوگا اور تمام اشیا کبھی بھی اس سے مستغنی نہیں ہوسکتیں، ہر حال میں اس کی محتاج ہیں اور جب کفایت و رعایت ایک خدا سے حاصل ہوسکتی ہے تو دوسرے خدا سے استغناء و بے نیازی ظاہر ہوگی۔ اس سے ہماری بات ثابت ہوگئی کہ دوسرا خدا موجود نہیں ہے، بس خدا صرف ایک ہی ہے وحدہٗ لاشریک یہ تقریر تو اس شق پر ہو رہی تھی جب کہ دونوں فعل میں مشترک ہوں اور جب دونوں میں افتراق ہو بایں طور کہ ہر ایک علیحدہ علیحدہ مخلوق کو پیدا کرے تو اس میں پہلے سے بھی زیادہ استحالہ ہے اور یہ پہلے سے بھی بہت بُرا ہے، اس لیے کہ بندہ جب جانتا ہی نہیں کہ اس کا خالق (پیدا کرنے والا) کون ہے؟ اس کو کس نے شکل وصورت بخشی ہے؟ اس کو روزی دینے والا کون ہے؟ کس نے اس کو حکم دیا؟ اس کو نیکی کا امر دینے والا کون ہے؟ اس کو بُرے کاموں سے منع کرنے والا کون ہے؟ تو نتیجہ یہ ہوگا کہ شک کی صورت میں (کہ میرا خالق کون ہے اور کون میرا رازق ہے؟) اس کا ایمان صحیح نہ ہوگا اور یہ محال اور ناممکن ہے اور اس پر دلیل کہ جو ہم نے کہا صحیح ہے، یہ آیت کریمہ ہے: ''وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ '' (المؤمنون:۹۱) اور اس کے ساتھ کوئی دوسرا خدا نہیں ہے اگر ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق لے جاتا اور یقیناً ان میں سے ایک دوسرے پر باتکلف بلندی چاہتا، تو بطریق ضرورت معلوم ہوگیا کہ صانع ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور اس کا کوئی مثل نہیں (جل جلالہٗ)۔

Marfat.com

چوتھا قول

''ضد'' اور ''ند'' کا بیان

جان لو کہ اللہ تعالیٰ ضد اور ند سے پاک ہے۔

زیادہ بہتر ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے اضداد و انداد سے پاک ہونے کی بحث اور گفتگو شروع کرنے سے پہلے ہم یہ جان لیں کہ ضد اور ند کسے کہتے ہیں؟

ضد کسے کہتے ہیں؟

ضد کی تعریف یہ ہے کہ وہ اپنی ضد (مقابل ذات) کے منافی ہو' جب اللہ تعالیٰ کے لیے ضد ہوگی تو اس کے لیے اپنی ضد کی موجودگی میں باقی رہنا ممکن نہ ہوگا لہٰذا جس کے لیے ضد ہو وہ خدا نہیں ہوسکتا تو ثابت ہوا کہ خدا ضد سے پاک ومنزہ ہے۔

ضد کہاں پائی جاتی ہے؟

ضد کا حکم عرض میں ثابت ہوتا ہے اور عرض میں ضد پائی جاتی ہے۔ جواہر' ذوات اور نفوس میں ضد نہیں پائی جاتی اور اللہ تعالیٰ عرض نہیں کہ اس کے لیے ضد ہو۔

اضداد کا وجود صرف اعراض میں کیوں ضروری ہے؟

اضداد کا وجود صرف اعراض میں اس لیے ضروری ہوتا ہے کہ ضد کا اپنی ضد کے ساتھ ایک ہی ساعت میں ایک محل میں باقی رہنا متصور نہیں ہے مثلاً رات کا دن کے ساتھ' بیماری (مرض) کا تندرستی (صحت) کے ساتھ' سیاہی کا سفیدی کے ساتھ (جو کہ آپس میں ضد یں ہیں) ایک وقت میں ایک محل میں ممکن اور متصور نہیں ہے۔

ہاں! ایک عین کا عین کے ساتھ باقی رہنا جائز ہے اور اسی طرح جوہر کی بقاء دوسرے جوہر کے ساتھ ایسے ہی نفس اور ذات ایک دوسرے کے ساتھ باقی رہ سکتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اعیان محل کے محتاج نہیں تو ہر عین اور جوہر اپنی شکل اور اپنے دائرہ میں ہوں گے جب کہ اعراض محل کے محتاج ہیں اور بغیر محل کے نہ باقی پائی جاتی ہیں اور نہ باقی رہ سکتی ہیں۔ پھر

Marfat.com

جب محل ایک عرض میں مشغول ہے تو اس محل میں دوسرے عرض کا احتمال نہیں اور اگر دوسرا عرض طاری ہوگا تو وہ پہلے عرض کے زوال کا موجب اور باعث بن جائے گا جیسے سفیدی کپڑے میں عرض ہے تو ناممکن ہے سیاہی سفیدی کے ساتھ رہے' اسی ساعت اسی عین میں اس لیے کہ ایک عرض طاری ہوگی تو دوسری جو اس کی ضد ہے یقیناً زائل ہو جائے گی تو ثابت ہو گیا کہ اضداد فقط اضداد میں ثابت اور متصور ہو سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ عرض نہیں تو اس کے لیے اضداد ہوں یہ بھی جائز نہیں۔

اللہ تعالیٰ ''ند'' سے پاک ہے

ند کسے کہتے ہیں؟ ند سے مراد شکل' مثل' جنس و شبہ ہے اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہیں' اس لیے کہ اگر اس کے لیے مثل یا نظیر ہو' دو حال سے خالی نہیں' یا قدیم ہوگا یا حادث' اگر قدیم ہے تو دو حال سے خالی نہیں' یا اس کے ساتھ متصل و ملازم ہوگا یا اس سے یا مبائن (جدا) و منفصل ہوگا اور اتصال وحدت کو واجب کرتا ہے تو ایک ہوا اور اس کی نظیر ثابت نہ ہوئی اور انفصال تحدید کو واجب کرتا ہے اور تحدید سرے سے وصفِ الوہیۃ ہی کی نفی کرتی ہے (یعنی تحدید معبود اور خدا ہونے کے منافی ہے) تو ثابت ہوا کہ دو قدیم نہیں ہو سکتے۔

اور اگر وہ ''ند'' حادث ہے تو وہ قدیم کی مثل اور نظیر نہیں ہو سکتا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
''لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَّهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ'' (الشوریٰ:11) اس جیسا کوئی نہیں اور وہی سنتا دیکھتا ہے یعنی اس کی مثل کوئی شئی نہیں ہے۔

نظیر کس کی ہو سکتی ہے؟

علاوہ ازیں اس لیے کہ نظیر جنس کی جہت سے ہوتی ہے یا پھر صورت کی جہت سے ہوتی اور یہ جائز نہیں کہ اس کی جنس ہو' اس لیے کہ جنس ایسی دو چیزوں کے درمیان ہوتی ہے' جو صوری اور معنوی لحاظ سے متفق اور ایک ایسی ہوں اور اللہ تعالیٰ کی صورت نہیں کہ کوئی متفق ہو' لیکن معنیً تو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات میں منفرد اور یکتا ہے' کوئی اس کے موافق اور شریک نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات قدیمہ ہیں اور دوسرے کی صفات حادث ہیں' لہٰذا حادث و قدیم میں موافق کیونکر ہو سکتی ہے؟ اس معنی کے لحاظ سے ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ واحد ہے نہ اصل عدد سے اور نہ جنس عدد سے اس لیے کہ اس کے لیے جنس نہیں کہ ایک کو گن کر

Marfat.com

اس کے ساتھ ملایا جائے اور شمار کیا جائے' اس سے نہ وہ قابل شمار اور گنتی ہے' اس لیے کہ اس کا ثانی نہیں تو ثابت ہوا کہ نہ اس کی جنس ہے اور نہ نوع۔

اعتراض: اگر کہا جائے کہ کیا یہ بات نہیں اللہ تعالیٰ شَیٔ ہے؟ اور عالم بھی شے ہے تو شیئیت (شے ہونے) کے ناطے اور حوالے سے جنسیّت ثابت ہوگئی۔

جواب: اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ عقل کا تقاضا تو یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ پر ''نفس'' اور ''شے'' کا لفظ نہ بولا جائے' اللہ تعالیٰ کے لیے ان الفاظ کا اطلاق کرنا جائز نہیں مگر دلیل سمعی (شرعی دلیل) یعنی قرآن مجید اور حدیثِ مبارکہ سے نفس اور شے کا اطلاق ثابت ہے۔

اور شرعی مسئلہ ہے کہ جو صفات متشابہہ دلیل سمعی سے ثابت ہوں ہم پر لازم ہے کہ اسے مانیں اور اس پر ایمان لائیں لیکن اس کی تفسیر ہم نہیں کرتے اور خصم اگر دلیل سمعی سے کچھ کہے تو ہم اس پر ایمان لائیں گے اور اگر نص کا انکار کرے یا سماع کا تو اس کو کوئی حق نہیں کہ ہم پر وہ چیز وارد کرے جس پر ہمارا ایمان نہیں تو ان سے مناظرہ اثباتِ وحی اور شرع کے ساتھ کرنا چاہیے' جس کو کوئی متغیّر نہ کر سکے تو ثابت ہوا کہ صانع کے لیے جنس نہیں اور جب اس کی جنس نہیں تو اس کا کوئی نظیر اور مثل نہیں اور یہ بھی جائز نہیں کہ اس کے لیے از روئے صورت کے کوئی نظیر ہو۔

صورت کسے کہتے ہیں؟

صورت سے مراد ترکیب و تالیف اور تقطیع ہے' صورت کے یہ معنی مراد لینے پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلیل ہے: ''فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ'' (البقرہ: ۲۶۰) ''ای قَطِّعْهُنَّ'' یعنی ان کو قطع کرو اور قطع (کاٹنا' ٹکڑے کرنا) مرکب و مؤلف (جمع کرنا) محتاج ہیں' مُقطِّع (کاٹنے والا)' مرکّب اور مؤلِّف کی طرف اور ان کا قدیم ہونا صحیح نہیں تو جو کچھ ہم نے کہا ثابت ہوگیا۔

اعتراض: اگر کہا جائے کہ نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ''اِنَّ اللّٰہ تعالٰی خَلَقَ اٰدَمَ علٰی صورتہ'' کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ ایک روایت میں ہے: ''عَلٰی صُوْرَۃِ الرَّحْمٰن'' کہ رحمٰن کی صورت پر پیدا فرمایا' ان احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صورت ہے۔

Marfat.com

جواب: ہم کہتے ہیں کہ ہاں! یہودیوں نے بھی ایسے ہی کہا تھا۔

اور اس کے کئی جواب ہیں: (۱) تمام انسان نطفہ سے پیدا ہوئے ہیں اور آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ان کی صورت پر بغیر نطفہ کے پیدا فرمایا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک آدمی کے پاس سے گزرے، وہ اپنے غلام کے چہرہ پر مار رہا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ اللہ تعالیٰ تیرا منہ بُرا کرے اور ان کا چہرہ بھی بگاڑ دے جو تیرے چہرہ کے مشابہ ہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنے غلام کو مارے تو چہرے پر نہ مارے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ان کی صورت پر پیدا فرمایا اور مستحق وعید اس لیے ہوا کہ اس نے انبیاء کرام کو گالی دی کیونکہ اس نے کہا: اللہ تعالیٰ اس کا چہرہ بُرا کرے جو شکل وصورت میں تیرے مشابہ ہو۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو دنیا میں لغزش کے بعد اسی صورت پر بھیجا جو صورت لغزش سے پہلے تھی، صورت بدل کر دنیا میں نہیں بھیجا۔ آپ کی صورت کو نہ بگاڑا نہ بدلا، وہی صورت جو لغزش سے پہلے تھی باقی رکھی اور اب بھی ویسی ہی ہے بخلاف ابلیس، سانپ، مور کہ ان سب کی صورت اور آواز مسخ کر کے ان کو بھیجا۔

اور ''علی صورۃ الرحمٰن'' کا جواب یہ ہے کہ اس صورت پر آدم علیہ السلام کو بھیجا جو صورت اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے خاص کر لی تھی۔

اعتراض: اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضور نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب کو بہترین صورت میں دیکھا، تو اس سے بھی خُدا کے لیے صورت ثابت ہوئی۔

جواب: یہ ہے کہ میں بہترین صورت میں تھا کہ اپنے رب کو دیکھا، اس لیے کہ عرب کہا کرتے تھے: ''رَاَیۡتُ فُلَانًا رَاکِبًا'' میں نے فلاں کو دیکھا اس حال میں کہ میں سوار تھا یا وہ سوار تھا۔ ''راکبًا'' دونوں سے حال واقع ہوتا ہے۔

بعض نے اس کا جواب یہ بھی دیا ہے کہ رِبّی (رکے زیر کے ساتھ) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے غلام کا نام تھا تو معنی یہ ہوا میں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے غلام رِبّی کو بہترین صورت میں دیکھا اور بعض نے کہا رُبی راء پر پیش پڑھیں تو جنات

Marfat.com

کے تابع کو کہتے ہیں' وہ مجھ پر رکاوٹ پیدا کرنا چاہتا تھا' اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس کے شر سے محفوظ رکھا۔

ایک جواب یہ بھی ہے کہ ''رب'' کے معنی سیّد کے ہیں اور مراد یہاں جبریل علیہ السلام ہیں' معنی یہ ہوئے کہ میں نے جبرئیل کو بہترین صورت میں دیکھا' اس پر دلیل یہ آیت کریمہ ہے: ''اُذْکُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّکَ'' ''اَیْ عِنْدَ سَیِّدِکَ''۔

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''رَأَیْتُ رَبِّیْ فِیْ سِلْکِ الْمَدِیْنَةِ وعلیه حلةٌ حمراء وَفِیْ رِجْلَیْهِ نَعْلَانِ حرارتان ''میں نے اپنے رب (سردار) کو مدینہ کے گلی کوچوں میں دیکھا اور اس پر سرخ جوڑا تھا' اس کے پاؤں میں نری کی جوتیاں تھیں۔

ابوہریرہ سے کہا گیا کہ ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے ہو؟ اس لیے کہ رب چلنے پھرنے سے منزہ اور پاک ہے' ابوہریرہ مسکرا دیئے اور فرمایا: حسین ابن علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کو دیکھا تو ثابت ہوا کہ ''رب'' سے مراد سیّد ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''رب'' سے مراد سیّد ہے اور ''سیّد'' سے مراد جبریل ہیں۔

اعتراض: اگر کہا جائے کہ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تجلّی فرمائے گا' ایسی صورت میں کہ اہلِ مَوقف اس کو نہیں پہچانیں گے' پھر دوسری صورت میں تجلّی فرمائے گا تو اہلِ مَوقف اللہ تعالیٰ کو پہچان لیں گے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی صورت ہے۔

جواب: یہ ہے کہ صورت سے مراد صفت ہے' تجلّی جس صفت میں تھی اہل مَوقف نہ پہچان سکے' جب دوسری صفت میں تجلّی فرمائے گا تو پہچان لیں گے' کیا آپ دیکھتے نہیں عموماً کہا جاتا ہے: اس امر کی یہ صورت ہے' اس مسئلہ کی یہ صورت ہے' اس حادثہ کی یہ صورت ہے؟ یہاں صورت سے مراد صفت ہے ایسے ہی حضور ﷺ نے صورت فرما کر صفت مراد لی ہے اس لیے کہ دنیا میں بندے اللہ تعالیٰ کو جود و کرم' عفو و درگزر کی صفات سے پہچانتے ہیں' قیامت میں اللہ تعالیٰ سیاست اور عدل وانصاف کو ظاہر فرمائے گا جیسے انشقاقِ قمر اور ستاروں کا گرنا وغیرہ تو بندے عرض کریں گے: ان

Marfat.com

صفتوں سے ہم نہیں پہچانتے' ان صفات سے ہم نہیں پہچان سکتے۔ پھر اللہ تعالیٰ دوسری صفت سے تجلی فرمائے گا کہ اہل موقف پہچان لیں گے۔ وہ صفت احسان' عفو وکرم' مغفرت ہے جس کے ساتھ اہل موقف اللہ تعالیٰ کو پہچان لیں گے' لہٰذا جو تم نے کہا وہ صحیح نہیں۔

دلیل کہ اللہ تعالیٰ کی صورت نہیں

دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ'' (الحشر:۲۴) وہی ہے اللہ پیدا کرنے والا' بنانے والا اور ہر ایک کو صورت دینے والا' اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو مُصَوِّر فرمایا ہے اور جو مصوَّر واؤ کے زبر کے ساتھ پڑھے گا' وہ کافر ہو جائے گا' اس لیے کہ مصور کا محتاج ہوگا تو وہ قدیم نہ ہوگا۔

تو جو ہم نے کہا' درست ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صورت نہیں بلکہ مصوِّر ہے (صورت بنانے والا) اور اس کی نہ مثل ہے' نہ نظیر' نہ ضد ہے' نہ ند ''لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ'' (الشوریٰ:۱۱)۔

پانچواں قول

اینیّت کا بیان

اینیّۃ میں لوگوں کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض جہمیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر مکان میں موجود ہے اور جہمیہ نے ان آیات سے استدلال کیا ہے:

(۱) پہلی آیت ''وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ'' (الزخرف:۸۴) اور وہی آسمانوں میں خدا ہے اور وہی زمینوں میں خدا ہے۔

(۲) دوسری آیت ''وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ'' (الانعام:۳) اور وہی اللہ ہے آسمان اور زمینوں میں۔

(۳) تیسری آیت: ''اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ'' (النحل:۱۲۸) بے شک

Marfat.com

اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے جو ڈرتے ہیں اور جو نیک کام کرتے ہیں۔

(۴) چوتھی آیت: "مَا یَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَةٍ اِلَّا ھُوَ رَابِعُھُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا ھُوَ سَادِسُھُمْ" (المجادلہ: ۷) جہاں کہیں تین شخصوں کی سرگوشی ہو تو چوتھا وہ موجود ہے اور پانچ کی ہو تو چھٹا وہی ہوتا ہے۔

ان آیتوں کا جواب یہ ہے:

پہلی آیت کا جواب یہ ہے کہ آسمان اور زمین والوں کا ایک الہ (معبود ہے)۔

دوسری آیت کا جواب یہ ہے کہ آسمان وزمین اللہ تعالیٰ کی تدبیر ہے۔

تیسری آیت کا جواب یہ ہے کہ یعنی مدد ونصرت اور توفیق کے ساتھ۔

چوتھی آیت کا جواب یہ ہے کہ یعنی اللہ تعالیٰ ان کی گفتگو کو سنتا ہے اور ان کے افعال کو دیکھتا ہے، ہم ان آیتوں کا یہ مطلب لیتے ہیں۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ہر مکان میں ہے تو معاذ اللہ وہ حیوانات کے مونہوں میں ہے اور کتوں کے منہ میں اور معاذ اللہ عورتوں کی شرم گاہوں میں بھی ہے اور لونڈیوں کی اندام نہانی میں اور یہ کفر قبیح ہے، بدترین کفر ہے، نہایت شنیع وغلیظ اور گندی بات ہے۔

جہمیہ اور معتزلہ کا نظریہ

جہمیہ اور معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے اور اس کے اور عرش کے درمیان ہوا ہے اور انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ جسد ہے لیکن جسد کا مطلب انہوں نے نہیں بیان کیا اور یہ کفر ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہوگا تو یہ موجبِ تحدید ہے اور تحدید موجب تصویر ہے اور یہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

فرقہ متقشفہ

فرقہ کرامیہ کی ایک شاخ متقشفہ ہے، وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عرش پر قرار پکڑا۔

یہ حضرات اپنے دعویٰ پر استدلال کرتے ہیں اس روایت سے جسے کلبی نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس آیت "الرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی" (طٰہٰ: ۵) کی تفسیر میں فرمایا: اللہ نے عرش پر استقرار پکڑا، ایک روایت میں "امتلا العرش منه" "عرش اللہ تعالیٰ سے بھر گیا" کے الفاظ بھی آتے ہیں کہ عرش اس سے بھر گیا۔

Marfat.com

جواب یہ ہے کہ ''اِسْتَقَرَّ الْعَرْشُ مِنْ خَشْیَتِہٖ '' کہ عرش نے خشیت الٰہی سے قرار پایا اور ٹھہر گیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے سوال کیا گیا: ''ایْنَ کان ربُّنا قبلَ ان یَخْلُقَ الْعَرْشَ؟ ''حضرت علی نے فرمایا: ''ایـن سوال عن المکان؟ کان اللّٰہُ ولا مکان وھُوَ الْاٰن کما کَان '' کہ لفظ ''این'' مکان کے بارے میں سوال کے لیے آتا ہے اور اس وقت بھی تھا جب مکان نہ تھا اور وہ ''الآن کما کان'' اب بھی ایسا ہی ہے جیسے پہلے تھا۔

حضرت مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے آیت ''الرَّحْمٰنُ علی الْعَرْش اسْتَوٰی'' (طٰہٰ:۵) کی تفسیر پوچھی، امام مالک نے فرمایا: ''استوی'' غیر مجہول ہے اور کیفیت غیر معقول ہے اور اس پر ایمان واجب ہے اور سوال اس سے بدعت ہے، آپ نے فرمایا: میں تجھ کو (سائل) گمراہ سمجھتا ہوں اور آپ نے حکم دیا کہ یہ شخص گمراہ ہے، اس کو یہاں سے نکال دو، چنانچہ اس کو وہاں آپ کے پاس سے نکال دیا گیا اور کچھ نہ کہا یعنی معاف کر دیا پھر اچانک معلوم ہوا کہ سوال کرنے والا جہم ابن صفوان تھا۔

توحید تین قسم کی ہے

حضرت امام جعفر ابن محمد الصادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: توحید تین قسم پر ہے، معلوم ہونا چاہیے: اللہ تعالیٰ جل شانہ، کسی شئی میں نہیں، اور کسی شئی سے نہیں اور کسی شئی پر نہیں۔

امام اعظم ابوحنیفہ کا ارشاد مبارک

ابو مطیع بلخی نے فرمایا کہ میں نے حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا: اس شخص کے بارے میں جو یہ کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ اللہ کہاں ہے؟ تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اس کی تکفیر کی جائے گی اس لیے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو ہر مکان کے ساتھ متصف کیا ہے۔

ابو مطیع نے کہا: کیسے تکفیر کی جائے گی؟ فرمایا: اس لیے کہ اس نے نص کے خلاف کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''الـرَّحْمٰنُ علی الْعَرْش اسْتَوٰی'' (طٰہٰ:۵) ابو مطیع نے کہا: کس طرح استویٰ فرمایا؟ آپ (امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: ''امنوا بھا کما جاء'' جس طرح قرآن مجید میں وارد ہوا اس پر ایمان لاؤ اور جواب یہ ہے کہ وہ ''الٰہ'' تھا اور مکان نہ تھا۔

Marfat.com

ابوشکور سالمی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فرماتے ہیں: جائز ہے کہ امام اعظم حضرت سیّدنا ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس لیے تکفیر فرمائی ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت سے جاہل رہا' جب ہی تو کہا: ''لَا اَدْرِیْ'' اور جو معرفت الٰہی سے جاہل ہے وہ کافر ہے۔

دوسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اینیۃ (مکانیت) کا اعتقاد رکھتا ہو اور وہ یہ نہیں جانتا کہ جو اللہ تعالیٰ کے لیے اینیّۃ کا اعتقاد کرے وہ کافر ہے۔

روئیدادِ مناظرہ

ابوشکور سالمی کا فرقۂ متقشفہ کے ساتھ مناظرہ کی روئیداد

مصنف (ابوشکور سالمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فرماتے ہیں: میں نے متقشفہ کے ساتھ اس مسئلہ میں مناظرہ کیا' مجھ سے اس نے پوچھا۔

سائل: اللہ تعالیٰ موجود ہے؟

مجیب: میں نے جواب دیا کہ بے شک وہ موجود ہے لیکن اور موجودات کی مثل نہیں۔

سائل: پھر اس نے سوال کیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس عالم اور مخلوقات کو پیدا کیا تو اپنے اوپر پیدا کیا یا آگے؟ دائیں یا بائیں؟ یا نیچے؟ اور یہ جائز نہیں کہ کہا جائے: عالم صانع کے اوپر ہے یا اس کے مقابل ہے اس لیے کہ یہ واجب کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے عقل میں محدود ہو جانے کو۔

مجیب: جواباً ہم نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ فوق العالم ہے' ارشاد خداوندی ہے: ''وَهُوَ الْقَادِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ'' (الانعام:۱۸) وہ ہی اپنے بندوں پر غالب ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ عالم سے پہلے موجود تھا' تو ہم کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ محدود ہے یا غیر محدود ہے؟ کیونکہ اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ محدود ہے تو تم نے صانع نہیں پہچانا' اس لیے کہ محدود مقدور ہے اور مقدور مصنوع ہے اور مصنوع صانع نہیں۔

اللہ جسم اور جوہر نہیں ہے

اس کے علاوہ ہم کہتے ہیں کہ جسد جسم اور جوہر کے لیے ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے اور جب ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ غیر محدود ہے تو تمہارا سوال باطل ہو گیا' اس لیے کہ جب اس کے لیے حد و نہایت نہیں تو اس کو فوق وتحت (اوپر' نیچے) کے ساتھ موصوف نہیں

Marfat.com

کر سکتے اور اصح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صانع العالم ہے اور وہ نہ عالم میں ہے اور نہ عالم سے خارج ہے' اس لیے کہ اگر ہم کہیں کہ عالم میں ہے تو عالم سے چھوٹا ہوگا اور اس کا مکان وظرف میں ہونا لازم آئے گا تو یہ کفر ہے اور اگر ہم کہتے ہیں کہ وہ عالم سے خارج ہے' پھر سوال پیدا ہوا کہ متصل بالعالم ہے یا منفصل عن العالم؟ تو اگر پہلی شق پر بات کرتے ہیں اور اس کو متصل بالعالم مانتے ہیں تو وہ جنس عالم سے ہے اور وہ عالم ہوا اور عالم مع اجناس مصنوع ہوا' صانع نہ ہوا۔

اور اگر ہم کہیں کہ عالم سے مبائن ومنفصل ہے تو بینونت سے مراد قطع اور فصل ہے اور یہ واجب کرے گا تحدید کو اور محدود مقدور ہے اور مقدور صانع نہیں ہوتا' اس لیے ہم نے کہا کہ صانعِ عالم بلا اینیّۃ اور بلا کیفیت ہے۔

چھٹا قول

ماہیت کا بیان

جب تم کسی شئ کی پہچان کرنا چاہو تو سب سے پہلے اس کی ماہیت کو معلوم کرو' پھر اس کی کمیت (تعداد) وکیفیت کو دریافت کرو' اس کے بعد اس کی اینیّت کو دریافت کرو' لیکن صانع جل شانہ' کی معرفت ان معانی کے بغیر حاصل ہوتی ہے اور وہ ذات ''ھـــــل'' (کیا) اور ''مـا'' (کیا) اور ''کیف'' (کیسے) اور ''متی'' (کب) اور ''این'' (کہاں) اور ''لِـم'' (کس لیے) سے مستغنی اور بے نیاز ہے۔

خدا بے نیاز ہے

دلیل: یہ جو ہم نے کہا کہ وہ ''ھل' ما' این' متی' کیف اور لم'' سے مستغنی اور بے نیاز ہے' یہ اس لیے کہ ہر حادث مصنوع ہے اور محدث وصانع سے مستغنی نہیں ہے اور شئ کی ھلّیت و ماہیت سے سوال کی احتیاج وہاں ہوتی ہے جب کہ اس کے ثبوت کے لیے کوئی دلیل نہ ہو یا باوجود آیات کے بھی معلوم نہ ہو اور اللہ تعالیٰ معلوم ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ تمام عالم کا

Marfat.com

صانع اور پیدا کرنے والا ہے۔ اپنی آیات' قدرت اور دلائل صنعت سے وہ معلوم ہے لہٰذا وہ محتاج نہیں کہ سوال کیا جائے اور ہم کہیں: ''ھل'' ہو؟ اور نہ وہ اس کا محتاج ہے کہ ہم یہ کہیں کہ ''ما ھو''؟

ماہیت کسے کہتے ہیں؟

اس لیے کہ ماہیت عبارت' جسم و جوہر و عرض سے یہ اشیاء حادث ہیں اور صانع عالم جل مجدہٗ حادث نہیں ہے۔

تو ہم نہیں کہ سکتے کہ ''ماھو؟'' اور نہ یہ جائز ہے کہ ہم کہیں ''کم ھو''؟ اس لیے کہ کمیت واجب کرتی ہے اعداد کو اور عدد واجب کرتا ہے اجناس کو اور یہ محدثات کی صفات ہیں اور صانع کی کوئی جنس نہیں تو ہم نہیں کہہ سکتے ''کم ھو؟'' اور یہ کہنا بھی جائز نہیں کہ ''کیف ھو؟'' اس لیے کہ کیفیت' ماہیت اور کمیت دلوں کے ساتھ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے منزہ ہے اور یہ بھی کہنا جائز نہیں کہ ''لم ھو؟'' کہیں اس لیے کہ لمیّۃ طلبِ علّت ہے' اس کے اثبات کے لیے اور علت اختصاص کے لیے اور تخصیص واجب کرتی ہے' جنسیّت کو یہاں تک کہ دو جنسوں میں سے ایک کو خاص کریں علت سے اور احد الجنسین اس علت سے مخصوص ہو جائے گی' اس لیے کہ جائز ہے کہ اس کی جنس خاص و عام ہونے میں اس کی مثل ہو اور صانع کے لیے کوئی جنس نہیں یہاں تک کہ وہ اپنی اجناس سے تخصیص کے لیے علّت کا محتاج ہو' اس لیے کہ علت جائزات (ممکنات) میں ہوتی ہے اور اثبات صانع بلا علت واجب ہے اور تمام ادیان مسئلہ ماہیت سے نکلے ہیں۔

علت کسے کہتے ہیں؟

فلاسفہ کہتے ہیں: صانع علت ہے مگر قدیم کے لیے نہیں اس لیے کہ مصنوعات کی علّت اس کا صنع ہے اور یہ کفر ہے' اس لیے کہ علّت لغت میں اس حال کو کہتے ہیں جو محل میں حلول کر کے اس کے تغیّر کا موجب بنے یعنی حال کے حلول کی وجہ سے محل متغیر ہو جائے۔

اور باری تعالیٰ عزاسمہٗ کا حلول کسی شئی میں جائز نہیں تو صانع کو ''علّت'' کہنا جائز نہیں' یہ کہنا بھی جائز نہیں کہ ہر شئی کی علّت اس کا صنع ہے' اس لیے کہ صنع اس کی صفت ہے جو جدا نہیں ہو سکتی اور کسی محل میں حلول نہیں کر سکتی اور یہ بھی جائز نہیں کہ وہ علت ہو۔

Marfat.com

فرقہ مشبہہ کا ماہیت کے بارے میں نظریہ

بعض مشبّہہ کہتے ہیں کہ باری تعالیٰ نور ہے چمکدار۔ اس آیت سے دلیل لاتے ہیں: ''اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'' (النور: ۳۵) اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''یَا نُورَ النُّورِ'' اے نور کے نور! اور ارشادِ خداوندی ہے: ''اِنِّی اٰنَسْتُ نَارًا'' (النمل: ۷) میں نے ایک آگ دیکھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''ذلک نور ربّ العزة''۔ ہم نے کہا کہ آیت اور حدیث میں ''نور'' بہ معنی منور (روشن کرنے والا) ہے۔ بعض نے کہا: نور بہ معنی ہادی ہے اور رہا ابن عباس کا فرمانا کہ ''نُورُ رَبِّ الْعِزَّةِ'' تو اضافت ایسی ہی ہے جیسے ''ناقةُ اللّٰہِ، بَیْتُ اللّٰہِ'' میں ہے۔

متقشفہ اور نظریۂ ماہیت

متقشفہ کہتے ہیں کہ صانع جوہر موجود قائم بذاتہٖ ہے۔

جو موجود قائم بذاتہٖ ہو اس کا جوہر ہونا ضروری ہے، یہ صحیح نہیں، اگر کوئی اس کا اعتقاد رکھے تو کافر ہے، اس لیے کہ جوہر کے لیے شکل و دائرہ ہوتا ہے اور اندرونِ دائرہ اس سے مزاحم ہوتا ہے اور اس کی شکل و محل غیر سے مزاحم ہوتی ہے۔

پھر جوہر کی تعریف یہ ہے کہ جو غلظ و تعمّق (موٹاپے اور گہرائی) کی صفت سے متصف ہو اور اللہ تعالیٰ اس سے منزہ و پاک ہے کہ اس میں غلظ و عُمق (یعنی موٹائی اور گہرائی) ہو اور عمرو بن صفوان (جو بصرہ میں ہوئے ہیں) نے کہا: اللہ تعالیٰ ایک کیفیت ہے، جنت میں رؤیت کے وقت ظاہر ہوگی اور یہ کفر ہے اور ان کے ساتھ مناظرہ کا حق یہ ہے کہ ان سے پوچھو کہ جوہر جب کہ زندہ ہے تو بتاؤ کہ مذکر ہے یا مؤنث؟

اور تانیث صفات نقص سے ہے تو واجب ہوا کہ مذکر ہو اور جب مذکر ہوگا تو ضروری ہے کہ اس میں تمام صفات مذکر ہونے کی موجود ہوں، مردوں کا سا جمال، ڈاڑھی، مونچھ، آلۂ تناسل، خصیتین وغیرہ سب چیزیں پائی جانی چاہئیں، جیسے بعض کرامیوں نے تمام صفات خدا کے لیے ثابت کی ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کو ان صفات سے موصوف کرے وہ عارف باللہ نہیں ہے، اپنے قول میں کافر ہے۔

Marfat.com

متقشفہ اور بعض حشویہ کا مسلک

بعض حشویہ اور متقشفہ کہتے ہیں کہ صانع جسم ہے اور جسموں کی طرح ہے۔

حشویہ کے نزدیک جسم کی تعریف

ان کے نزدیک جسم کی تعریف یہ ہے: جسم اس کو کہتے ہیں جو اپنے وجود میں منفرد ہو اور محل سے مستغنی ہو۔

ہم نے کہا کہ تم نے جسم کی جو تعریف بیان کی ہے یہ تعریف نہ سماعاً ثابت ہے اور نہ اجماع سے اس کا ثبوت ملتا ہے اور امت وائمہ میں سے کسی نے یہ تعریف نہیں کی اور اس کا فساد نص سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسم جنس کا اطلاق کیا اور اس کی طرف اشارہ کیا' جس کے لیے ترکیب وتالیف تجزیہ وتبعیض ہے تو جائز نہیں کہ صانع کو جنس کہا جائے۔

اعتراض: اگر کہا جائے کہ شئ جسم ہو اور اس کی ترکیب وتالیف نہ ہو کہ شئ متجزی' جب ایک ایک جز جدا ہو اور بعض بعض ہو جائے جو محسوس ہو یہاں تک کہ تجزیہ کرتے کرتے اس حال میں ہو جائے کہ اس کی تجزی نہ ہو سکے تو جسم ہو گا مگر مرکب ومؤلف نہیں اور قابل تجزی نہیں تو ''جز لا یتجزیٰ'' ہو گیا۔

جواب: ہم نے کہا کہ یہ جز اگرچہ قابل تجزی نہیں اس لیے کہ بوجہ صغر (چھوٹا ہونے کی وجہ سے) کے تجزی نہیں ہو سکتی لیکن جس کی تجزی ہو سکتی ہے اس کی جنس سے ہے اور اگر تنصیف نہیں ہو سکتی لیکن اس میں آدھا آدھا ہو جانے کا احتمال اور گنجائش تو ہے۔

اب سنو! ہر وہ شئ جس کے لیے جنس ہو تو ضروری ہے کہ اس کے لیے قطع اور فصل ہو تو وہ محدود ہو گا اور ''اِلٰہ'' ہونے کی صلاحیت نہ ہوگی' پھر وہ جز جس کی تقسیم نہیں ہو سکتی کم از کم نقطہ ہو گا اور اس کے لیے اس کی مثل جنس ہے اور دو نقطے جب جمع ہو جائیں تو مادہ مثل الف کے بن جائے گا اور اس کی مثل کا بھی احتمال ہے جانب ثانی اور ثالث ورابع میں تو پھر شکل بن جائے گا یا دائرہ تو نقطۂ اول اگرچہ قابل تجزی نہیں مگر وہ اصل اشکال ترکیب ہے تو جائز نہیں کہ صانع ''جز لا یتجزیٰ'' ہو یا جسموں کی طرح ایک جسم ہے۔

طبائعہ (نیچریہ) کہتے ہیں: صانع وہ طبع وہوا ہے' اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

Marfat.com

منجمہ کا نظریہ

منجمہ کی بارہ شاخیں ہیں اور یہ حضرات کہتے ہیں کہ صانع فلک ہے۔ بعض کہتے ہیں: فلک ایک ہے اور بعض کہتے ہیں: دو ہیں' پچیس تک ہر ایک نے اپنے اپنے اعتقاد اور عقیدہ کے مطابق افلاک میں سے ہر ایک کا الگ الگ نام رکھا ہوا ہے۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ خیر' شر' سعد' نحس انہی مخصوص ناموں میں سے ہیں۔

بعض نے فلک اثر نام رکھا ہے اس لیے کہ اسی سے تاثیر ہے۔ بعض نے مدبّر نام رکھا ہے کہ انتظام و تدبیر اسی سے ہے اور بعض نے محیط نام رکھا ہے کہ ہر شئی کو گھیرے ہوئے ہے اور بعض نے اس کا نام فلک اعظم رکھا اور بعض نے فلک اعلیٰ اور ان کا ذکر ہو چکا ہے۔

فرقۂ تناسخیہ کا مسلک

تناسخیہ کہتے ہیں کہ صانع روح ہے اور اس کی تین قسمیں ہیں: (۱) کلی (۲) ایک جزئی (۳) ایک مواصلی۔

جزئی وہ ہے کہ جو حیوانات سے متصل ہے اور اس سے حیات' سمع' بصر' عقل و قوت پیدا ہوتے ہیں۔

اور مواصلی وہ نفس ہے جو روح سے متصل ہے جیسے خبر' کل سے متصل ہے' حیات اس کے سبب سے باقی رہتی ہے اس لیے کہ کل سے جز کی طرف حیات پہنچاتی ہے' جب انسان مر جاتا ہے تو جز کل کی طرف لوٹ جاتی ہے اور یہ کفر ہے' ان سب کا جواب پہلے دے دیا گیا' اس لیے کہ جائز نہیں کہ صانع متجزی یا کسی شئی میں حلول کرے۔

اور بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ قدیم نہیں بلکہ قدیم وہ ہے جو اس سے پہلے ہے' اس کا اسم ''الاوّل'' ہے' اس پر دلیل ''ھو الاوّل'' ہے اس لیے کہ ''اوّل'' کے ساتھ ''ھُوِیت'' کا ذکر کیا ہے اور یہ اشارہ عین سے عین کی طرف ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اس سے پہلے ''اوّل'' تھا اور ''اوّل'' نے اللہ کو پیدا کیا اور پھر اللہ نے تمام چیزوں کو پیدا کیا اور فعل، صنع و تکلم وغیر سب کو پیدا کیا ہے۔ ''فرقہ الاوّلائیہ'' کا نظریہ ذکر ہوا ہے جو سراسر بدترین کفر ہے۔

Marfat.com

''ھو الاوّل'' کی دلیل کا جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ھو الاوّل '' اس سے ارادہ کیا ہے ''علی سبیل المغائبۃ'' اور ذکر بر طریقِ غائب تعظیم و احتشام کے لیے ہے اور یہ ایسے ہی ہے جیسے تم بھی کہتے ہو کہ ''اِنّا اَنزَلنا الیک الذِّکر'' (النحل:۴۴) اور ہم نے آپ کی طرف ذکر نازل کیا۔ یہاں جمع کے طور پر ذکر فرمایا اور یہ سب کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ جمع نہیں اور وہاں تفرقہ نہیں تو جس طرح یہ صیغۂ جمع نہیں بلکہ واحد ہے جو معظم لنفسہ کے طریق پر استعمال ہوتا ہے تو ایسے ہی یہاں ''ھو الاوّل'' بھی ''ھو'' تعظیم کے لیے ہے۔

اللہ کی خالقیّت کے بارے مجوسیوں کا عقیدہ

مجوسیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ خیر اور شر دونوں کا خالق (پیدا کرنے والا) الگ الگ ہے' گویا کہ ان کے نزدیک دو خدا ہیں' ایک بُرائی کو پیدا کرتا ہے اور دوسرے نے خیر اور نور کو پیدا کیا' چنانچہ مجوسیوں نے کہا کہ خیر و نور کو پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اس کا نام ''یزداں'' ہے اور شر بُرائی اور تاریکی کا پیدا کرنے والا ابلیس ہے' اس کا نام ''اَہرَمَن'' ہے اور یہ کفر ہے اس لیے کہ ابلیس کا خالقِ شر ہونا اگر مان لیا جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کا ''الٰہ'' ہونا صحیح نہیں ہوگا اس لیے کہ جب وہ شر کا ارادہ نہیں کرتا اور نہ وہ خالق شر ہے لیکن وہ اس پر تو قادر ہے کہ ابلیس کو شر کے پیدا کرنے سے روکے اور بمقتضائے حکمت واجب ہے ملک کو ان باتوں سے محفوظ رکھے' جن باتوں کا وہ ارادہ نہیں کرتا اور اپنی ذات سے ان مقالات قبیحہ کو روکے اور کفر و شرک کو اپنے نفس سے منع کرے اور جب وہ قادر بھی ہے کہ اپنے ملک کو ناپسندیدہ چیزوں سے اور مقولاتِ قبیحہ سے روکنے کی اس کو قدرت ہے اور پھر نہیں روکتا تو سفاہت اور بے وقوفی ہے اور اگر وہ ابلیس کو روکنے سے عاجز ہے تو قادر نہ ہوا اور بھی جواب ہے (جو اصل میں فرقۂ قدریہ کا رد بھی ہے)۔

فرقۂ قدریہ کا نظریہ الوہیّت و خالقیّت

قدریہ فرقہ والے یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ بندے اپنے افعال کے خالق ہیں' (ان کی تردید یہ ہے کہ) اگر بندہ کسی چیز کے پیدا کرنے پر قادر ہوتا تو اپنا مثل پیدا کر لے یا اپنے لیے مال پیدا کر لے اور جب وہ اپنی مثل اور مال پیدا کرنے پر قادر نہیں تو ایسے ہی تمام اشیاء

Marfat.com

بکے پیدا کرنے سے عاجز ہے۔

فرقۂ ثنویہ کے دو خدا ''لا ھی'' اور ''لا ھو'' ہیں

ثنویہ فرقہ کے ماننے والے کہتے ہیں کہ خنزیر (سور) کا پیدا کرنے والا اللہ ہے اور وہ ''لا ھـی'' ہے جب کہ شر کا پیدا کرنے والا اس کا غیر ہے اس کا نام ''لا ھـو'' ہے' اس کا جواب پہلے دیا جاچکا ہے۔

یہودیوں اور عیسائیوں کا عقیدۂ الوہیت

یہودیوں نے کہا کہ حضرت عزیر اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں: حضرت مسیح اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور یہ کفر ہے' اس کا مفصل بیان ان شاء اللہ عنقریب ہم کریں گے۔

اباحیہ اور ممانعیہ فرقوں کا نظریہ

اباحیہ اور ممانعیہ کہتے ہیں کہ بندہ جب غایتِ محبت کو پہنچتا ہے اور اللہ کی عبادت حقیقۃً کرتا ہے تو اللہ اس میں حلول کر جاتا ہے' اس وقت اس کا نام ''ربانی'' ہو جاتا ہے پھر وہ کائنات کے علم جانتا اور غیب کو جانتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُونَ'' (آل عمران: ۷۹) یعنی تم اللہ والے ہو جاؤ اس سبب سے کہ تم کتاب سکھاتے ہو اور اس سبب سے کہ تم کتاب پڑھتے ہو' اور یہ کفر جلی ہے کسی پر مخفی نہیں۔

حلویہ' مانویہ' حقانیات (جو کہ بلادِ ترک میں پائے جاتے ہیں) فرقوں کے عقائد و نظریات حلویہ' مانویہ اور حقانیات بلادِ ترک سے ہیں' یہ حضرات کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر شاہد میں حلول کیے ہوئے ہیں۔

بعض روافض کا عقیدہ

روافض کی ایک شاخ ہے جسے غالیہ کہا جاتا ہے' انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم میں حلول کیا' پھر آسمان کی طرف لوٹ گیا اور یہ کفر ہے۔

Marfat.com

ساتواں قول

مُتَرَبِّی (یعنی مُدَّعیِ ربوبیّت) کا بیان

مسئلہ: مخلوق میں سے جو شخص مدعیِ ربوبیّت (یعنی خدائی کا دعویدار) ہو اور بغیر سحر و جادو کے خوارق عادات دکھائے اور مخلوق اس کی مثل لانے سے عاجز ہو' آیا یہ جائز ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے یا نہیں؟

جواب: بعض اہل علم نے فرمایا کہ یہ بات خدا کی طرف سے جائز نہیں وہ کسی شخص کو ایسے کھلے بندوں چھوڑ دے کہ وہ خدائی دعوے کے ساتھ شعبدہ بازیاں کرے اور لوگوں کو سحر و جادو کے بغیر خوارقِ عادت اُمور دکھائے کہ مخلوق عاجز آ جائے اور اس کا مقابلہ نہ کر سکے اس لیے کہ دیکھنے والے کو شبہ ہو جائے گا کہ یہ جادو کے بغیر ایسے اُمور دکھا رہا ہے تو اس پر حق و باطل مشتبہ (گڈمڈ) ہو جائے گا اور اگر وہ خوارق عادات دیکھ کر ایمان لے آئے اور اس کی ربوبیّت کا اقرار کرے تو وہ معذور ہو گا حالانکہ یہ بات جائز نہیں۔

اور عام فقہاء نے فرمایا: بمقتضائے حکمت جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو جو ربوبیّت کا دعویٰ کرتا اور خوارق عادت افعال دکھاتا ہے اور لوگ اس جیسی چیز لانے سے عاجز ہوں کیونکہ اس میں مخلوق کا امتحان اور آزمائش ہے۔

دلیلِ جواز: قصۂ فرعون ہے کہ اس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور اشارہ سے پانی کو جاری کر دیا' وہ پانی جاری ہوا سخت اور نرم ریگستان کی زمین میں اور اشارہ سے اس کو روک بھی دیتا تھا یا حدیثوں میں آیا ہے کہ دجّال آخر زمانہ میں ظاہر ہو کر خدائی کا دعویٰ کرے گا اور درخت' پتھر' پانی' مٹی' گھاس' پھل وغیرہ جو چیز بھی اس کو دیکھے گی اس کا اقرار کرے گی اور دجّال کے استدراجی کرشمے ایک مسلمان عاقل کو شبہ میں نہیں ڈال سکیں گے اور کسی عاقل پر یہ امر مخفی نہیں کہ یہ کذّاب ہے اور خدا نہیں ہو سکتا' یہ آدمی کی طرح کھاتا' پیتا ہے' کلام کرتا ہے' اس کے کلام حروف و صوت ہیں (نیز یہ کانا ہے) تو وہ یقیناً جانتا ہے' جسم ہے' مصور و مرکب ہے' اس

Marfat.com

کے ہم جنس اور بہت ہیں تو اس کو شک نہیں ہونا چاہیے کہ یہ مُتَـرَبّی (خدائی کا دعویٰ کرنے والا) نہ خالق ہے، نہ رازق ہے تو پھر شک کیوں ہو۔

سوال: یہ ہے کہ اس میں حکمت کیا ہے؟

جواب: ہم کہیں گے کہ یہ امتحان و ابتلاء ہے اور بندوں کی آزمائش مطلوب ہے، اس لیے کہ ہر عاقل بالغ اعتقاد رکھتا ہے کہ وہ حق و صواب پر ہے، خالص دین اللہ تعالیٰ کا ہے اور یہ جہاں امتحان گاہ ہے، دنیا آزمائشوں کا گھر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری آزمائش کے لیے اس کو یہ قدرت دی ہے تاکہ سچے اور جھوٹے کا فرق ظاہر ہو جائے تاکہ صادق اپنے صدق کو جان لے اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھے کہ اس نے اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے۔

اور کاذب (جھوٹا) اپنے کذب کو جان لے اور یہ کہ حجت تمام ہونے کے بعد عذاب دیا جائے گا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو عذاب نہیں دیتا جب تک اس پر حجت نہ اتارے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عدل ہے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ اجمعین

Marfat.com

چوتھا باب

صفاتِ الٰہیہ کا بیان

مہتدی ابوشکور سالمی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے، قدیم ہے، اپنی صفات کے ساتھ موصوف ہے۔

اور یہ کہنا جائز نہیں کہ قدیم مع صفاتہ، اس لیے کہ ''مع'' کا لفظ دو چیزوں کے درمیان مقارنت کے لیے آتا ہے اور صفت موصوف کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں کہ یوں کہا جائے صفت و موصوف علیحدہ علیحدہ دو چیزیں ہیں۔

سوال: اگر کوئی کہے کہ صفت شئ ہے؟ یا غیر شئ؟ پس اگر ہم کہیں کہ صفت شئ نہیں تو موصوف ''لاشئ'' کے ساتھ کیسے موصوف ہوگا؟ اور اگر کہیں کہ صفت بھی شئ ہے اور یہ شئ غیر موصوف ہے تو پھر یہ جائز نہیں کہ یہ بھی قدیم ہے۔

جواب: یہ ہے کہ ''صفتِ شئ'' ہے، ہم یہ نہیں کہتے کہ شئ ہے یا غیر شئ ہے۔

سوال: یہ ہے کہ صفت قدیم ہے یا غیر قدیم؟

جواب: یہ ہے کہ صفتِ قدیم ہے، اس لیے کہ ذات موصوف ہے وہ قدیم ہے، اپنی صفات کے ساتھ اور یہ کہنا جائز نہیں کہ صفات قائم بذاتہٖ ہیں، لیکن ہم یہ کہیں گے: اس کی ذات موصوف بصفاتہٖ ہے اور یہ کہنا جائز نہیں کہ اس کی صفات قائم بذاتہٖ ہیں موصوف بالوصف ہے، بلکہ ہم کہیں گے کہ وہ موصوف بالصفت ہے اس لیے کہ وصف واصف کی صفت ہے اور وہ موصوف ہے، قبل اس کے کہ اس کی صفت بیان کرے اور یہ کہنا بھی جائز نہیں کہ وہ قدیم بجمیع صفاتہٖ ہے اس لیے کہ جمع اور افتراق اس کی صفات میں جائز نہیں، تو ہم یوں کہیں گے: قدیم بصفاتہٖ ہے اور بعض لوگوں نے صفات ونعوت کا بالکل انکار کر دیا، انہوں نے کہا: صفت ونعت وہ ذاتِ باری تعالیٰ تو

Marfat.com

ہیں نہیں تو ضروری ہوا کہ ذات کا غیر ہوں اور جب غیر ہوں گی تو یا قدیم ہوں گی یا حادث ومحدث اور یہ ہو نہیں سکتا کہ حادث ومحدث ہوں اس لیے کہ پھر یہ کہنا پڑے گا کہ حادث ومحدث قدیم میں حلول کیے ہوئے ہیں اور یہ کفر ہے۔

اور معتزلہ نے کہا کہ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ صفت ونعت قدیم ہیں اس لیے کہ اگر صفات قدیم ہیں تو پھر یہ کہنا واجب ہوگا دو یا تین یا اس سے بھی زیادہ قدیم ہیں اور یہ ''تعدُّد قُدَماء'' محال ہے' انہوں نے پھر کہا کہ اللہ تعالیٰ حیّ' قادر' علیم' سمیع' بصیر' مرید بذاتہٖ ہے۔

معتزلہ نے مزید کہا کہ یہ جائز نہیں کہ اس لیے کہ وہ اِلٰہ ہے' رب ہے' صانع ہے اور جب صانع کا عالم ہونا ثابت ہو گیا تو یہ مقتضی ہے کہ تمام اشیاء کو جانے اور تمام احوال کو تمام اوقات اور تمام اماکن (جگہوں) کو جانے اور جب وہ تمام اشیاء کو جانتا ہے تو تمام اشیاء اس کی معلوم ہوئیں اور بغیر علم کے ناممکن ہے کہ شے عالم کی معلوم بنے' اس لیے کہ معلوم مقتضی علم ہے' لامحالہ تو ثابت ہوا کہ علم سے اس کا معلوم ہے۔ پس واضح ہو گیا کہ نفی علم مستلزم ہے نفی عالم کو اور اثبات علم اثباتِ عالم کو مستلزم ہے' اللہ تعالیٰ پر تو ہم نے کہا: صحیح ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے عالم وقوفِ علم جب معلوم پر ہوتا ہے تو معلوم اس کا معلوم بنتا ہے اور جب علم ہی نہ ہو گا تو معلوم بغیر وقوف کیسے معلوم بن جائے گا؟ اور جب معلوم پر وقوف علم نہ ہوا تو وہ کسی شے کو نہ جانے گا تو ثابت ہوا کہ عالم کا علم جب معلوم پر واقفیّت پاتا ہے تو وہ معلوم بنتا ہے اور جب وقوفِ علم علی المعلوم نہ ہوا' عالم نہ ہوا اور جب عالم نہ ہوا تو صانع نہ ہوا اور یہ محال ہے۔[1]

اعتراض: اگر کہا جائے باری تعالیٰ جل شانہٗ تمام اشیاء کو بالذات جانتا ہے اور تمام معلومات اس کے معلوم بذاتہٖ ہیں تو کہنا یہ ہے کہ ذات عالم ہے تو نفی صفات موجبِ نفی ذات نہ ہوئی۔

جواب: ہم جواب میں کہیں گے کہ عالم اگر تمام اشیاء کو بالذات جانتا ہے تو معلومات اس کے بالذات ہوئے تو ذات علم ہو گی اور علم ہی ذات ہو گی' اس لیے کہ معلوم معلوم

---

[1] تو ثابت ہوا کہ جب عالم کا علم معلوم پر واقفیت پالیتا تو وہ معلوم بن جاتا ہے اور جب وقوف العلم علی المعلوم نہ ہو گا تو وہ عالم نہ ہو گا اور جب عالم نہ ہو گا تو صانع نہ ہو گا اور یہ باطل ہے۔

(۱۲ ابوالبرکات)

Marfat.com

نہیں ہوتا بغیر اس پر وقوف کے اور بغیر علم کے تو ہر وہ شئی کہ جس کے ساتھ معلوم کا وقوف ہو وہ عالم ہے۔ پھر اگر کہا جائے کہ صانع صفت سے موصوف ہے تو یہ کہنا پڑے گا کہ دو، تین یا اس سے بھی زیادہ قدیم ہیں اس لیے کہ صفت حادث ومحدث تو ہو نہیں سکتی اور اگر ہم کہیں کہ قدیم ہے تو اس صورت میں دو، تین اور اس سے بھی زیادہ قدیم ثابت ہو جائیں گے۔

ہم نے کہا کہ یہ لازم نہیں آتا، اس لیے کہ ہم نے تو یہ کہا ہے کہ صفت موصوف کا غیر نہیں ہے کیونکہ صفت عرض نہیں اور جب عرض نہیں تو موصوف کا غیر کہنا صحیح نہیں اور موصوف کا غیر نہیں تو اس کے ثابت کرنے میں دو تین قدیموں کا ثابت کرنا لازم نہیں آتا اور کبھی ہوتا ہے کہ صفت صفت ہو اور عرض نہ ہو جیسے کہ یہ جائز ہے کہ ذات موجود ہے اور جوہر نہیں تو جب ذات جوہر نہیں ہو سکتی تو صفت عرض نہیں ہو سکتی تو صفت کے قدیم ماننے سے متعدد قدیموں کا ماننا لازم نہیں آیا۔

حیات یا قدرت یا علم یا سمع یا بصر ہو کیونکہ یہ اشیاء اس کے لیے ان صفات سے موصوف ہونے کی علت ہو جائیں گی اور یہ جائز نہیں کہ اس کے لیے علت ہو یا اس کی صفت علت پھر دو حال سے خالی نہیں یا موصوف ہوگا یا غیر ہوگا اور یہ دونوں محال ہیں۔

اہل سنت و جماعت کا مسلک

اور اہل سنت و جماعت نے کہا کہ اللہ تعالیٰ موصوف ومنعوت ہے، ازل سے ابد تک یعنی ہمیشہ سے موصوف ومنعوت ہے اور ہمیشہ موصوف ومنعوت رہے گا۔

پھر ہم (اہل سنت و جماعت) کہتے ہیں کہ صفاتِ باری نہ ذات ہیں اور نہ غیر ذات بلکہ یہ اس کی صفات ہیں۔ اس کا بیان یہ ہے کہ صفت اگر غیر موصوف ہے تو بذاتہٖ قائم ہوگی، اس لیے کہ شئی جب کسی شئی کے ساتھ قائم ہوگی تو اس کے ساتھ تمکن (جگہ اور گنجائش نکال کر) اور حلول کے ساتھ قائم ہوگی جیسے عرض جوہر میں ہوتی ہے اور جس کے لیے حلول وتمکن جائز ہوگا تو انتقال اور نزول بھی جائز ہوگا اور یہ حادث کی صفت ہوتی ہے تو ثابت ہوا کہ صفت موصوف کا غیر نہیں اور لیکن ہم نے جو کہا کہ صفت موصوف نہیں ہے اس لیے کہ اگر

Marfat.com

صفت وہی موصوف ہے تو یہاں تک پہنچا دے گا کہ دو خدا ہوں یا تین یا زیادہ اس لیے کہ موصوف صانع ہے اور وہ علم‘ قدرت‘ حیات وغیرہا صفات کے ساتھ موصوف ہے تو جب صفت وموصوف ایک ہوئے تو صفت صانع ہو جائے گی۔

تو پھر علم بھی صانع اور حیات بھی صانع‘ قدرت بھی صانع اور ہر صفت علیحدہ علیحدہ صانع ہوگی اور یہ محال ہے‘ تو پھر صحیح ہوا کہ صفات عین موصوف نہیں ہیں اور نہ وہ غیر موصوف ہیں تو اس معنی کے اعتبار سے ہم نے کہا کہ صفت ذات نہیں اور نہ صفت غیر موصوف ہے۔

معتزلہ اور مسئلہ صفاتِ باری تعالیٰ

معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی صفت نہیں تو ہم کہیں گے کہ صفت کی نفی کرنا موصوف کی نفی کرنا ہے‘ اس لیے کہ صانع اگر عالم نہیں تو وہ اشیاء اور احوال کو بھی نہیں جانتا اور جو کسی شئی کو پیدا کرے اور وہ نہیں جانتا کہ کس کو پیدا کیا؟ اور وہ موصوف بالجہل ہوگا اور موصوف بالجہل صانع نہیں ہوسکتا تو یہ محال ہے۔ پس ضروری ہوا کہ صانع‘ عالم ہوتا کہ جائز و صحیح ہو۔ میں نے کہا: جب وہ ایسا فعل کرے جو سقوطِ عدالت کا موجب ہے تو وہ فاسق ہو گیا۔ پھر اللہ عزوجل اس پر وحی نازل فرمائے‘ اسی فسق کی حالت میں تو وہ ایک فاسق آدمی پر نازل ہوگی تو معاذ اللہ رسول فاسق ہوا‘ میں نے یہ بھی کہا کہ جو شخص ”لا الہ الا اللّٰہ “ پڑھتا ہے اور اعتقاد اس کے خلاف ہے‘ اس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا: وہ مؤمن ہے۔

میں نے کہا: تمہارا دین نہیں ہے مگر یہ کہ تمہارا رب ناقص اور رسول فاسق اور مؤمن منافق اور سنو! اللہ و رسول ان خرافات سے پاک ومنزہ ہیں تو وہ متحیر ہو گیا اور چپ رہا‘ کلام نہ کرسکا اس لیے کہ باطل حق کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ ”الحق یَعْلُو وَلَا یُعْلٰی “حق غالب ہوتا ہے‘ مغلوب نہیں ہوتا۔

تو ان دلائل سے ثابت ہوا کہ صفت نہ عین ذات ہے اور نہ غیر ذات اور جب یہ بات ”علم“ (صفت علم) میں ثابت ہوگئی تو جمیع صفات میں بھی ثابت ہوگئی‘ جیسے قدرت‘ حیات‘ سمع‘ بصر وغیرہ میں کہ نہ یہ عینِ ذات ہیں نہ غیر ذات۔ واللہ تعالیٰ اعلم

Marfat.com

دوسرا قول

صفاتِ ذاتیہ اور صفاتِ فعلیہ کا بیان

ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ صفاتِ ذاتیہ قدیم ہیں اور وہ درج ذیل آٹھ صفات ہیں: حیات، قدرت، علم، کلام، سمع، بصر، ارادہ، قدم اور ان کے سوا تمام صفات مقتضیاتِ قدرت وعلم ہیں اور جو تحتِ قدرت ہیں وہ سب صفاتِ فعلیہ ہیں، حادث ہیں۔

متقشفہ کا مسلک

متقشفہ جو کرامیہ کا ایک گروہ ہے، کہتا ہے کہ صفاتِ ذاتیہ قدیم ہیں اور وہ پانچ ہیں: حیات، قدرت، علم، سمع، بصر اور ان کے سوا نعوت ہیں، صفات نہیں اور یہ محدث ہیں اور بعض نے کہا کہ حادثہ ہیں اور یہ عقیدہ کفر ہے، محال ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ان کے زعم کے مطابق ان صفات کے حدوث سے پہلے ناقص ہوگا اور ان صفات کے حدوث کے بعد کامل ہوگا اور صفت زائد ہوگی اور جس کا یہ عقیدہ ہو کافر ہے۔ اس لیے کہ حدوث واحداث موجب تغیر ہے کہ ایک صفت دوسری صفت کی طرف متغیر ہو جائے اور ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پھر جائے اور اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ پر تغییر جائز نہیں۔

مصنف کا حشویہ سے مناظرہ

امام مہتدی ابوشکور سالمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے حشویہ فرقہ (جو کرامیہ میں سے ہے) کے ساتھ مناظرہ کیا، میں نے ان سے کہا: صانع اور اس کی صفات فعلیہ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا: وہ حادثہ محدثہ ہیں۔ میں نے کہا کہ صانع اس صفت کے حدوث سے پہلے ناقص ہوگا اور یہ محال ہے۔

دوسرا سوال میں نے انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں کیا۔ میں نے پوچھا: بتاؤ! انبیاء کرام وحی سے قبل معصوم تھے یا نہیں؟ اس نے کہا: قبل وحی نبی ہی نہ تھے اور نہ ہی ان

Marfat.com

چیزوں سے معصوم تھے جن سے عدالت ساقط ہو جاتی ہے۔

تحقیق مسئلہ

مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تخلیقِ کائنات سے پہلے بھی تھا اور اب بھی ویسا ہی ہے جیسا تھا' نہ گھٹا نہ بڑھا تو بے شک ابتدائے آفرینش میں بھی وہ اس صفت کا مستحق ہے' پیدا کرنے سے پہلے بھی مستحق تھا اور وہ یہ کہ اگر ہم یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات کے وجود سے خالق نہ تھا تو یہ مقتضی ہوگی اور چاہے گی کہ بندوں کے معرضِ وجود میں آنے سے پہلے وہ معبود بھی نہ ہو اور بندوں کے موجود ہونے سے پہلے ''الٰہ'' بھی نہ ہو اور مرئیات (دکھائی دینے والی اشیاء) کے وجود سے پہلے وہ بصیر بھی نہ ہو اور معلومات کے پائے جانے سے پہلے وہ عالم بھی نہ ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کی ربوبیّت کی نفی واجب ہوگی اور یہ صریح کفر ہے۔

اعتراض: اگر کہا جائے کہ جب تک فعل کا ثبوت نہ ہو' اس صفت کے ساتھ کسی کو موصوف نہیں کیا جا سکتا جیسے جولاہا (بافندہ) یا درزی اور اسی کی مانند جب تک سینا نہیں سیکھتا اور یہ عمل نہیں کرتا' اس کو اس صفت (سینے یا بُننے) سے موصوف نہیں کریں گے۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ جب اس نے درزی کا کام سیکھا اور یہ کام جانتا ہے مگر کام ترک کر دیا تو اس کو درزی کہا جائے گا' اسی صفت اور نام سے اس کو یاد کیا جائے گا' اس لیے کہ وہ اس کام کی قدرت اور علم رکھتا ہے' اسی طرح صانعِ عالم جل شانہٗ (جہاں کا پیدا کرنے والا) عالمِ قادر تھا جب کہ مخلوق ابھی پیدا نہ ہوئی تھی۔

ایسی ایک مثال دیکھیں کہ اگر کوئی مارنے کے لیے تلوار بنائے تو قطع وضرب (مارنے کاٹنے) سے پہلے اس کو ضارب و قاطع کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں ضرب و قطع (مارنے اور کاٹنے) کی صلاحیت ہے تو ایسے یہاں سمجھ لیجئے کہ کسی چیز کو پیدا کیا یا نہ کیا' وہ ہمیشہ سے خالق ہے۔

اعتراض: اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے خالق ہے تو یہ مقتضی ہے کہ مخلوق بھی ہمیشہ سے ہو؟ اس لیے کہ صفت خالقیت تخلیق سے ہے تو لامحالہ تخلیق کا تقاضا ہے کہ مخلوق پائی جائے تو عالم ودہر کا قدیم ہونا لازم آئے گا اور یہ محال ہے کہ عالم ودھر قدیم ہو۔

جواب: یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے جو تم نے ذکر کیا' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ صفت خالقیت کے ساتھ

Marfat.com

موصوف ہے۔

تیسرا قول

اس کا بیان کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے خالق ہے

اہل سنت و جماعت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے خالق ہے' وہ صفت خالقیت اور دیگر صفاتِ ذاتیہ اور صفاتِ فعلیہ سے موصوف ہے۔

اشعریہ اور کرامیہ کا مسلک

اشعریوں اور کرامیوں نے کہا کہ جب تک مخلوق کو پیدا نہ کرے وہ خالق نہ ہوگا اور یہ کفر ہے۔

اور ہم (اہل سنت و جماعت) کہتے ہیں باری عزّ اسمہٗ خالق ہے اور ہمیشہ سے صفت خالقیت سے موصوف ہے' اسی طرح تمام صفات مثلاً صفت خالقیت' رزاقیت وغیرہ سے موصوف ہے' مخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے بھی خالق اور اب بھی خالق ہے' اس لیے خالق فاعل و صانع کا موصوف ہونا قادر و عالم ہونا اور مُرید ہونا ضروری ہے کہ وہ عاجز نہ ہو اور جو صفت کو جانتا ہے اور بنانے پر قادر ہے اگرچہ اس نے اپنی صفت کا اظہار نہ کیا ہو اس کو اس صفت سے موصوف ماننا ضروری ہے' خصوصاً جب کہ وہ صیغہ مخصوص ہو اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں تکرار نہیں ہوتی کہ ہم یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک یہ کام کیا اور اس سے فارغ ہو کر دوسرا کام شروع کیا اور جب وہ کسی صفت کا اظہار کرے تو اس کو موصوف مانا جائے اور جب صفت کا ظہور نہ ہو تو اس کو موصوف نہ کیا جائے' اللہ تعالیٰ اس سے منزہ و پاک ہے' اس کو شغل و فراغت کے ساتھ موصوف کرنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی اس کو تکرار و اعادہ ایسی صفات سے موصوف کیا جا سکتا ہے۔

ہم یوں کہیں گے: اللہ تعالیٰ فاعل ہے' ایک ہی فعل سے اور جمیع مفعولات ایک ہی فعل کے مفعول ہیں اور یہ فعل اس سے زائل نہیں ہوا کہ دوسرا فعل پیدا ہوا اور تمام صفات اسی طرح

Marfat.com

ہیں ''اللّٰہ لا یشغله شانٌ عن شانٍ '' یہاں تک کہ اگر اس نے ایک ساعت یا ایک لمحہ میں کسی کو پیدا کیا، کسی کو بخش دیا، یا کسی کو زندہ کیا، کسی کو مارا، کسی کو رزق دیا تو اس کی تمام صفات اثر کرتی ہیں بغیر شغل و فراغ کے، یہ صفات اس کی مراد ہوتی ہیں، اس لیے کہ وہ اسی ساعت میں موصوف بجمیع صفات ہے اور جب اس کو اس صفت سے فراغ نہیں تو پھر زوال صفت واجب نہیں ہوتا، اس لیے کہ وہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف متغیر نہیں ہوتا، لیکن تاثیرِ صفت اس وقت ظاہر ہوگی جب وہ پیدا کرلے گا اور تخلیق سے قبل خالقیت ہے، تاثیر کا ظہور نہیں ہے۔ اسی طرح صفت صانع کو سمجھنا چاہیے اور دلیل یہ ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وَاللّٰهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ '' (البقرہ:۲۰۲) اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت سرعتِ حساب بیان فرمائی ہے اور حساب قیامت میں ہوگا تو حساب سے قبل اسمِ صفت کا اثبات صحیح ہوا تو ایسے صفتِ خالقیت خَلق (پیدا کرنے) سے قبل ثابت کرنا جائز ہے۔

مناظرہ

ابوشکور سالمی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے ایک اشعری سے مناظرہ کی روئیداد

حضرت ابوشکور سالمی فرماتے ہیں: ایک اشعری سے میرا مناظرہ ہوا، اس نے کہا: تمہارا وضو اور نماز کیا ہے؟ سنو! تمہارے ہاں وضو اور نماز یہ ہے کہ ایک شخص پرنالہ کے نیچے بیٹھ جائے اور چہرہ، دونوں ہاتھ، سر اور دونوں پاؤں تر ہوجائیں تو پھر اٹھ کر کبوتر کی بھیٹ بچھائے اور اس پر کھڑا ہو جائے اور فارسی زبان میں کہے: ''اے خدائے بزرگ'' یعنی ''اللہ اکبر'' اور فارسی مین ایک آیت پڑھے اور کہے: ''دو برگ سبز'' یعنی ''مدھامتان'' پھر رکوع و سجود خاموشی سے کرے اور مقدارِ تشہد بیٹھ جائے اور بیٹھے بیٹھے گوز مارے (ہوا خارج کر دے)، یہ تمہاری نماز ہے۔

ابوشکور سالمی فرماتے ہیں کہ یہ بات دراصل اس (اشعری) نے سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) پر طعن کے طور پر کہی۔ میں نے اس کو جواب دیا کہ تم عقیدہ رکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے پیدا کرنے سے قبل نہ خالق تھا، نہ رازق تھا، نہ معبود تھا اور اسی طرح مخلوق سے پہلے نہ گناہ بخشنے والا تھا اور نہ ثواب و عقاب دینے والا اور رسول معاذ اللہ نہ اب رسول ہے، نہ قبل وحی رسول تھا اور مؤمنین کا گناہ سے ایمان کم ہوجاتا ہے اور معبود تم

Marfat.com

جس کو معبود کہتے ہو تو معبود و رب نہ تھا' اب مخلوق پیدا ہونے کے بعد وہ معبود ہے اور رسول رسول نہ تھا' پھر رسول ہوا از اں بعد معزول ہو گیا اور مؤمن کے ہنسنے سے اس کا ایمان کم ہو گیا' اسی قدر کافی ہے عبادت سے۔

چوتھا قول

اللہ تعالیٰ کے علم کا بیان

جہمیہ جو معتزلہ ہی کی ایک شاخ ہے' کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ پیدا کرنے سے پہلے کسی شئ کو نہیں جانتا اور وہ معدوم کو بھی نہیں جانتا' یہ کفر ہے اس لیے کہ اگر وہ پیدا کرنے سے پہلے اشیاء کو جانتا نہیں تو جب وہ کسی شے کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو کس طرح پیدا کرے گا اور کیسے جانے گا کہ اس کو پیدا کروں اور کتنی پیدا کروں اور کب پیدا کووں اور کیسے پیدا کروں؟ تو اس عقیدہ میں خدا کا الوہیّت سے معطّل ہونا لازم آتا ہے اور یہ کفر ہے اور صحیح یہ ہے کہ اللہ عزوجل کامل طریقے سے ہر چیز کو جانتا ہے' پیدا کرنے سے پہلے ہو خواہ بعد اور تمام معدومات وموجودات کو جانتا ہے۔

ہمارا یہ کہنا کہ موجودات کو پورے اکمال واتمام کے ساتھ جانتا ہے' اس میں تو کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

اور ہمارا یہ کہنا کہ وہ معدوم کو بھی جانتا ہے یعنی من حیث المعدوم جانتا ہے کہ یہ معدوم ہے اور وہ جانتا ہے کہ معدومات میں سے کون عدم سے وجود میں آئے گی اور وہ کیسی ہو گی؟

اللہ تعالیٰ معدوم کو بھی جانتا ہے

دلیل: یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ معدوم کی خبر نہ دیتا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے معدوم کی خبر دی ہے اور یہ بھی خبر دی ہے کہ وہ معدوم جب موجود ہو گا تو اس کی کیفیت کیا ہو گی؟ چنانچہ فرمایا: ''اِنَّ زَلْـزَلَةَ السَّـاعَةِ شَیْءٌ عَـظِیْمٌ'' (الحج:۱) بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی سخت چیز ہے اور فرمایا: ''وَتَـرَی الـنَّـاسَ سُـكَـارٰی وَمَـا هُـمْ بِسُـكَـارٰی وَلٰـكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِیْدٌ''

Marfat.com

(الحج:۲۱) اور آپ لوگوں کو نشے کی حالت میں گمان کریں گے حالانکہ وہ نشے میں نہیں ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہوگا اور اپنے رسول مکرم ﷺ کو خبر دی تو فرمایا: ''لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ'' (الفتح:۲۷) اللہ تعالیٰ نے چاہا تو تم پرامن طریقے پر ضرور مسجد حرام میں داخل ہوں گے' تو جیسی خبر دی ویسا ہی ہوا۔ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ اشیاء کو وجود میں لانے سے پہلے جانتا ہے اور یہ بات مخلوق میں بھی پائی جاتی ہے' مثلاً انسان ذکر کرتا ہے ایک محل کا کہ اس کا طول وعرض اتنا ہوگا' اس کا صحن' اس کی دیواریں' اس کی چھت' اس کے دروازے ایسے ہوں گے' حالانکہ اس محل کا ابھی وجود نہیں' پھر جب محل تیار ہو جاتا ہے تو اس معدوم کے مطابق محل موجود ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حق میں تو بطریقِ اولیٰ ہوگا یعنی اشیاء کے وجود سے پہلے اس کو علم ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ'' (النمل:۶۵) فرمادیں کوئی نہیں جانتا جو آسمانوں اور زمین میں پوشیدہ ہے مگر اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے۔

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد مبارک

امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے جواب میں فرمایا: اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے عالم تھا اور ہمیشہ عالم رہے گا اور وہ عالم الغیب ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ'' (الانعام:۲۸) اور اگر واپس بھیجے جائیں پھر وہی کریں گے جس سے منع کیے گئے تھے اور حضرت نوح علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا: ''وَلَا يَلِدُوْا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا'' (نوح:۲۷) اور نہ ہوگی اولاد مگر بدکار بڑی ناشکر اور اس کے بکثرت نظائر ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ کے علم میں سہو' غلطی اور نسیان ناجائز ہے' اس لیے کہ اگر اس کے علم میں سہو وغلط اور نسیان کا امکان ہو تو آیات واحکام واعمال واخبار سب معطل ہو جائیں' اس لیے کہ ہوسکتا ہے رسالت حضرت علی کو دینی تھی' غلطی سے حضور اقدس (ﷺ) کو دے دی' معاذ اللہ' ثم معاذ اللہ' نیز گناہ تو کیا کسی نے اور غلطی سے سزا دے دی دوسرے کو اور یہ بھی امر محال ہے جو سہو ونسیان خطا وغلطی کا قائل ہو وہ قطعاً کافر ہے۔

ابوشکور سالمی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ایک مجوسی نے مقام ''مرو'' میں مجھ سے سوال

Marfat.com

کیا کہ کافر جب کافر مرا تو کیا اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ یہ کفر کی حالت میں مرے گا؟ میں نے کہا: ہاں! یقیناً جانتا تھا' اس نے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کافر مرے گا تو یہ کافر مرنے سے قبل ایمان لانے پر قادر ہے یا نہیں؟ اگر تم کہو کہ وہ قادر ہے تو علمِ الٰہی میں خطا واقع ہو جائے گی اور اگر کہو کہ وہ قادر نہیں ایمان نہیں لاسکتا تو یہ جبر ہوا۔

میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ یہ کفر کی حالت میں مرے گا اور اللہ تعالیٰ کے علم سے وہ مسلوب القدرت نہیں ہوا بلکہ وہ قادر ہے' ایمان لانے پر جس طرح وہ قادر ہے' کفر پر قدرت موجود ہے' صلاحیت رکھتا ہے کہ ایمان لائے جیسے قدرت اور صلاحیت رکھتا ہے کفر پر قائم رہنے کی' لیکن باوجود قدرت کے ایمان نہیں لایا اور اللہ جانتا ہے کہ ایمان نہیں لائے گا اور اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کو جانتا ہے جیسی اور جس حالت میں وہ ہیں اور اس کے مثل کو بھی وہ جانتا ہے۔

سوال: اگر سوال کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مثل کو جانتا ہے یا نہیں؟ اگر کہو کہ وہ اپنی مثل نہیں جانتا تو اللہ کی طرف جہل کی نسبت ہوئی اور اگر کہو کہ اللہ تعالیٰ اپنی مثل کو جانتا ہے تو تم نے اللہ تعالیٰ کے لیے مثل مان لیا۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ اس کی مثل نہیں اور اللہ تعالیٰ کی نہ شکل وصورت ہے' نہ ضد ہے' نہ ند ہے۔

جہم ابن صفوان سے اسی طرح کا سوال ہوا کہ اللہ تعالیٰ دوزخیوں اور جنتیوں کے انفاس (سانسوں) کی انتہاء وغایت کو جانتا ہے یا نہیں؟ اگر کہو کہ نہیں جانتا تو تم نے اللہ تعالیٰ کی طرف جہل کی نسبت کر دی اور اگر کہو کہ جانتا ہے تو جنت و دوزخ کا فنا کرنا ثابت ہو گیا' تو اس نے اختیار کیا کہ ہاں نہایتِ عدد انفاس اہل جنت واہل نار کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے' اسی بناء پر اس نے کہا کہ جنت ونار فنا ہو جائیں گے۔

اور صحیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اہل جنت واہل نار کے سانسوں کی تعداد کو اور اس کے انتہاء نہ ہونے کو کہ ان سانسوں کی نہایت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

Marfat.com

پانچواں قول

سمع وبصر کا بیان

معتزلہ اور جہمیہ تمام صفات کا انکار کرتے ہیں جیسے سمع، بصر، معتزلہ وجہمیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سمیع وبصیر ہے مگر اس کے لیے سمع وبصر نہیں ہے۔

بعض معتزلہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نہ سمیع ہے، نہ بصیر، نہ رائی، نہ مرئی بلکہ وہ ان تمام صفات کو جانتا ہے۔ ان کا یہ عقیدہ کفر ہے اس لیے کہ انہوں نے نص قطعی کا انکار کیا۔

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک قوم کے پاس سے گزرے، وہ اللہ کو بلند آواز سے پکار رہے تھے، حضور نے فرمایا: اتنی آواز بلند نہ کرو جس کو تم پکارتے ہو وہ نہ غائب ہے نہ بہرا ہے۔ پھر علاوہ ازیں سمع وبصر کی نفی موجبِ ذم ہے۔ اس پر دلیل حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ السلام کا قصہ ہے۔ انہوں نے اپنے والد (چچا آزر) سے فرمایا تھا: ''لِمَ تَعْبُدُ مَالَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا'' تم اس کو کیوں پوجتے ہو جو نہ دیکھے، نہ سنے اور نہ ہی تم کو کسی چیز سے بے پرواہ کرسکتا ہے؟

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي إِلَى اللّٰهِ'' (المجادلہ:۱) بے شک اللہ تعالیٰ نے سنی اس کی بات جو تم سے اپنے شوہر کے معاملہ میں بحث کرتی ہے اور اللہ سے شکایت کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اس نے زمانۂ ماضی میں سنا اور وہ مستقبل میں سنتا ہے اور وہ اب سنتا ہے اور جو اس کا انکار کرے وہ کافر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

چھٹا قول

ارادہ ومشیّت کا بیان

لوگوں نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے۔ قدریہ، معتزلہ، جہمیہ فرقوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ

Marfat.com

شر وقبائح کا نہ ارادہ فرماتا ہے اور نہ حکم دیتا ہے۔

اور بعض کہتے ہیں: سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیّت سے ہے، حسن و قبح، خیر و شر، کفر و ایمان، طاعت و معصیت، پھر خیر و حسن اس کی مشیت و ارادہ سے ہوتا ہے اور قبائح اللہ تعالیٰ کی مشیّۃ سے ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے نہیں ہوتے کیونکہ ارادہ میں محبت و رضا (یعنی پسندیدگی اور خوشنودگی) کا دخل ہوتا ہے (اور اللہ تعالیٰ قبائح سے راضی نہیں)۔

اور بعض کہتے ہیں کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور مشیّت اور قضا سے ہوتا ہے، لیکن قبائح اس کے حکم سے نہیں ہوتے، اس لیے کہ حکم جبر و تسلط کو واجب کرتا ہے اور بعض کہتے ہیں: سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ارادہ و مشیّت سے ہوتا ہے لیکن اس کی مشیّت و ارادہ قرآن کی مانند مخلوق ہیں یعنی بندے کا مشیّت و ارادہ خدا کی طرف مضاف ہوتا ہے یعنی تملیک کے طور پر اس کی نسبت خدا کی طرف ہوتی ہے۔

اہل سنت و جماعت کا مسلک

اہل سنت و جماعت کہتے ہیں: خیر و شر اللہ تعالیٰ کی قضاء، اس کی قدر و مشیّت، ارادہ و علم اور حکم سے ہوتا ہے، پھر خیر و طاعت اس کے امر اور مرضی سے ہوتے ہیں اور شر و معصیت نہ اس کے امر سے ہوتا ہے اور نہ اس کی مرضی سے۔

دلیل یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عمرو بن العاص فرماتے ہیں: ہم حضور اقدس ﷺ کے دربار میں بیٹھے ہوئے تھے، ہم نے ایک آواز سنی کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی آوازیں بلند ہو رہی ہیں، حضور کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں، بہت سے آدمی بھی ان کے ساتھ ہوتے ہیں، حضور دریافت فرماتے ہیں کہ تم دونوں اونچی اونچی کیوں بول رہے تھے؟ تمہاری آوازیں کیوں بلند ہو رہی تھیں؟

ابوبکر عرض کرتے ہیں: حضور! ایک مسئلہ میں گفتگو کرتے ہوئے ہمارا اختلاف ہو گیا، میں یہ کہتا ہوں کہ خیر و شر سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ حضرت عمر عرض کرتے ہیں: حضور! میرا مؤقف ہے کہ خیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور شر بندوں کی طرف سے ہوتا ہے، اب حضور! آپ فیصلہ فرمائیں، ہم میں سے کس کا قول صحیح ہے؟

حضور (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: میں وہ فیصلہ کروں گا جو حضرت اسرافیل نے، جبرئیل

Marfat.com

اور میکائیل کے درمیان کیا تھا۔

اے عمر! جبرئیل تو تمہاری طرح کہتے تھے اور اے ابوبکر! میکائیل تمہاری طرح کہتے تھے۔ جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: ہم نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا تو زمین والے اس مسئلہ میں اختلاف کرتے ہیں، یہاں تک کہ جبرئیل و میکائیل نے حضرت اسرافیل علیہ السلام کو حَکَم بنایا، حضرت اسرافیل نے لوحِ محفوظ میں اللہ تعالیٰ کی قضاء کے مطابق فیصلہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا: اے ابوبکر! تمہارے قول کے مطابق اور اے عمر! تمہارے قول کے موافق حکم نہیں فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: حضور! میں اللہ سے توبہ کرتا ہوں اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور سرورِ کائنات ﷺ سے سوال کیا کہ حضور! اللہ تعالیٰ شر کی قضاء فرماتا ہے، پھر بندوں کو عذاب دیتا ہے۔ حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ'' اللہ تعالیٰ جو کرتا ہے اس سے پوچھا نہیں جاتا اور بندوں سے پوچھا جائے گا۔ خدا تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے اس سے پوچھا نہیں جاتا اور بندوں سے پوچھا جائے گا۔

روایت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

روایت ہے کہ ایک شخص حضرت مولیٰ مشکل کشا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ مجھ کو قدر کی خبر دیجئے؟ فرمایا: اندھیرا راستہ ہے، اس کے بارے میں نہ پوچھ۔ پھر اس نے ایک ساعت چپ رہنے کے بعد یہی سوال کیا کہ مجھ کو قدر کے متعلق خبر دیں، فرمایا: بحرِ عمیق ہے، بڑا گہرا سمندر ہے، اس میں داخل نہ ہو۔ ایک ساعت کے لیے چپ رہا، پھر عرض کی: ''اَخْبِرْنِی عَنِ الْقَدْرِ'' مجھے بتائیے کہ قدر کیا ہے؟ فرمایا: یہ اللہ کا راز ہے، زمین میں اس کو افشا نہ کر۔ پھر ایک ساعت خاموش رہا، پھر یہی سوال دھراتا ہے: مجھ کو قدر کی خبر دیجئے۔ تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے سوال کیا کہ یہ بتا تیری مشیّت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے یا تیری مشیّت اللہ تعالیٰ کی مشیّت کے خلاف جدا ہے؟ تو وہ شخص حیران و ششدر ہو کر عرض کرنے لگا کہ آپ ہی فرمائیے؟ مولیٰ علی نے فرمایا: اگر تو یہ کہے کہ میری مشیّت اللہ تعالیٰ کی مشیّت کے ساتھ ہے تو تو نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشارکت کی اور اگر تو کہے کہ میری مشیّت اللہ تعالیٰ کی مشیّت سے برتر اور اوپر ہے تو تو نے اُلوہیّت کا دعویٰ کیا۔

Marfat.com

اب اس سے تجھ کو معلوم ہو جانا چاہیے کہ تیری مشیّت اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت ہے' یہ سُن کر اس شخص نے توبہ کی اور جب جانے کے ارادہ سے اٹھا تو حضرت علی نے اپنے اصحابِ مجلس سے فرمایا کہ اٹھو! اس سے مصافحہ کرو کہ یہ اب مسلمان ہوا ہے۔

تو اس سے ثابت ہوا کہ جو قدر کا منکر ہے کافر ہے اور حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا: قدریہ میری امت کے مجوسی ہیں' اگر بیمار ہو جائیں تو عیادت و بیماری پرسی نہ کرو اور اگر مر جائیں تو جنازہ کے ساتھ نہ جاؤ اور یہ دجال کا گروہ ہے اور حق ہے اللہ پر کہ ان کو دجّال کے ساتھ ملا دے' اس لیے کہ انہوں نے نص کا انکار کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَمَا تَشَاءُ وْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ'' (التکویر:۲۹) اور تم کیا چاہو مگر یہ کہ چاہے اللہ تعالیٰ سارے جہاں کا رب۔

سوال: یہ ہے کہ اگر ایسا ہی ہے تو پھر یہ ہونا چاہیے کہ اگر بندہ چاہے کہ یہ گھاس سونا بن جائے تو اسے سونا ہو جانا چاہیے' اس لیے کہ تم کہتے ہو: بندہ وہی چاہتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہے۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ بندہ اس طرح چاہے تو بندہ نے ایسا چاہا اور اگر اللہ چاہے کہ گھاس سونا ہو جائے تو یقیناً سونا ہو جائے گا۔

غیلان قدری کا واقعہ

روایت ہے کہ غیلان قدری بصرہ سے کوفہ آیا اور وہاں کے فقہاء سے مناظرہ کیا' غیلان فقہاء پر غالب آ گیا۔ حضرت ابوحنیفہ جوان تھے' حضرت حماد کے ہاں آیا جایا کرتے تھے۔ حضرت حماد نے حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: اے جوان! تم اس شخص کے پاس جاؤ اور اس سے مناظرہ کرو۔

حضرت امام ابوحنیفہ بادشاہ کے دروازہ پر پہنچے اور اندر داخل ہوئے اور بعد ازاں مناظرہ کیا جس میں امام صاحب غالب آئے اور غیلان مغلوب ہو گیا۔ غیلان نے امام صاحب سے درج ذیل سوال کیے۔

غیلان: اے ابوحنیفہ! یہ بتائیے کہ ابلیس نے فرعون سے کیا چاہا؟

امام اعظم: اس نے فرعون سے کفر چاہا۔

Marfat.com

غیلان: موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کیا چاہا؟

امام اعظم: موسیٰ علیہ السلام نے ایمان چاہا۔

غیلان: اللہ تعالیٰ نے فرعون سے کیا چاہا؟

امام اعظم: اللہ تعالیٰ نے فرعون سے کفر چاہا۔

غیلان: آپ نے اللہ تعالیٰ کی مشیت ابلیس کی مشیت کے موافق کر دی اور موسیٰ علیہ السلام کی مشیت کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے موافق نہیں کیا اور چاہیے یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت موسیٰ علیہ السلام کی مشیت کے موافق ہوتی۔

امام اعظم: اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ابلیس فرعون سے کفر چاہے اور اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ موسیٰ علیہ السلام فرعون سے ایمان چاہیں اور اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ فرعون اپنے نفس کے لیے کفر چاہے تو یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوا اور یہ مسئلہ ایک نقطہ کی طرف لوٹتا ہے' وہ یہ ہے کہ کفر و شر دونوں مخلوق اللہ ہیں یا غیر کی مخلوق ہیں؟ تو اگر کہا جائے کہ اللہ کی مخلوق نہیں غیر کی ہیں تو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرا خالق و صانع ثابت کیا' تو اللہ کے ساتھ شرک کر کے کافر ہوا اور اگر کہے کہ کفر و شر اللہ کی مخلوق ہے بغیر اس کے ارادہ و مشیت کے تو پھر یہ اعتقاد کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کے پیدا کرنے میں مجبور و مُکرَہ ہے اور یہ کفر ہے تو ثابت ہوا کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ارادہ و مشیت' قدرت اور قضاء سے ہے اور جو قدر کا انکار کرے کافر ہے۔

ساتواں قول

فضل وعدل کا بیان

معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ صفت فضل و عدل کے ساتھ موصوف ہے' اس میں کسی کا اختلاف نہیں اور نہ ہی اس میں کسی کو شبہ ہے کہ اس کا فضل بغیر میل (جانب داری و جھکاؤ) کے اور عدل بغیر جور و ستم کے ہوتا ہے' ہاں! البتہ اس میں اختلاف ہے کہ عدل و فضل کی تاثیر

Marfat.com

کیا ہے؟

اہل سنت و جماعت نے فرمایا کہ فضل کی صفت اور اس کی تاثیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے زیادتی لطف ہے جو کہ فقط مؤمنین کے لیے ہے' غیر مؤمنین کے لیے نہیں ہے اور وہ (زیادتی لطف) ایمان کے لیے انشراحِ صدر اور ہدایت و رہنمائی ہے اور درست باتوں کو مؤمنین کے دلوں میں ڈال دینا' اس کو قبول کرنے کی صلاحیت دینا اور طاعت وعبادت پر توفیق اور احسان واختصاص کرامت وولایت کے ساتھ یہ سب چیزیں مؤمنین کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے محض فضل اور زیادتی لطف وکرم سے حاصل ہیں' جو غیر کے لیے نہیں ہیں۔

معتزلہ کا مسلک

معتزلہ کہتے ہیں کہ یہ فضل نہیں بلکہ مَیل ہے' اس لیے کہ تمام انسان اللہ تعالیٰ کے غلام اور لونڈی ہیں' بس اگر کسی کو بغیر سبب کچھ عطا فرمائے اور دوسرے کو بلاوجہ محروم رکھے تو یہ اس کے حق میں بخس (نقص) ہوگا اور پہلے کے حق میں میل (جانب داری) ہوگا اور پھر یہ حکمت کے خلاف ہے۔

معتزلہ کے نزدیک صفت فضل کیا ہے؟

ان کے نزدیک صفتِ فضل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو عاقل' مرید' مختار اور فاعل کی صفات کے ساتھ پیدا فرمایا' پھر ان کے لیے دلائل واحکام سے راستہ بیان کر دیا اور یہی ہدایت کے معنی ہیں۔

فضل کسے کہتے ہیں؟

معتزلہ کے نزدیک فضل یہ ہے کہ جو ایمان لایا اور اطاعت کی تو اجر وثواب پائے گا اور جس نے انکار کیا اور نافرمانی کی تو وہ سزا پائے گا اور اس کے سوا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے کچھ نہیں اور صحیح وہی بات ہے جو ہم نے ذکر کر دی ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو تمام مخلوق میں مختص کیا اور چار چیزوں سے ان کو خاص کیا۔

چار خصوصیاتِ انبیاء کرام

اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو چار چیزوں سے خالص کیا:

Marfat.com

(۱) ایک تو یہ کہ ان کے اجساد پاک وطیب مٹی سے گوندھے گئے۔

(۲) اور ان کی روحیں روح القدس سے پیدا کی گئیں۔

(۳) اور تائید وعصمت سے ان کا اکرام کیا۔

(۴) اوور ان کو حلال غیر مشتبہ روزی دی' اس سے بڑھ کر ان کو وحی ورسالت سے فضیلت دی تو جب انبیاء کرام صلوات اللہ علیہم اجمعین کو بغیر علّت وسبب کے زیادہ لطف وتائید اور عصمت ونبوت سے نوازنا جائز ہے تو ان کے غیر کو بھی ان کی قدر سے زیادہ دینا محض فضل اور لطف وکرم سے جائز ہوگا۔

اور ان کا یہ کہنا کہ اگر دوسرے کو منع کرے گا تو بخس (یعنی نقص) ہوگا تو ہم کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ پر بندوں کے لیے کوئی شئی واجب نہیں' اگر وہ کسی کو مال ودولت عطا فرمائے تو یہ اس کا فضل ہوگا بغیر وجوب کے اور جائز ہے کہ کسی کو اپنے ارادہ سے زیادہ بھی عطا فرمادے اور پھر کسی کو کچھ نہ دے اور جو دوسرے کو دیا ہے اس سے منع کرے تو یہ منع واجب کا منع کرنا ہے' یہاں تک کہ اس کو بخس (یعنی نقص) کہا جائے' بلکہ اس سے عدل ہوگا' اس لیے کہ اس پر کچھ واجب نہیں اور اس پر ہمارا اجماع ہے کہ ہدایت اللہ کی طرف سے جائز ہے' لیکن عنایت تو بعض کہتے ہیں کہ جائز ہے اور بعض کہتے ہیں: جائز نہیں' اس لیے کہ عنایت بہر حال میل (جانب داری) سے خالی نہیں ہے اور صحیح وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے کہ بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے معونت ہے اور ہم نہیں کہتے کہ عنایت ہے' اس لیے کہ یہ لفظ سماعاً وارد نہیں اور نہ ہی اہل علم اس پر متفق ہیں اور نہ یہ موجباتِ ضرورت سے ہے تو ہم بھی اس کے قائل نہیں۔

عدل اور اہل سنت وجماعت

اہل سنت وجماعت کے نزدیک صفت عدل کا بیان چھ چیزوں میں ہے:

(۱) ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ بندے کی نیکیوں میں ذرّہ برابر بخس (یعنی کمی) نہیں کرتا۔

(۳) تیسرے یہ کہ بغیر گناہ کیے کسی کو عذاب نہیں دیتا۔

(۴) چوتھے یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دکھ نہیں دیتا بغیر غرض صحیح کے اور بہت بڑے عوض

Marfat.com

کے بھی۔

(۵) پانچویں یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی کو معصیت پر مجبور نہیں کرتا۔

(٦) چھٹی یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

سوال: اگر کہا جائے کہ کیا یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ جہنم میں ایک مخلوق پیدا کرے اور اس کو بغیر معصیت کے عذاب دے؟

جواب: ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے بلند و برتر اور ارفع و اعلیٰ ہے کہ کسی شخص کو بغیر جرم و خطاء اور بغیر گناہ کے عذاب دے اور اگر کوئی مخلوق جہنم میں پیدا کرے تو جہنم اس کے لیے عذاب نہ ہوگا اور اگر بغیر جرم و گناہ اس کو عذاب دے تو عدل نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے فضل وعدل سے کرتا ہے' دلیل اس کی یہ ہے: ''كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ'' (المدثر:۳۸) ہر نفس (شخص) اپنے عمل کے بدلے گروی ہے۔

دوسری آیت: ''جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ'' (الاحقاف:۱۴) بدلہ ان کاموں کا جو وہ کرتے تھے۔

معتزلہ عدل کسے کہتے ہیں؟

معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا عدل یہ ہے کہ وہ کفر وشرک کو پیدا نہ کرے اور ضرر کو بھی پیدا نہ کرے اور نہ ان چیزوں کی قضاء (فیصلہ) کرے اور وہ مصالح (بھلائی اور بہتری) جن کے بندے محتاج ہیں اللہ پر واجب ہے اور اگر مصالح عباد کو منع کرے تو عدل نہ ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ صفت عدل یہی ہے' یہاں تک کہ اگر اللہ تعالیٰ کفر وشرک کو پیدا کرے اور پھر بندوں کو عذاب دے تو یہ ظلم وجور ہوگا۔ سنو! یہ اعتقاد کفر ہے' اس لیے کہ بندہ جب اپنے لیے کفر کا ارادہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بندے سے توحید کا ارادہ کرتا ہے تو جس چیز کا بندہ نے ارادہ کیا ہوگا اور خدا نے جس چیز کا ارادہ کیا وہ نہ ہوا تو بندہ کا ارادہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ پر غالب ہوگیا اور یہ محال ہے اور ہمارا اس پر اجماع ہے کہ کفر اللہ تعالیٰ کے علم سے ہے' وہ جانتا ہے اور قادر ہے کہ اس کو منع کردے جبراً اور اگر منع نہ کرے تو یہ معتزلہ کے نزدیک عدل نہ ہوگا اس لیے کہ جو چیز بندوں کے حق میں اصلح اور اصوب ہو' اللہ تعالیٰ پر اس کا پیدا کرنا واجب ہے اور کفر میں نہ فلاح ہے نہ صواب ہے اور ایسے ہی ان کے زعم میں اصلح و اصوب اللہ تعالیٰ

Marfat.com

کے حق میں اولیٰ ہے کہ اس پر واجب ہو اور بندہ جب ترک کر دے اس چیز کو جو بندوں کے حق میں برائی ہے اور عدل نہ ہوگا' اس بندہ کی طرف سے اور عیب لوٹے اس کی طرف اور ایسے ہی اللہ تعالیٰ کے حق کہ جب جانتا ہے کہ بندہ کفر وشرک کرے گا اور اس نے اصلح و اصوب کو ترک کیا اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور جبراً منع کرنے پر قادر ہے اور منع نہ کرے تو عیب اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹے گا اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عدل نہیں ہوگا اور یہ جائز نہیں۔ پھر ہمارا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو بغیر نہی کے کفر اور قبائح سے جبراً منع نہیں کرتا باوجودیکہ اس کو علم وقدرت ہے اور صفت قبح بندے کی طرف لوٹے گی اور ایسے ہی اگر اللہ تعالیٰ کفر وشرک اور قبح کے پیدا کرنے کا ارادہ کرے تو عیب بندے کی طرف لوٹے گا جیسے علم میں[1]

سوال: اگر کہا جائے گا کہ ازروئے حکمت یہ کیسے جائز ہے کہ کفر وشرک کا ارادہ اپنے حق کر لے اور شر وقبح اپنے نفس کے لیے ارادہ کرے؟

جواب: ہم کہتے ہیں: جیسے جائز ہے ازروئے حکمت کہ کسی نفس کو پیدا کرے اور جانتا ہے کہ یہ کفر وشرک کرے گا اور بُرا کام کرے گا باوجود اس کے کہ اسے علم ہو' اس کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو ایسے ہی یہ مسئلہ ہے' اس لیے کہ جائز ہے کہ شرک اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہو اور عیب بندے کی طرف لوٹے جیسے علم میں۔

آٹھواں قول

تکوین ومکوِّن کا بیان

امام ابوالحسن اشعری اور کرامیہ کہتے ہیں کہ تکوین ومکوَّن ایک ہی چیز ہے اور اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ تکوین مکوِّن کا فعل ہوتا ہے اور مکوَّن (واؤ کی زبر کے ساتھ) تکوین کی تاثیر کو کہتے ہیں' چنانچہ تکوین اور مکون الگ الگ دو چیزیں ہیں۔

---

[1] اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ فلاں بندہ کفر کرے گا تو یہ عیب صرف بندے کی طرف راجع ہوگا۔

Marfat.com

صورتِ مسئلہ یہ ہی ہے کہ ان کے نزدیک مکوِّن (پیدا کرنے والا) جب کسی شئی کو پیدا کرتا ہے تو فعل اس سے زائل (جدا) ہو کر مکوَّن (مفعول) میں حلول کرتا ہے اور اس میں سما جاتا ہے اور اہل سنت و جماعت کے نزدیک فعل فاعل سے جدا ہو کر مفعول میں حلول و سرایت نہیں کرتا اور تکوین (تخلیق) مُکوِّن (خالق) سے جدا نہیں ہوتی اور یہ مسئلہ دراصل ایک دوسرے مسئلہ کی فرع ہے' وہ (اصل) مسئلہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی صفات حادث ومحدث ہیں اور اہل سنت کے نزدیک صفاتِ باری تعالیٰ ہونا جائز نہیں ہے' جیسا کہ پہلے ہم ذکر کر چکے ہیں' تو جب ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی صفات و افعال حادث ہیں تو انہوں نے کہا: فعل، صنع اور تخلیق وتکوین اس سے شروع ہوتے ہیں' پھر اس سے زائل (جُدا) ہو جاتی ہیں یعنی تفعیل وتکوین اور تخلیق کے وقت اس سے جدا ہو کر مکوّن ومفعول میں حلول کر جاتی ہیں اور یہ کفر ہے۔

اس لیے کہ یہ دو حال سے خالی نہیں یا یہ فعل وصُنع حادِث ہوں گے یا غیر حادث؟ اگر کہیں کہ حادث ہیں تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے محلِ حوادث ہونے کا اعتقاد کیا اور اس پر تغیر و تکوین اور تحویل جائز ہو گا اور یہ کفر ہے۔

اور اگر کہیں: فعل غیر محدث ہے بلکہ صفت قدیم ہے تو محدث میں صفت قدیم کے حلول کا اعتقاد کیا' اب قدم اور بقائے دھر ان کا عقیدہ ٹھہرا' اس لیے کہ ان کے نزدیک دھر' قدیم کا محل ہو گا اور قدیم کا محل قدیم ہونا ضروری ہے اور یہ کفر ہے۔

متصوّفین کا مسلک

بعض متصوّفین کہتے ہیں کہ ہر شئی علّت اس کی صَنعَت ہے اور یہ بھی صحیح نہیں' اس لیے کہ صنع علت ہے تو وہ معلول میں حلول کرے گی تو یہ اور پہلا مسئلہ برابر نہیں۔

سوال: پھر اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ آیا اپنی صفت کو بدلنے پر قادر ہے؟

جواب: تو ہم کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کمال پر' لیکن تغیر جائز نہیں اللہ تعالیٰ کی صفات میں اس کا وجود محال ہے اور اللہ تعالیٰ محال سے منزہ ہے۔

صفت الٰہی کا بدلنا محال ہے اور محال تحت قدرت نہیں کہ یہ مقدور بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا (تو قابل کا نقص ہے فاعل کا نہیں) اور اس کا سوال کرنا کفر ہے' اس لیے کہ اس نے

Marfat.com

صفاتِ باری میں تغیر کو جائز ماننا اور یہ کفر ہے۔

نواں قول

باری تعالیٰ کے کتنے صفات ہیں؟

اہل سنت و جماعت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات نہ مکرر ہیں اور نہ وہ متعدد ہیں' بیان اس کا یہ ہے کہ اللہ عزوجل فعل واحد کا فاعل ہے اور جمیع مفعولات کو ایک فعل سے کرتا ہے۔

اور وہ ''حی'' ہے حیاتِ واحد سے' سمیع ہے سمع واحد ہے' جمیع مسموعات کو سنتا ہے اور وہ ایک کلام سے متکلم ہے' تمام صفات کو اسی طرح سمجھ لو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات قدیمہ ہیں اور عدد و تکرار محدثات کی صفت ہے اور اگر ہم کہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفت حد تکرار میں داخل ہیں تو پہلی صفت زائل ہوگی اور دوسری صفت پیدا ہوگی' یہاں تک کہ مکرر ہو جائیں گی اور یہ کفر ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے اور یہ معنی تمام صفات میں مؤثر ہوں گے۔

اعتراض: اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات سب کی سب صفت واحدہ ہیں یا ہر صفت علیحدہ علیحدہ پہلی صفت کے علاوہ ہے؟

جواب: تو ہم کہیں گے کہ ہمارے بعض اصحاب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صفت حیات' صفت قدرت اور علم سے موصوف ہے اور اسی طرح باقی تمام سے ہر صفت سے علیحدہ علیحدہ موصوف ہے۔

اور ہمارے اصحاب میں سے بعض کہتے ہیں کی سب کی سب صفات صفت واجب ہیں اور اصح یہ ہے کہ جو ہم کہتے ہیں کہ صفاتِ الٰہی حقیقت میں ایک ہیں' وہ عدد کے تحت داخل نہیں ہیں' لیکن اس کی تاثیر اور اسماء معدودہ ہیں' اس لیے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت کا انکار کیا تو وہ کافر ہو جائے گا اور کسی صفت کو زیادہ کیا تو کافر ہو جائے گا تو صفات باری تعالیٰ جل مجدہٗ تاثیر اور اسم کے اعتبار سے

Marfat.com

معدودہ ہیں اور ایمان کل پر واجب ہے اور صفات در حقیقت ایک ہیں۔

اگر کہا جائے کہ قدرت اور حیات دو شئی ہیں یا دو عدد ہیں یا اثناں ہیں تو کافر ہو جائے گا تو ہم کہتے ہیں کہ حیاتؔ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور قدرت اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور قدرت حیات نہیں اور نہ وہ غیر حیات تو یوں کہیں گے: ''لا ھِیَ و لا ھی غیرھا '' اور ایسے ہی علم مع الارادہ اور سمع مع البصر اور ہر صفت کے ساتھ ہم کہیں گے: ''لا ھی ھی و لا ھی غیرھا '' جیسے صفاتِ ذات میں اس لیے کہ صفات معدودات سے نہیں، ہم کہیں گے کہ اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد بصفاتہٖ ہے۔ جب ہم نے ثابت کر دیا کہ صفاتِ باری مکرر اور معدودہ نہیں ہیں تو ایسے ہی واجب ہے کہ متضاد اور متناقض بھی نہ ہوں۔

جیسے ہم سخط (ناراضی) اور رضا (خوشنودی) کے بارے میں کہتے ہیں: اللہ کی رضا اس کی سخط (ناراضی) نہیں اور نہ ضد سخط ہے اور اس کا سخط اس کی رضا نہیں اور نہ ضد رضا تو ہم کہیں گے کہ ''لا ھِیَ ھِیَ ولاھی غیرھا '' اور وہ رضا و سخط کے ساتھ موصوف ہے اور یہ جو کہا کہ رضا ضد سخط نہیں' اس لیے کہ رضا سخط سے زائل نہیں ہوتی اور نہ مشغول کر کے سخط سے اور اس کا سخط اس کی رضا کو زائل نہیں کرتا اور نہ اس کو مشغول کرتا ہے اور اس کی صفت کسی حال میں اس سے زائل نہیں ہوتی اور تضاد و تناقض اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب ایک صفتؔ دوسری سے مشغول کرے یا اس کی ضد اس سے زائل ہو اور اثباتِ شغل بھی صفاتِ باری میں جائز نہیں اور کوئی صفت اس سے زائل نہیں ہوتی اور اس کی صفت میں نفی کی اضافت نہیں ہو سکتی اور اثبات کی اضافت بھی نہیں ہو سکتی تو ثابت ہوا کہ اس کی صفات میں تناقض و تضاد نہیں۔

سوال: یہ ہے کہ آیا اللہ تعالیٰ کی صفات میں مکر اور مخادعہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ہم کہیں گے کہ یہ معانی ردیہ ہیں اور صفاتِ قبیحہ تو قبیحہ اور ردیہ صفات نہیں ہو سکتیں' لیکن بہ طریقِ مکافات (بدلے) و مجازات (جزاء) جائز ہے' اپنے دشمنوں کو ان کے مکر و مخادعت اور استہزاء بمثل افعالہم یعنی جیسا ان کا فعل ویسا اس کو بدلہ دینا اور یہی معنیٰ ہیں ''اللہ یستھزئ بھم '' (البقرہ:۱۵) اور ''ومکرناھم مکرًا '' (النمل:۵۰) اور ''یخادعون اللہ '' (البقرہ:۹) ''وھو خادعھم'' (النسا:۱۴۲) تو ان آیتوں میں ان کے افعال کی جزاء مراد ہے۔

Marfat.com

دسواں قول

آیاتِ متشابہات پر ایمان لانے کا بیان

اہل سنت و جماعت فرماتے ہیں: متشابہات پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کی تفسیر جائز نہیں اور اس کی تاویل واجب نہیں اور یہ کہنا جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس صفت سے موصوف ہے بلکہ یہ کہیں گے کہ یہ کلام اللہ ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا' اس سے جو ارادہ فرمایا اس پر ہمارا ایمان ہے۔

جیسا کہ حضور اقدس ﷺ سے مروی ہے کہ فرمایا: ''ان للہ یدین کلتاھما یمینان'' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ'' نیز فرمایا: ''اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى'' اور اس قسم کی جو آیات و احادیث ہیں ان پر اس طرح ایمان لانا واجب ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کے رسول کا کلام ہے اور اس میں تاویل واجب نہیں ہے۔

معتزلہ اور جہمیہ کا مذہب

معتزلہ اور جہمیہ کہتے ہیں کہ ان آیات و احادیث کی تاویل واجب ہے' انہوں نے کہا کہ ''ید'' کے معنی قوت و نعمت ہے اور یہ درست نہیں' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ'' اور جائز نہیں کہ ہم کہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے دو قوتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ اَسْتَكْبَرْتَ'' (ص:۷۵) جسے میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا' کیا تو متکبر ہو گیا؟ اور اگر ''ید'' سے مراد قوت ہو گی تو ابلیس یہ کہے گا کہ میں تیری قوت و نعمت سے مخلوق و پیدا شدہ ہوں تو ثابت ہوا کہ ''ید'' سے مراد قوت نہیں اور اس لیے بھی کہ اگر تاویل واجب ہوتی تو اوّل حضورِ اقدس ﷺ پر تاویل واجب ہوتی' اس لیے کہ حضور ﷺ مُبَیّن بنا کر مبعوث ہوئے ہیں اور جب حضور نے اس کے معنی بیان نہیں کئے اور تاویل نہیں کی تو معلوم ہوا کہ تاویل واجب نہیں' اس لیے کہ تاویل تفسیر سے اقویٰ و واضح ہے' اس لیے کہ تاویل وہ ہے جو مراد کی طرف لوٹتی ہے اور اگر تاویل واجب و مشروع ہوتی تو وہ تاویل ہم تک منقول ہوتی' جیسے قرآن اور تفسیر و قراءتیں منقول ہوئی ہیں اور جب صحابہ کرام اور

Marfat.com

تابعین سے تاویل منقول نہیں تو ثابت ہوا کہ تاویل واجب نہیں۔

اور ابوالحسن اشعری اور متقدمین مشائخ بخارا نے کہا: متشابہات اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں بغیر تفصیل وتشریح وکیفیت کے اور انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ صفتِ ید' صفتِ وجہ' صفتِ نزول وقدم سے موصوف ہے' آیات واحادیث میں جو جو صفات ذکر ہوئی ہیں' اللہ تعالیٰ ان سب صفات سے بلا کیف موصوف ہے۔ یہ بھی درست نہیں' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''وَاُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ'' (آل عمران: ۷) اور دوسری متشابہ آیات ہیں اور اس سے اشتباہ معانی مراد ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ لوگوں پر اس کے معانی مشتبہ ہو گئے ہیں۔

اگر ہم کہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں تو حد اشتباہ سے نکل کر مفسر ہو جائے گی۔

امام محمد ابن حسن سے مروی ہے کہ ان سے اسی قسم کی آیات واحادیث کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ جس طرح نازل ہوئی ہیں اور جو ان سے اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے اس پر ایمان لاؤ اور حضرت سفیان ثوری' حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ علمِ قرآن چار قسم کا ہے:

(۱)　ایک قسم وہ ہے جس سے جاہل رہنا جائز ہے اور وہ حلال وحرام کا علم ہے۔

(۲)　اور ایک قسم علم کی وہ ہے جس کو عرب جانتے ہیں' وہ علم اسماء ہے اور علم تفسیر وہ علم قصص اور شانِ نزول۔

(۳)　اور ایک علم وہ ہے کہ اس کو اللہ ہی جانتا ہے جیسا کہ فرمایا: ''وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ'' اور اس کی تأویل سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔

اور مشائخ سمرقند فرماتے ہیں کہ متشابہ وہ ہیں جن کے معنی ہم پر مشتبہ ہیں تو ہم ان پر ایمان لائے اور اقرار کرتے ہیں یہ کلام اللہ ہے اور خبر رسول اللہ کا کلام ہے اور ہم اللہ کے کلام پر اور اس کے رسول کے کلام پر ایمان لائے اور جو انہوں نے ارادہ فرمایا اس پر ہمارا ایمان ہے۔

سوال: اگر کہا جائے کہ آیا از روئے حکمت یہ جائز ہوگا کہ مثلاً اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو بھیجے اور اس پر کتاب نازل کرے اور احکام اتارے' پھر بعض چیزیں اپنے رسول پر مخفی و پوشیدہ رکھے جس کے معنی وہ نہ جانتا ہو؟

جواب: ہم کہتے ہیں: بمقتضائے حکمت جائز ہے کہ علمِ الٰہی پر کوئی علیٰ وجہ الاتم مطلع نہ ہو' دلیل

Marfat.com

اس پر یہ ہے کہ احادیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قلم کو حکم دیا کہ لکھے لوح محفوظ میں کہ فلاں سعید ہے ''اِنْ شِـئْـتُ ''یعنی اگر میں چاہوں تو فلاں سعید ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ لوح وقلم اور فرشتے جو لوح میں دیکھ رہے ہیں وہ بھی جمیع علوم الٰہی کو نہیں جانتے تو یہ راز ہے تو جب یہ لوحِ محفوظ میں ہے تو دیگر کتب میں بھی جائز ہے' جو احکام اور جن چیزوں کی مخلوق کو حاجت ہے وہ تو واضح کر دیئے جائیں اور جس چیز کی مخلوق محتاج نہیں ہے تو جائز ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا راز ہو۔

معتزلہ کا مسلک

پھر معتزلہ کے نزدیک متشابہات کی تاویل واجب ہے اور اہل سنت کے نزدیک غیر واجب ہے' لیکن جائز ہے کہ متشابہ میں تاویل کریں اس لیے کہ مشبہہ نے ظاہر آیتوں کو لے کر کہا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ید (ہاتھ) اور انگلی دیگر مخلوقات کی طرح ہیں اور اس کا انہوں نے اعتقاد کیا اور یہ کفر ہے تو تاویل جائز ہے' تشبہ کے وقت نفی خطاء اور زوالِ شبہ کے لیے' لیکن ساتھ ہی ہم یہ نہیں کہتے کہ جو تاویل کی ہے یہی مراد متکلم ہے بلکہ یوں کہیں گے' ممکن ہے اس سے مراد یہ ہو لیکن حقیقی تاویل ہمیں معلوم نہیں' اس کی حقیقی مراد اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

واللہ اعلم بالصواب والحق

Marfat.com

باب پنجم

اسماء حسنیٰ کا بیان

اس بارے میں چھ اقوال ہیں:

اوّل: اسماء حسنیٰ کا بیان۔

دوم: اسم مسمّٰی کا عین ہے یا غیر؟

سوم: اللہ کے اسماء حسنیٰ کتنے ہیں؟

چہارم: اللہ تعالیٰ کو ان اسماء سے پکارو جو سماع یعنی شرع سے ثابت ہیں۔

پنجم: نبیوں، رسولوں اور فرشتوں کے اسماء کا بیان۔

ششم: چیزوں کے لغوی اور معنوی نام۔

قول اوّل

اسماء حسنیٰ میں ہے

مہتدی ابوشکور سالمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ہمارا اہل سنت و جماعت کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ اسماء حسنیٰ کے ساتھ مدعو ہے، دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا'' (الاعراف: ۱۸۰) اور سب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں تو انہی ناموں سے اسے پکارو۔ ''قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَیًّامَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى'' (الاسراء: ۱۱۰) تم فرماؤ اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو پکارو تو کسی نام سے پکارو اسی کے لیے اچھے نام ہیں۔

Marfat.com

ہمارا اجماع ہے کہ وہ مذکور ہے اپنے نام کے ساتھ' دلیل یہ ہے کہ "فاذکرونی اذکرکم" (البقرہ:۱۵۲) تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ" (العنکبوت:۴۵) اللہ تعالیٰ کا ذکر بڑا ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ وہ اپنے ناموں سے مسمّٰی ہے یا نہیں؟

معتزلہ کا مسلک

معتزلہ کہتے ہیں کہ یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے ناموں سے مسمّٰی ہو اس لیے کہ اسم اشارہ کے لیے ہے اور اشارہ اجناس میں تمیز کے لیے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسم جنس سے منزہ ہے تو اسم اور اشارہ کا محتاج نہیں تو اس کا اسم نہیں ہوگا اور جب اس کے لیے اسم نہیں تو وہ مسمّٰی بالاسم نہیں ہوگا اور اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے اسماء کے ساتھ مسمّٰی ہے اور اسماء اللہ ہی کے اسماء ہیں' دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے (۹۹) نام ہیں' جس نے ان اسماء کو یاد کیا اور پڑھا جنت میں داخل ہوگا' اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اسماء اللہ ہی اللہ کے اسماء ہیں۔

پھر اسم کبھی تو اشارہ کے لیے ہوتا ہے اور یہ محدثات کے اسماء ہیں اور کبھی افادہ کے لیے ہوتا ہے نہ کہ اشارہ کے لیے اور وہ اللہ کا نام ہے اور یہ ہم نے کیوں کہا: اسماء اللہ تعالیٰ افادہ کے لیے ہیں اشارہ کے لیے نہیں؟ اس لیے کہ اسماء اللہ تعالیٰ سب کے سب ایک معنی ہیں' اس لیے کہ وہ تمام معنی جو اسماء میں ذکر کیے گئے وہ سب ایک اسم میں مذکور ہو جاتے ہیں۔

بیان اس کا یہ ہے کہ جب تو نے "اللہ" کہا تو اللہ کا اسم ذکر کرنے سے رحمٰن' رحیم' علیم' حکیم' حلیم اور تمام اسماء کا معنی مذکور و موجود ہو گئے اور اسی طرح تمام اسماء کا حال ہے کہ کسی ایک اسم کا ذکر کرو تو تمام اسماء کے معانی اس میں آجاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اسم کا مسمّٰی ہے نہ کہ تسمیہ کے ساتھ مسمّٰی ہے اور وہ ایسا ہے جیسا اس نے اپنا نام رکھا اور کسی دوسرے نے اس کا نام نہیں رکھا۔

دلیل اس کی یہ ہے کہ وہ مسمّٰی بالاسم ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اس کی وحدانیت پر ایمان لائیں تو ایمان بالذات واجب ہے اور ہم ایمان لانے میں' اس کے نام کا ذکر کرتے ہیں تو اگر ذات مسمّٰی بالاسم نہ ہوتی تو دنیا میں کسی کا ایمان صحیح نہ ہوتا۔

Marfat.com

اور تقریر کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی ہمیں پہچان کرائی تو اپنی صفات و اسماء سے اور اس سے مراد معرفت ذات ہے تو اگر وہ اپنی صفات سے موصوف اور اپنے اسماء سے مسمٰی نہ ہوتا تو اس کی تعریف اس کی طرف سے صفت و اسم سے نہ ہوتی تو جب اس نے اپنی معرفت ہمیں اسم کے ذکر سے کرائی تو ثابت ہوا کہ وہ اپنے اسم کے ساتھ مسمٰی اور اپنی صفت سے موصوف ہے۔

دوسرا قول
اسم مسمٰی کا عین ہے یا غیر

اشعریہ اور حشویہ کہتے ہیں کہ اسماء کے تین مرتبے ہیں:

(۱) اسماء الذات (۲) اسماء الصفات (۳) اسماء الافعال

اسماء الذات: جیسے حی، شئی، قدیم، نفس، ذات اور جو اس کے شایانِ شان ہے۔

اسماء صفات: جیسے قادر، حکیم، مُرید، سمیع، بصیر، متکلم۔

اسماء افعال: جیسے خالق، رازق، غافر ونحو ذلک۔

اسم ذات میں اختلاف کا بیان

انہوں نے اسم جلالت ''اللہ'' میں اختلاف کیا ہے، بعض نے کہا: اللہ اسم ہے، اسم ذات اور یہ اسم موضوع ہے اور بعض کہتے ہیں: اللہ صفاتی نام ہے اور یہ اسم مشتق ہے، پھر ان کا مذہب یہ ہے کہ اسماء ذات قدیم ہیں، نیز اسم اور ذات ایک ہے اور اسماء صفاتِ قدیمہ ہیں ''لا ھو ولا غیرہ'' اور اسماء افعالِ محدثہ ہیں اور اسم غیر مسمٰی ہے۔

معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء اس کا غیر ہیں اور سب کے سب مخلوق ہیں اور اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء قدیمہ ہیں ''لا ھو ولا غیرہ'' اور اسماء میں تفصیل وتعریف جائز نہیں، جیسے صفت میں اور یہ جائز نہیں کہ اسماء حادث ہوں یا اس کی صفاتِ حادثہ ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ اپنی صفات اور اسماء کے ساتھ قدیم ہے۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء حسنیٰ ہیں

اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء حسنیٰ ہیں اور اسماء میں سے ایک بھی غیر حسنیٰ نہیں اور یہ جو ہم نے کہا کہ وہ قدیم ہے اپنے اسماء کے ساتھ' اس لیے کہ اس نے اپنے کلام میں اپنے نام بیان فرمائے اور حدث جائز نہیں نہ اس میں' نہ اس کے کلام میں اور یہ جو ہم نے کہا کہ اس کے اسماء ''لا ھو ولا غیرہ '' اس لیے کہ اسم ہی اگر مسمٰی ہے تو یہ قول مفضی ہے کہ مسمیات دس' بیس یا اس سے بھی زائد ہوں' اس لیے حکماً معدود ہیں اگر چہ اصل عدد اور جنس عدد سے نہیں۔

لیکن ہمارے نزدیک حکماً وہ معدود ہیں اور اگر مسمٰی ہی اسم ہو اور اسم مسمٰی ہو تو مسمٰی اسم کی مانند معدود ہو جائے گا تو اس میں آلہہ کا اثبات ہو گا' اس لیے کہ یہ اسماء اسماء اللہ تعالیٰ ہیں اور یہ محال ہے کہ متعدد آلہہ ہوں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر اسماء ہی مسمٰی ہوں تو پھر اللہ تعالیٰ ہمارے منہ میں ہو گا اور یہ مقتضی ہے کہ ذات جو مسمٰی ہے ہمارے ذہن میں ہو اور یہ محال ہے اور اگر ہم یہ کہیں کہ اسم غیر مسمٰی ہے تو دنیا میں کسی مؤمن کا ایمان صحیح نہ ہو اور کبھی کسی رسول کی رسالت صحیح نہ ہو' اس لیے کہ ہم مثلاً اللہ عزوجل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ نام ہے ہمارے خالق کا تو اگر اسم غیر مسمٰی ہو تو اللہ غیر خالق ہو گا تو خالق پر ایمان نہ ہوا اور یہ محال ہے کہ اللہ خالق نہ ہو۔

اسی طرح محمد ﷺ نام ہے رسول کا اور ہم محمد (ﷺ) پر جو کہ رسول ہیں ایمان لائے ہیں تو اگر اس مسمٰی کا غیر ہو تو محمد ﷺ غیر رسول ہوئے تو پھر ان پر ایمان لانا صحیح نہ ہو گا اور قطعاً درست نہیں تو ثابت ہوا کہ اسم نہ مسمٰی ہے اور نہ غیر مسمٰی ہے تو ہم کہیں گے: ''لا ھو و غیرہ '' صفت کی مانند۔

تیسرا قول

اسماء باری تعالیٰ کتنے ہیں؟

اہل سنت و جماعت کے فقہاء کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء بے حد اور بے شمار اور غیر متشابہہ ہیں لیکن ہمارا ذکر کرنا اور ہمارے الفاظ اور ہماری عبارتیں ان اسماء کے بارے میں

Marfat.com

محدود و معدود ہیں، پس اسم ذکر کے اعتبار سے یہ معدود ہے اور ایمان ایک ہے حقیقت و عبارت میں اور یہ ایسے ہی ہے جیسے ہم کہتے ہیں: قرآن پاک کا متن کہ قرآن کلام اللہ ہے' غیر مخلوق ہے اور نہ مختلق ہے' نہ حادث ہے' نہ حدیث ہے' نہ محدث ہے اور اس کے لیے نہ حد ہے' نہ نہایت اور اس کے لیے نہ قطع ہے' نہ فصل اور نہ اس کی ابتداء ہے' نہ انتہاء' لیکن ہمارا پڑھنا اور تلاوت کرنا محدود و معدود ہے۔ قطع و فصل اور بدایت و نہایت کے ساتھ۔ اسی طرح تمام اسماء باری تعالیٰ معنیٰ میں اسم واحد ہے' غیر مخالف اور غیر مختلف ہیں' نہ محدود ہیں' نہ معدود' لیکن حکم و عبارت میں ہر اسم علیحدہ ہے حتیٰ کہ اگر اللہ کا اقرار کیا اور رحمٰن و رحیم کا انکار کیا تو کافر ہو جائے گا' تو ہر اسم علیحدہ اسم ہو گا' ذکر و ایمان میں معدود ہو گا۔ پس ایمان واجب ہے جمیع اسماء پر' جز ایں نیست کہ ہم نے کہا کہ اسماء عبارت و حقیقت میں ایک ہیں' اس لیے کہ اگر ایمان لایا مسمّٰی پر اور ایک اسم کا ذکر کیا تو اس کا ایمان صحیح ہے اور گویا اس نے تمام اسماء کا ذکر کیا' اس لیے کہ تمام اسماء ایک اسم میں جمع ہیں اور ایسے ہی اگر کہے کہ اللہ عبارت میں غیر رحمٰن یا غیر رحیم ہے تو کافر ہو جائے گا' تو صحیح وہ ہے جو ہم نے کہا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اسم اللہ غیر رحمٰن نہیں ہے اور رحمٰن غیر رحیم نہیں ہے' تو ہم کہتے ہیں کہ "لا ھو ولا غیرہ"۔ ایسے ہی سمیع بصیر کا غیر نہیں اور بصیر سمیع کا غیر نہیں تو ہم کہتے ہیں: "لا ھو ولا غیرہ" جیسے ہم اسم و مسمّٰی میں کہتے ہیں کہ "لا ھو ولا غیرہ" اور ایسے ایک صفت دوسری صفت کے ساتھ' جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔

اللہ تعالیٰ کی کتابوں اور صحیفوں کا نام کلام اللہ ہے

اللہ تعالیٰ کی کتابوں اور صحیفوں کے نام "تورات' انجیل' زبور' فرقان" سب کے سب کلام اللہ ہیں اور کلام اللہ واحد ہے' پھر قرآن کریم وغیرہ کا علی سبیل التکرار اتارا جانا قول میں تکرار کا موجب نہیں بن سکتا۔

☆ اسم میں اختلاف ہو تو یہ مسمّٰی موجبِ اختلاف نہیں ہوتا۔

☆ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے۔ "توریت' انجیل' زبور اور صحائف" اللہ کا کلام ہیں۔

☆ اور قرآن "تورات" کا غیر نہیں اور نہ وہ "تورات" ہے تو مطلب وہی ہوا کہ "لَا ھُوَ هُوَ وَلَا هُوَ غَيْرُهٗ"۔

Marfat.com

☆ اور اسی طرح ''انجیل'' وہ ''تورات'' کا غیر نہیں اور نہ ہی ''انجیل'' تورات ہے تو مطلب یہ ہو گیا ''لا هو هو ولا هو غيره''۔

☆ اور اسی طرح تمام کتب وصحائف کلام اللہ ہیں اور کلام اللہ ایک ہے اور وہ معدود نہیں اور اسی طرح اسماء باری تعالیٰ معدود نہیں تاکہ کلام میں عدد واجب نہ ہو اور واحد بھی نہیں کیونکہ ہر کتاب پر ایمان لانا ضروری ہے' اگر ایک کا بھی انکار کرے گا کافر ہو جائے گا جیسے کہ اسماء وصفات میں کسی ایک کا انکار کرے تو کافر ہو جاتا ہے۔

چوتھا قول

اس بارے میں کہ جو نام قرآن وحدیث سے مسموع نہیں' ان ناموں سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا کیسا ہے؟ اس پر ہم سب کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نام اپنے لیے ذکر نہیں فرمایا اور نہ خبر سے ثابت ہے اور نہ معنیٰ ربوبیّت کے موافق ہیں' ان ناموں سے خداوند قدوس کو یاد کرنا اور خدا کا نام رکھنا کفر ہے۔

اور ایسا نہ ہو کہ نہ قرآن میں مذکور ہے' نہ حدیث میں لیکن معنیٰ ربوبیّت کے موافق ہے تو بعض کہتے ہیں جائز ہے اور بعض کہتے ہیں جائز نہیں۔ اصح یہ ہے کہ اگر ایسے لفظ کے ساتھ خدا کا نام رکھا جو بندوں کے ناموں کے ساتھ مشابہ ہے اور اس میں عبودیت کے معنیٰ پائے جاتے ہیں تو ہرگز جائز نہیں اور اگر وہ خصائص ربوبیّت اور الوہیّت سے ہے تو جائز ہے۔

مشترک اسماء

بیان اس کا یہ ہے کہ ایسے اسم سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا کہ جس میں عبودیت کے معنیٰ کے ساتھ مشابہت ہو جائز نہیں ہے' جیسے صاحب[1]' سیّد' حاکم' عالم' رحیم وغیرہ' یہ اسماء مشترکہ ہیں اس لیے کہ ان ناموں سے بندوں کو پکارتے ہیں' لیکن اشتراک حقیقی نہیں ہے۔ اگر یہ اسماء حدیث میں نہ آئے ہوتے تو ہم ہرگز ان ناموں سے خدا کو پکارنے کی اجازت نہ دیتے۔

---

[1] جیسے بہت جہلاء نے ترجمۂ قرآن میں لکھا: اللہ صاحب۔

Marfat.com

وہ اسماء مبارک جو اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں

وہ نام جو اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں، جیسے اللہ، رحمٰن، خالق، قدیم یہ اسماءِ ربوبیت ہیں اور اس کے مثل تو ہمیں جائز ہے کہ ان کے ساتھ خدا کا نام لیں اگر چہ سماع سے ثابت نہ ہوں اس لیے کہ یہ وہ اسماء ہیں کہ ان میں معنیٰ ربوبیت پائے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان ناموں کے ساتھ اپنا نام رکھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى '' (الاعراف: ۱۸۰) اللہ تعالیٰ کے اچھے اچھے نام ہیں، لیکن خلاف واقع ہوا ہے لفظ میں، اس لیے کہ یہ لفظا اسماء میں مسموع نہیں ہوئے تو ہم نے کہا کہ ان الفاظ کا اطلاق جائز ہے، اس لیے کہ لفظی اختلاف معنوی اختلاف کا موجب نہیں ہوتا جب کہ خطا و غلطی کا وہم نہ ہو، جیسے ہم کہتے ہیں: جو شخص ایمان لائے اللہ پر فارسی، ترکی، ہندی یا کسی زبان میں تو جائز ہے اور اس کا ایمان صحیح ہے حالانکہ ایسے لفظ سے اللہ کا ذکر کرتا ہے جو نص سے مسموع نہ ہوا اور باوجود اس کے جائز ہے کیونکہ یہ غلطی اور خطا کے مُوہم نہیں اور نہ اس سے معنیٰ میں تبدیلی اور تغیر رونما ہوتا ہے تو ایسے ''ما نحن فيه'' ہے جب کہ معنیٰ صحیح کے ساتھ اس کا نام لے تو جائز ہے۔

پانچواں قول

نبیوں، رسولوں اور فرشتوں کے ناموں کا بیان

ہمارا اجماع ہے کہ فرشتوں کے اسماء دو معنوں کے لیے ثابت ہیں: ایک معنیٰ افادہ اور دوسرے معنیٰ اشارہ اور یہ جو ہم نے کہا کہ افادہ کے لیے کیونکہ ملائکہ کے نام اللہ تعالیٰ کے امر سے ثابت ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر دی تو وحی ہوئی اور ان پر ایمان لانا واجب ہے اور ان ناموں کو بدلنا اور متغیر کرنا جائز نہیں۔

اور یہ جو ہم نے کہا کہ اسماء اشارہ کے لیے ہیں یعنی ہم جنسوں میں تخصیص و تعیین کے لیے اور انبیاء کرام کے جو اسماء نص سے ثابت ہیں ان پر ایمان لانا بعینہٖ واجب ہے اور ان میں تغییر و تبدل جائز نہیں اور جو نص سے ثابت نہیں تو مسمّٰی پر ایمان لانا واجب ہے۔

رہا نام بدلنا جائز ہے یا نہیں؟ تو بعض کہتے ہیں: جائز اور بعض کا خیال ہے: جائز نہیں

Marfat.com

ہے۔

اصح یہ ہے کہ جو ہم کہہ رہے ہیں کہ ان کے اسماء بدلنا جائز نہیں' نہ وفات کے بعد اور نہ وفات سے پہلے' اگر نام بدلا اور بدلے ہوئے نام کے ساتھ معروف ومشہور ہو جائے تو دیکھیں گے کہ اگر اس میں کوئی عیب یا حقارت نہ پایا جائے تو نام بدلنا جائز ہے اور اگر تغیر سے تحقیر وتنقیص مراد ہو تو ناجائز ہے اور حقارت سے بدلنے والا کافر ہو جائے گا۔

چھٹا قول

لغوی اور معنوی حیثیت سے چیزوں کے ناموں کا بیان

اس پر ہمارا اتفاق ہے کہ لغت سے جو اسماء وضع کیے گئے ہیں معتبر ومقبول ہیں اور احکام جیسا کہ حقائق پر مبنی ہوتے ہیں' اسی طرح ناموں پر ان کا دارومدار ہوتا ہے۔

اس مسئلہ کا اصل مقام ''اصول فقہ'' ہے۔

سوال: لغت کے خلاف اسم کا بامعنیٰ ثابت کرنا کیسا ہے؟

جواب: کسی اسم کو لغت کے خلاف بامعنیٰ ثابت کرنے میں دیکھا جائے گا اگر وہ اسم نص یا خبر یا اجماع سے ثابت ہے تو یہ اسم معتبر ہوگا اور یہی اس شے کا اسم ہو جائے گا اور پھر لغت کا اعتبار نہیں ہوگا۔

اور اگر وہ نام قرآن' حدیث اور اجماع سے ثابت نہیں تو نام رکھنا معتبر نہیں۔

اجمال کا بیان

اس اجمال کا بیان یہ ہے کہ صلوٰۃ' لغت میں دعا کے معنیٰ میں آتا ہے اور شریعت میں صلوٰۃ کے معنیٰ ارکانِ مخصوصہ کے ساتھ عبادت مخصوصہ کے ہیں' اب اگر کوئی فرضیت صلوٰۃ کا انکار کرے اور کہے کہ میں نے تو صلوٰۃ سے اس کے لغوی معنیٰ (یعنی دعا) مراد لیے تھے تو اس کی بات نہیں مانی جائے گی' نماز کی فرضیت کا انکار کرنے سے کافر ہو جائے گا اور ایسے ہی اگر قسم کھائی کہ میں نماز نہیں پڑھوں گا اور پھر کہے کہ میں نے صلوٰۃ سے دعا مراد لی تھی تو اس کا

Marfat.com

قول معتبر نہ ہو گا یہاں تک کہ اگر ایک کامل رکعت پڑھی تو قسم ٹوٹ جائے گی (اور کفارہ واجب ہو گا) ایسے ہی زکوٰۃ کے معنیٰ لغت میں نماء (بڑھنا) اور زیادتی کے ہیں اور شریعت میں زکوٰۃ کے معنیٰ نصاب کامل سے سال گزرنے کے بعد ایک مقررہ مقدار نکالنا آتے ہیں۔ پھر اگر فرضیت کا انکار کرے اور کہے کہ میری مراد زکوٰۃ سے نماء (بڑھنا) وزیادتی تھی تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی اور کافر ہو جائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسماء اشیاء علامت ودلیل ہے اور شریعت سے جب دلیل وعلامت ثابت ہو جائے تو پھر حقیقت لغویہ کا اعتبار نہیں کیا جائے گا تو جب لغت کے خلاف نام رکھا تو شریعت کے مقابلہ میں لغت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

Marfat.com

چھٹا باب

رسولوں پر نزولِ وحی کے اثبات کا بیان

اس میں بیس قول ہیں۔

پہلا قول

اس بیان میں کہ وحی کا نازل کرنا اور پیغامبروں کا بھیجنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بمقتضائے حکمت ضروری ہے

حضرت ابوشکور سالمی نے فرمایا: جاننا چاہیے کہ شریعت میں وحی اور پیغمبروں کا بھیجنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بمقتضائے حکمت واجب ہے اور اس کا ترک قبیح ہے پھر تمام مسلمانوں کے نزدیک رسالت ثابت، قائم اور صحیح ہے اور اس پر یہود و نصاریٰ نے بھی اتفاق کیا ہے۔

اور ایسے ہی مجوس نے متنبّی (جھوٹا مدعیٔ نبوت) کی پیروی کی جس کا نام زردشت ہے، پھر باوجود اسلام کا انکار کرنے کے اس پر متفق ہیں کہ وحی ثابت اور جائز ہے کیونکہ وہ متنبّی کے پیرو ہیں۔

بہرکیف ان کی متابعت سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ وہ وحی کو جائز مانتے ہیں، اس کو عنقریب ہم ذکر کریں گے اور بعض لوگوں نے وحی کا انکار کیا ہے اور وہ وہمیہ اور فکریہ ہیں، ان کا کہنا ہے کہ وحی ناجائز ہے، لوگ وحی و رسالت سے بے نیاز و مستغنی ہیں، اس لیے کہ لوگ خدا کو عقل سے پہچانتے ہیں پھر جب کہ عقل منعم کی معرفت کے لیے آلہ (ذریعہ) ہے تو شکرِ منعم جو کہ اصل عبادت ہے، وہ بھی عقل سے حاصل ہوسکتی ہے، اس لیے کہ معرفت منعم اصل ہے اور عبادت اس کی فرع ہے، جب معرفت جو اصل ہے وہ عقل سے حاصل ہوتی ہے تو فرع

Marfat.com

بہ طریقِ اولیٰ حاصل ہو جائے گی۔

فرقۂ وہمیہ اور فکریہ کے نزدیک ادراک کی دلیل

ان کے نزدیک دلیلِ ادراک وہم وفکر ہے تو ہر وہ شئی جو وہم سے متوہم ہو اور دل میں خطرہ گزرے اور تفکر اس کا مستحسن (اچھی چیزوں) کو پسند کرنا اور بُری چیزوں سے باز رہنا' قبیح سے پرہیز کرنا ان کے نزدیک واجب ہے' اس کا اتباع ان کے نزدیک کفر ہے۔

الہامیہ کا مسلک

ان میں سے بعض الہامیہ ہیں' وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کا ہمیں الہام کیا کہ وہ ایک ہے اور اسی طرح اپنی نعمتوں کے شکر کا الہام کرتا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ تفکر والہام تین حال سے خالی نہیں:

(۱) یا بلاواسطہ من جانب اللہ ہو گا (۲) یا فرشتے کے واسطہ سے (۳) یا الہام خود بخود ہو گا۔

اعتراض: تو اگر وہ کہیں کہ الہام اللہ کی جانب سے بلاواسطہ ہوتا ہے تو اس سے وحی ثابت ہو گی اور خطاب اپنے نفس کے لیے' اس لیے کہ الہام ہی تو وحی خفی ہے اور وحی والہام کے ایک ہی معنیٰ ہیں' وہ یہ کہ قول یا فعل سے کسی شئی پر دلالت کرنا۔

سوال: اگر کہیں کہ الہام بواسطہ فرشتہ ہوتا ہے تو پھر ہر شخص کے لیے علیٰحدہ علیٰحدہ رسول ثابت کیا' اس لیے کہ فرشتہ رسول ومبلغِ وحی ہوتا ہے اور ان کا کلام وحی کی نفی کرتا ہے' یہ دلیل درست نہیں۔

اگر کہا جائے کہ الہام من تلقاء نفسہٖ (اپنے نفس کی طرف سے) ہوتا ہے تو اس میں ربوبیّت کا ادّعا ہے اور امر ونہی کو اپنے لیے ثابت کیا تو کافر ہو گیا اور ان میں سے آفاقیہ' تناسخیہ' براہمہ اور اباحیہ ہیں۔ انہوں نے کہا کہ عبادت شکرِ منعم ہے اور وہ تفکر سے حاصل ہوتا ہے' جو فکر وحرمت وتعظیم شکر کے ارکان واحکام نہیں' لٰہذا مبیّن ومعلم کی ضرورت نہیں' لطافتِ روح اور صفائی قلب سے یہ بات حاصل ہو جاتی ہے۔

اور انہوں نے کہا کہ آفاق میں ہر شے کے لیے بہ طریق اشارہ خطاب ہے' اس لیے کہ آگ بالطبع جلاتی ہے اور بہ طریق اشارہ لوگوں سے کہتی ہے کہ میرے قریب نہ

Marfat.com

آنا جل جاؤ گے اور محظور و مباح ہر شے میں ایک معنیٰ ہیں جو کہ بہ طریق عقل سمجھے جاتے ہیں، یہ بھی خطاء ہے اور اس کا اعتقاد کفر ہے۔

فلاسفہ نیچریہ، منجمہ کا مسلک

فلاسفہ، نیچریہ اور منجمہ کہتے ہیں کہ بندے پر سوائے معرفتِ صانع کے کچھ واجب نہیں اور یہ عقل سے معلوم ہو سکتی ہے تو وحی و رسالت کی ضرورت نہیں اور یہ عقیدہ بھی کفر ہے۔

ہمارا یہ کہنا کہ اثباتِ وحی اور رسالت حق ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بمقتضائے حکمت یہ جائز نہیں کہ اپنے بندوں کو اوامر و نواہی سے معطل چھوڑ دے حالانکہ بندے اس کے محتاج ہیں اس لیے کہ بندوں سے زدوکوب، سبّ وشتم اور قتل و ظلم عادۃً اور طبعاً پائے جاتے ہیں اور حکمت میں یہ اُمور ناجائز ہیں اور حکمت کا اقتضاء ہے کہ دنیا میں زجر و مکافات اور آخرت میں عقوبت و سزا اور بدلا دیا جائے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عدل ہے اور اگر خدا کی طرف سے امر و نہی نہ ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں پر کوئی حجت نہیں تو پھر نہ دنیا میں مکافات و بدلا ہے اور نہ آخرت میں سزا و جزا۔

پھر جب امر و نہی بہ طریق حکمت واجب ہوا تو وہ بغیر خطاب کے ہوگا اور خطاب بغیر سفراء کے نہیں ہو سکتا اور وہ (سفراء) انبیاء و رسل ہیں (علیہم السلام)۔

اثباتِ وحی کی آٹھ دلیلیں

وحی کے اثبات پر آٹھ وجہ سے استدلال کیا جاتا ہے:

(۱) ان میں سے ایک ظلم و عدوان کی حد کا بیان (۲) دوسری وجہ ظلم و عدوان سے انزجار و منع ہے (۳) تیسری وجہ ایجاب مکافات زجر عاجل ہے (۴) مکافات اور زواجر و تعزیر کی حدیں (۵) پانچویں وجہ دنیا میں نعمتوں اور مباحات کا بیان اور شکرِ منعم کے واجب ہونے کا بیان (۶) چھٹی وجہ شکر و عبودیت کی حد کا بیان (۷) ساتویں وجہ حقوق و مصالح کا بیان (۸) آٹھویں وجہ حسن و قبح کے اظہار کا بیان۔

اور ہم نے کہا: بیان حد ظلم و عدوان دلیل ہے، نبوت و رسالت کے اثبات پر اس لیے کہ ظلم کا پہلا درجہ گالی ہے اور یہ دو وجہ پر ہے، ایک تو وہ جو اپنے نفس پر واقع ہوتی ہے اور دوسرے وہ جو عزیز و اقارب کے متعلق واقع ہوتی ہے اور ان دونوں سے چشم پوشی نہیں کی جا

Marfat.com

سکتی' اس لیے کہ یہ دونوں ننگ و عار کے موجب ہیں تو عقل و حکمت کا تقاضا ہے اور زجر ومکافات کی حاجت ہے تو ضروری ہے کہ زجر ومکافات بھی از روئے عیب کے اس کے جرم سے ابلغ ہو' اس لیے کہ اگر زجر وتوبیخ ادون (گھٹیا) ہو یا مساوی ہو تو بسا اوقات زجر پذیر نہ ہو گا' کمینہ اور خسیس الطبع ہونے اور کم عقلی کی وجہ سے۔

پھر اگر کسی انسان کو گالی دی' اس کی ذات میں تو تعزیر واجب ہے یا پہلو تہی؟ اور اگر گالی دی اس کے اہل کو تو حد واجب ہے اور اس کی حد قیاس و عقل سے مدرک نہیں ہو سکتی اور ظلم وعدوان کی قسم ہے' ضرب یعنی زدوکوب ہے اور یہ بھی دو وجہ پر ہے: (۱) خطاءً (۲) عمداً اور ہر ایک پھر دو وجہ پر ہیں' ایک تو وہ جو درد والم کا موجب ہو' دوسرے وہ کہ موجبِ ہلاک و تلف ہو تو ہر موضع میں زجر ومکافات بقدر عمل ہونا چاہیے تو اگر ضرب خطاءً تھی اور اس سے ہلاک ہو جائے تو دیت وکفارہ واجب ہے اور اگر ضرب عمداً ہے تو قصاص واجب ہے۔

ظلم کسے کہتے ہیں؟

ظلم کہتے ہیں: ''وضع الشئی فی غیر موضعہٖ'' (کسی چیز کو بے مقام کر دینا ظلم ہے) کسی شئ کو اپنے محل میں نہ رکھنا ظلم ہے۔ عدوان کسے کہتے ہیں؟ اور عدوان کی تعریف کسی فعل کا غیر کی طرف ناحق متعدی ہونا ہے۔

عدوان کی دو قسمیں

تعدّی کبھی تو حقوق اللہ میں ہوتی ہے اور کبھی حقوق العباد' بندوں کے حق عدوان' بندوں کے حق میں عدوان ضرب وشتم' قتل اور ناحق کسی کا مال لے لینا' چوری' ڈاکہ زنی (رہزنی) اور غصب وغیرہ۔

حقوق اللہ میں عدوان

اللہ تعالیٰ کے حق میں عدوان ارتکابِ محرمات ہے' جیسے زنا' لواطت' شرک' شراب نوشی اور جھوٹ بولنا وغیرہ تو ہر موضع (جگہ) میں ہر بقدر جرم زجر وتوبیخ کی حاجت ہے اور یہ واجب کرتا ہے حد مکافات بقدرہٖ اور یہ ایسے ہی ہے جیسے ہم کہتے ہیں: چوری کے باب میں کہ یہ عدوان ہے آدمیوں کے حق میں اور فساد عالم میں اسی کے اثرات ہیں۔ اس لیے کہ قوی طاقت ور ضعیف وکمزور کا مال زبردستی اور قوت سے لیتا ہے اور ضعیف وکمزور' قوی وطاقت ور

Marfat.com

کا مال خفیہ اور پوشیدہ طور پر لیتا ہے تو اس چیز کی ضرورت ہے کہ ان دونوں صورتوں کو زاجر و مانع ہو اور قوی ضعیف سے ابلغ ہے (یعنی زیادہ رسائی والا ہے) اس لیے کہ قوی کا فساد اکثر ہے' پھر ضرورت ہے کہ مالِ مسروقہ (چوری شدہ مال) کی مقدار معلوم کی جائے اور یہ بھی ضروری ہے کہ زجر و مکافات کی حد بھی معلوم ہو تو اس سلسلہ میں ہماری گزارش یہ ہوگی تو یہ کہتے ہیں کہ جس نے علانیہ کسی کا مال لیا تو اس کا داہنا (دایاں) ہاتھ اور بایاں پاؤں قطع کیا جائے گا اور جس نے چوری کی (یعنی خفیہ کسی کا مال لیا) تو دایاں ہاتھ کاٹا جائے۔

چور کا ہاتھ کہاں سے کاٹا جائے؟

یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ چور کا ہاتھ کس جگہ سے کاٹا جائے گا؟ قطع ید کے مقام کا جاننا اس لیے ضروری ہے کہ ہاتھ کا اطلاق انگلیوں سے لے کر کندھے تک ہوتا ہے تو ہم نے کہا کہ چور کا ہاتھ کلائی سے کاٹا جائے گا' اس لیے کہ چوری اس سے کی ہے۔

کتنا مال چوری کرنے پر ہاتھ کاٹا جائے گا؟

امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک مالِ مسروق کی مقدار ایک دینار ہے اور امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک ربعِ دینار (۱/۴ دینار)۔

مال کی اقسام

پھر مال بھی دو قسم کا ہوتا ہے' ایک تو وہ کہ اس کے سبب سے بقاء عالم ہے اور دوسرا یہ کہ اس کے سبب سے بقاء عالم نہ ہو۔ تو اگر کسی نے بہت سا مال چرایا' اس قدر کہ جس سے بقاء عالم ہے تو یہ موجب زجر و قطع ہے اور اگر وہ مال لیا جس سے عالم کی بقاء نہیں ہے یا بالتبع مال ہو' خود مال نہ ہو تو یہ قطع کو واجب نہیں کرتا بلکہ تاوان و ضمان دلایا جائے گا' جیسے طعام' جلانے کی لکڑیاں (ایندھن) گھاس اور فواکہات وغیرہ۔

حقوق اللہ میں زیادتی کے احکامات

اللہ تعالیٰ کے حقوق میں عدوان و زیادتی مثلاً شراب نوشی' حنث یمین (قسم توڑنا)' ظہار' لعان' زنا تو یہ موجب زجر ہے وہ حد و کفارہ ہے اور ان چیزوں کی مقدار عقل و قیاس سے معلوم نہیں ہو سکتی' پھر زنا سب سے زیادہ قبیح اور فحش ہے اور شرعی نقطۂ نظر سے بھی اور عقلی طور پر بھی ان سب سے زیادہ بُرا ہے' اس لیے کہ زنا سے نفی انساب اور فقدان قرابت اور عدم ارحام ہے' اس

Marfat.com

لیے کہا: اگر زنا محظور وممنوع نہ ہوتا اور نکاح مشروع نہ ہوتا تو کوئی اولاد نہ پہچانتا اور کسی کا نسب ثابت نہ ہوتا' ولاء پر ولایت ثابت نہ ہوتی اور جب نسب ہی معلوم نہیں تو بسا اوقات انسان اپنی بہن بیٹی سے صحبت کر سکتا ہے جب کہ اس کو معلوم ہی نہیں کہ یہ میری بہن' بیٹی ہے یا کسی اور کی ہے۔

اسی طرح میراث معطل ہو جائے گی' اس لیے کہ جب انسان کا انتقال ہو گا تو اس کے مال کا کوئی مستحق نہیں ہو گا کیونکہ نسب وقرابت معلوم نہیں ہے تو یہ فساد عالم کا موجب ہو گا' لہٰذا زجر ومنع کی ضرورت وحاجت پائی گئی اور زجر ومنع اس مقام پر زیادہ ہونا چاہیے حتیٰ کہ جب کسی نے زنا کیا اور وہ غیر محصن ہے تو اس کو سو کوڑے لگائے جائیں اور اگر وہ محصن (یعنی شادی شدہ) ہے تو اس کی سزا سنگسار کرنا ہے' یہ چیزیں عقل وقیاس سے دریافت نہیں ہو سکتیں اور اسی طرح اللہ کی نعمتیں اور اس کا وجوبِ شکر' اس کی حدود' اس کے ارکان اور کیفیت وکمیت (کتنا' کیسے) قیاس سے دریافت نہیں ہو سکتے' اس لیے کہ نعمتیں قسم قسم کی ہیں' نعمت مالیہ اور نعمت بدنیہ تو تفاوت نعمت کی وجہ سے شکر بھی متفاوت ہو گا۔ پھر اصل وجوب شکر اور زجر تو عقل سے مدرک ہو سکتا ہے یعنی اس کا قبح اور برائی اس لیے کہ اس کی طرف ضرورت وحاجت واقع ہوتی ہے یا اس کی اچھی حالت ہے' لیکن کیفیت وکمیّت اور حدود عقل سے معلوم نہیں ہو سکتے اور ہر شخص صواب تک پہنچ نہیں سکتا' اس لیے کہ عقول متفاوت ومختلف ہیں۔ اس دلیل سے کہ اعمال متفاوت ہیں اور آراء بھی مختلف ہیں' ہر شخص اپنی رائے سے عمل کرتا ہے تو اگر امر (معاملہ) ان کی رائے اور مرضی کے سپرد کر دیا جائے تو ہر شخص جو چاہے گا کرے گا' جس طرح چاہے' جتنا چاہے' جس وقت چاہے' اپنی عقل کے تقاضا کے مطابق کرے گا اور پھر کسی کو منع کرنے کا حق نہ ہو گا اور کسی کو جائز نہ ہو گا کہ وہ کسی کی اقتداء کرے' اس لیے کہ عقل اس کی کفالت کرتی ہے کہ جب کہ وہ اپنی عقل کی رائے کے حوالے اور سپرد ہے اور یہ اولیٰ وبہتر ہے دوسرے کی تقلید کرنے سے تو خلاف اور تفاوت واقع ہو گا عالم میں' تفاوت رائے اور تفاوت اجتہاد سے۔

تو ہر ایک کا طریقہ ایک دوسرے کے خلاف ہو گا جیسے ادیانِ مختلفہ میں تو فساد وخلاف واقع ہو گا' اعمال میں بھی بہ سبب اختلافِ ادیان تو پھر عالم میں فساد پیدا ہو گا تو اگر ان اُمور کا کوئی بیان کرنے والا اور سکھانے والا نہ ہو اور ان احکام ومعانی اور وسائل کا بتانے والا کوئی نہ ہو تو یقیناً خلق معطل ہو گی اور وہ احکام ضائع ہو جائیں گے۔

Marfat.com

اور حکیم مطلق (جل شانہٗ) سے یہ بات ناجائز ہے کہ اپنی مخلوق کو معطل و ضائع کر دے اور جب ہم اپنے ذاتی معاملات میں اور اپنے گھریلو حالات میں صحیح حکم نہیں کر سکتے تو پھر ہمیں کیونکر معلوم ہو سکے گا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شکر ادا کرنے کا یہ کون سا صحیح طریقہ ہے اور اس کا حکم یہ ہے؟ اور یہ ایسے ہی ہے، جیسے ہم کہتے ہیں: روزہ، نماز، زکوٰۃ اور حج ہیں کہ ہر ایک عبادت کے لیے ارکان و شرائط اور سنن و آداب ہیں، جیسے نماز میں قیام، رکوع، سجود، تشہد اور اس کے مفسدات و محظورات اور مکروہات ہیں اور ہر عبادت میں اسی طرح شرائط و ارکان و سنن و واجبات و مفسدات و مکروہات ہیں، تو یہ چیزیں عقل و قیاس سے معلوم نہیں ہو سکتی۔ یوں ہی تعدادِ رکعات، مقادیرِ زکوٰۃ اور اس کے ارکان، یہ عقل و قیاس سے معلوم نہیں ہو سکتے، پھر مصالح جس کے وہ محتاج ہیں جیسے نکاح، طلاق، بیع، شراء، اجارہ، مزارعت، ایداع، استیداع، اعارہ، استعارہ، حوالہ، کفالہ، وکالت، خصومات و دعاوی، صلح، شہادت، گواہ، انکار، اکراہ یہ تمام وہ ہیں کہ لوگوں کے ہاں ان کے اندر عادۃً جھگڑا اور خیانت واقع ہوتی ہے، ان میں تنازعات واقع ہوتے ہیں، دعوے دائر کیے جاتے ہیں تو ان سب کے احکام منجاب شریعت ہونے چاہئیں برخلاف اس کے کہ جو دوسری جگہ ہوتا ہے اور جو حادثہ اور اختلاف واقع ہوتا ہے، یہ سب چیزیں دقتِ معانی کی وجہ سے اور علامات و امارات کی کثرت کے سبب جو کہ احکام کے مختلف ہونے کا موجب ہوتے ہیں، قیاس اور استدلال عقل سے نہیں پہچانی جاتیں۔

ایک ہی مسئلہ میں دو حکموں کا جمع ہونا جائز نہیں ہے، پھر حالتِ حیض میں صحبت کرنا، پانی (مادۂ منویہ سے مراد ہے) کا ضائع کرنا ہے کہ اس سے اولاد نہیں ہوتی اور علوق نہیں ہوتا اور غرض صحیح وطی میں ثبوت نسب ہے اور حصولِ اولاد و نسل ایک مدت تک بقاء عالم کے لیے مطلوب ہے تو جب حالتِ حیض و نفاس میں مقصود حاصل نہیں ہوتا تو ضروری ہوا کہ ان حالتوں میں وطی سے منع کیا جائے اور اس کے احکام کا جاننا بھی ضروری ہوا اور اس کے ایام معلوم کرنا بھی ضروری ہوا، تاکہ حیض و استحاضہ میں فرق کر سکیں اور اسی طرح وصیت و فرائض و میراث اور اس کے حساب کا اختلاف اس لیے کہ اصحاب فرائض مختلف ہیں تو ان ضروری اسباب و وجوہات کی بناء پر عقل اور حکمت کی رُو سے واجب ناگزیر ہوا کہ کوئی معلّم و مبیّن ہو جو ان احکام و اسبابِ احکام کو بیان کرے اور ان کی تعلیم دے اور اسہام و حصص کی پہچان

Marfat.com

رکھنے والا ہو اور احسان وتعبد کے ساتھ امر کرنے والا ہو اور مشکوک ومتردد اور قبائح سے ڈانٹنے والا، منع کرنے اور روکنے والا ہو۔

پھر اس آمر و مانع اور زاجر اور مُبیّن احکام ومعانی اور مقادیر فی الاحکام کے لیے جائز نہ ہوگا کہ اپنی طرف سے کچھ کہے یا کرے، اس لیے کہ وہ قول وفعل دوسرے سے اولیٰ نہ ہوگا کیونکہ ہر عاقل اپنے حال کو دوسرے کی نسبت خوب اچھی طرح سے جانتا ہے تو لازم وضروری ہوا کہ وہ آمر وناہی (حکم دینے والا اور منع کرنے والا) بہ تعلیمِ الٰہی حکم کرے تو اس سے وحی کی ضرورت ثابت ہوگئی اور ملحدین وفلاسفہ اور منجمہ کا قول باطل ہوگیا کہ تعبّد وشکر عقل سے دریافت ہوسکتا ہے وحی کی ضرورت نہیں۔ ہماری تقریر سے ان کی خطا اور ان کا عقیدہ باطل ہونا یقیناً ثابت ہوگیا، اس لیے کہ دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں پایا گیا جس نے شریعت قائم کی ہو اور اپنی طرف سے مسائل واحکامِ دین بیان کیے ہوں اور وہ مسائل واحکام ان احکام کی مثل ہوں جو انبیاء کرام صلوات اللہ وسلامہٗ علیہم اجمعین نے بیان فرمائے اور ان میں کوئی فساد نہ ہو اور نہ ہی ان پر کوئی اعتراض ہوسکتا ہے۔

اور جو کچھ انبیاء کرام نے بیان فرمایا وہ اپنی طرف سے نہیں فرمایا بلکہ انہوں نے وحی سے یا بتاثیرِ وحی یا دلالتِ آیات سے بیان کیا اور اگر وہ نری عقل سے بیان کرتے تو ان کا قبول کرنا واجب نہ ہوتا اور اسی طرح منتشر ہوجاتے جیسے تمام اقاویل منتشر ہوگئے، خطا وکفر کی وجہ سے اور اگر احکامِ شریعت میں کوئی نقص وخلل ہوتا تو کوئی قبول نہ کرتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(نوٹ: حضرت سیّد صاحب قبلہ تحریر فرماتے ہیں: اس بیان کو پھر ترجمہ کے مطابق کرلیا جائے، شاید مصنف کا مفہوم ادا نہ ہوسکا ہو۔)

دوسرا قول

عصمت انبیاء کا بیان

اشعریہ

جان لو! عصمت انبیاء میں لوگوں نے کلام کیا ہے۔ اشعریہ کہتے ہیں کہ انبیاء ورسل وحی

Marfat.com

و انباء سے قبل نہ رسول ہیں اور نہ انبیاء اور سوائے کفر کے وہ معاصی سے بھی معصوم نہیں اور ایسے ہی وفات کے بعد وہ انبیاء نہیں' یہ خطائے عظیم ہے۔

متقشفہ اور عقیدۂ عصمت نبوت

کرامیہ میں سے متقشفہ نے کہا کہ نبی قبلِ وحی نبی نہیں ہوتا مگر معصوم ہوتا ہے اس لیے کہ وہ ولی ہوتا ہے۔ پھر جو گناہ موجب حد و تعزیر اور موجب عار و شا ہو ان سے معصوم (محفوظ) ہوتا ہے اور جو گناہ موجب سقوط عدالت ہے اس سے قبلِ وحی معصوم نہیں اور بعد وحی معصوم ہوتا ہے۔

بعض حضرات کا عقیدہ

(۱) اور بعض کہتے ہیں: قبلِ وحی معصوم نہیں ہوتے بعد وحی معصوم ہوتے ہیں۔

(۲) بعض کہتے ہیں: قبل وحی اور بعد وحی معصوم نہیں ہوتے۔

(۳) بعض کہتے ہیں: رسول وحی کے بعد معصوم ہوتا ہے' نبی معصوم نہیں ہوتا۔

بعض معتزلہ کا مذہب

معتزلہ میں سے بعض کہتے ہیں: نبی قبل وحی نبی ہوتا ہے اور معصوم ہوتا ہے اور بعض کہتے ہیں: نہ نبی ہوتا ہے اور نہ معصوم۔

اہل سنت و جماعت اور عصمت نبوت

اہل سنت و جماعت فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام قبل وحی انبیاء ہوتے ہیں اور معصوم واجب العصمۃ اور رسول قبل وحی رسول و نبی ہوتا ہے اور مامون ہوتا ہے اور ایسے ہی بعد وفات۔

دلیل اس کی اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کا قول ہے' عیسیٰ علیہ السلام کی خبر دی اور تصدیق فرمائی' جب کہ وہ مہد پرورش میں تھے: ''قال انی عبد اللہ اتانی الکتاب و جعلنی نبیا'' (مریم: ۳۰) عیسیٰ نے کہا: میں اللہ کا بندہ ہوں' اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے' اور معلوم ہے کہ بچوں کو وحی نہیں ہوتی اور کتاب نہیں ملتی مگر نبی و رسول کو یہ نص قطعی ہے' بغیر تاویل و تعریض کے اور اس کا انکار کرنے والا کافر ہے۔

Marfat.com

نبی محترم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ آپ کس وقت نبی تھے؟ فرمایا: میں اس وقت نبی تھا کہ آدم علیہ السلام آب و گِل میں تھے' اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ انبیاء کرام کے لیے عصمت قبل وحی موجبات ضروریہ سے ہے اور بعد وحی تو بہ طریقِ اولیٰ عصمت ضروری ہے' اس لیے کہ اگر انبیاء وحی سے پہلے جھوٹ اور گناہوں سے معصوم نہ ہوں گے تو ان کے دعویٰ نبوت میں شبہہ ہوگا۔

اور جب کہ وہ جھوٹ بولنے میں معروف ہے یا اس سے کذب صادر ہونا جائز ہو تو اس کا صدق بھی کذب پر محمول کیا جا سکتا ہے' عادۃً وظناً بنا بر ارشاد نبی کریم ﷺ کہ جو جھوٹ بولنے میں مشہور ہو اس کا سچ بھی جھوٹ ہوتا ہے اور باوجود شبہ واقع ہونے کے اس دعویٰ نبوت میں اور ایسے شخص پر وحی نازل کرنا جائز نہیں' جو کاذب ہو اور دعویٰ میں شبہ ظاہر ہو اور اس لیے کہ اگر وحی سے قبل جھوٹا دعویٰ نبوت کرے اور پھر بعد وحی وہ سچا دعویٰ نبوت کرے تو پہلے کی طرح یہ بھی قبول نہیں کیا جائے گا' اس لیے کہ اگر وہ ایسے گناہوں سے معصوم نہ ہو' جو سقوطِ عدالت کا موجب ہیں تو وہ فاسق ہوگا اور فاسق اہل شہادت سے نہیں کیونکہ شبہہ اس میں گھر کر گیا ہے' متمکن ہو گیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جب اس میں اتنی دیانت بھی نہیں کہ فسق سے باز رہے اور منع کرے تو بسا اوقات وہ جھوٹ اور کذب سے بھی احتراز نہیں کرے گا' اس لیے ہم نے کہا کہ حکمت کے خلاف ہے کہ جھوٹے اور فاسق شخص پر وحی نازل کی جائے تو نہ صرف جواز بلکہ واجب ہے کہ وہ وحی سے پہلے معصوم ہو' اس لیے کہ جو چیز جواز میں ہے تو اس میں نبی' غیر نبی' امت سب مساوی ہیں کہ جائز ہے کہ وہ معصوم ہو اور جائز ہے کہ معصوم نہ ہو تو عصمت انبیاء بہ طریق وجوب ثابت ہو گئی نہ کہ بہ طریق جواز تو جب نبی قبل وحی واجب العصمۃ ہوئے تو ثابت ہوا کہ وہ نبی تھے' اس لیے کہ غیر کا معصوم ہونا واجب نہیں تو جب ثابت ہو گیا کہ انبیاء کے حق میں عصمت واجب ہے تو ضروری ہوا کہ وہ معصوم ہوں' صغائر و کبائر سے اس لیے کہ اگر ہم کبیرہ کو جائز قرار دیں تو ان سے کفر بھی جائز ہوگا اور اگر ہم ان سے صغیرہ کا صدور جائز کہیں تو ان سے کبیرہ بھی جائز ہوگا' اس لیے کہ صغیرہ قصد و نیت سے کبیرہ ہو جاتا ہے اور یہ جائز نہیں تو واجب ہوا کہ وہ صغیرہ و کبیرہ اور نیت صغیرہ سے بھی معلوم ہوں۔

Marfat.com

اعتراض: اگر کہا جائے کہ ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی، جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا: ''وَاجْنُبْنِی وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ'' (ابراہیم:۳۵) مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں سے دور رکھ اور ایسے ہی ''فَلَمَّا رَاَی الْقَمَرَ بَازِغاً قَالَ هٰذَا رَبِّی'' (الانعام:۷۸) جب انہوں نے چاند کو چمکتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے: یہ میرا رب ہے اور ایسے ہی سورج اور ستاروں کو دیکھ کر فرمایا اور حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی اور کہا: ''تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا'' (یوسف:۱۰۱) مجھے اسلام کی حالت میں وفات عطا فرما اور برادرانِ یوسف نے یوسف علیہ السلام کو فروخت کیا ''باعوه بثمن بخس'' اور معلوم ہے کہ آزاد کا بیچنا حرام ہے تو اگر قبل وحی انبیاء کے حق میں عصمت واجب ہوتی تو وہ قبل وحی نبی ہوتے تو ان سے یہ باتیں ظہور میں نہ آتیں۔

جواب: ہم کہتے ہیں: ''هذا ربی'' کے معنیٰ ہیں: ''اهذا ربی؟'' کیا یہ میرا رب ہے؟ یعنی استفہام کے طور پر کہا کہ اس کو میرا رب ٹھہراتے ہو؟

اور بعض نے اس کی توجیہ یوں کی کہ یہ آپ نے استہزاء کے طور پر فرمایا یعنی کافروں سے استہزاء فرمایا کہ یہ میرا رب ہے ''هذا اکبر'' یہ تو بہت بڑا ہے۔

اور بعض نے کہا کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے چاند کو روشن دیکھا تو فرمایا: اس کے لیے بھی رب ہے جس نے اس کو پیدا کیا ''هذا ربی ای خالق هذا ربی'' کہ اس کا پیدا کرنے والا ہی میرا رب ہے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: میں نے کسی شئی کو نہیں دیکھا مگر اس میں مجھے خدا نظر آیا یعنی میں نے دیکھ کر پہچانا کہ اس کا بھی پیدا کرنے والا اللہ ہے، تو ثابت ہوا کہ انہوں نے اس کے خالق کا ارادہ فرمایا اور ''وَاجْنُبْنِی وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ'' اور ''تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا'' یہ دعا ہے اور دعا انبیاء کرام کے لیے جائز ہے، اس لیے کہ انبیاء کرام کی معرفت اقوی و آکد ہے کیونکہ انہوں نے جس چیز کا معائنہ کیا وہ انہی کا حصہ ہے، کسی اور نے یہ معائنہ نہیں کیا۔

Marfat.com

انبیاء خاتمہ سے مامون ہوتے ہیں

اور ان کو اللہ عزوجل کی عظمت و ہیبت وہ حاصل ہے جو کسی کو نہیں اور انبیاء مرسلین صلوات اللہ علیہم خاتمہ سے مامون ہیں اور انباء سے خوف عبودّیت سے زائل نہیں ہوتی تو اللہ عزوجل کے خوف و ہیبت اور جلال سے وہ دعا کرتے ہیں۔ تم دیکھتے نہیں کہ حضور ﷺ نے قبر کے عذاب سے پناہ مانگی اور معلوم ہے کہ قبر کا عذاب انبیاء کرام کو نہیں ہوگا (اور یہ دعائیں تعلیمِ امت کے لیے ہیں) دوسرے معنیٰ ''وَاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ'' کے یہ ہو سکتے ہیں کہ اس سے مراد اولاد و ذرّیت ہے' اپنی طرف نسبت اس لیے کی کہ یہ اصل ہیں اور وہ فرع ہیں اور ''تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا'' کا معنیٰ ہے: یعنی ''سالمًا عن الامارۃ و اشباہ ذلک'' کہ اے اللہ! مجھے اس حالت میں اپنے پاس بلانا کہ میں بادشاہت اور اس کی مثل اشیاء سے محفوظ ہوں۔

پہلی شریعتوں میں آزاد کی خرید و فروخت جائز تھی' ابتداء اسلام میں حر کی بیع جائز تھی

اور برادرانِ یوسف کا حضرت یوسف علیہ السلام کو فروخت کرنا' یہ ان کی لغزش بلا قصد ہے' دوسری بات یہ تھی کہ سابقہ امم میں آزاد کا بیچنا جائز تھا' بہ سبب سرقہ اور دین و اقرار وغیرہ اور نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ ابتداء اسلام میں ایک عورت کو دین کے بدلے فروخت کرنے کا حکم تھا' پھر منسوخ ہوگیا۔ ایسے ہی برادرانِ یوسف نے اقرار و سکوت کی وجہ سے تاویل کی اور یہ ان کی اجتہادی خطا تھی اور ان سے لغزش واقع ہوئی' لہٰذا ان پر الزام نہیں آ سکتا۔

بعض فقہاء اور مسئلہ عصمت انبیاء

بعض فقہاء کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام بغیر شرط کسب کے معصوم ہوتے ہیں یعنی اگر ان سے کوئی فعل بغیر قصد کے صادر ہو جائے تو ان کے حق میں ذلت و لغزش ہے اور ہمارے حق میں معصیت ہے اور وہ صغیرہ کی مثل ہوتا ہے اور یہ فعل ان سے قصداً نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور رحمت سے ان کو معاف فرما دیتا ہے اور اس کے معنیٰ یہ ہوئے کہ ان

Marfat.com

سے صغیرہ گناہ ہو سکتا ہے تو جائز ہے کہ ان سے کبیرہ بھی صادر ہو اور جب معاذ اللہ کفر کا صدور جائز ہوا تو یہ شرائع اور احکام اور دین سب کے بطلان کا مقتضی ہے' اس لیے کہ کفر عمل کے بطلان کا موجب ہے اور پھر ان کے کفر کی وجہ سے ساری امت کی تکفیر لازم ہوگی اور یہ محال ہے اور اس لیے کہ انبیاء کرام مخلوق پر اللہ کی حجت ہوتے ہیں اور حجت نہ باطل ہوتی ہے اور نہ ٹوٹتی ہے تو صحیح وہی ہے جو ہم نے کہا اور اس لیے کہ رسول حق کے مدعی ہوتے ہیں لامحالہ اور اپنے دعویٰ کی صحت پر معجزہ ظاہر کرتے ہیں اور معاذ اللہ اگر ان سے کفر کا صدور ممکن ہو تو پھر ہر وقت' ہر آن جائز ہوگا تو پھر کفار اگر معجزہ طلب کریں اور وہ اس وقت معاذ اللہ کے ساتھ کفر کر رہا ہے تو منکر و مدعی میں اس وقت کیا فرق ہوگا؟ اور دعوئ نبوت کسی طرح صحیح نہ ہوگا کیونکہ اس کے دعویٰ میں جواز کفر کا شبہہ ہے۔

اور نیز یہ حکمت کے بھی خلاف ہے کہ ایسا رسول بھیجا جائے کہ جو کفر سے مامون نہ ہو' تو پھر وہ اور منکر انجام میں برابر ہوں گے اور یہ کسی طرح جائز نہیں اور عامۃ الفقہاء کے نزدیک انبیاء سے لغزش (ذلت) جائز ہے اور بعض معتزلہ کے نزدیک جائز نہیں ہے اور صورت مسئلہ یہ ہے کہ صغیرہ بغیر قصد صادر ہو۔

تیسرا قول
انبیاء کرام کے معجزوں کے بارے میں

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ نبوت کا ثبوت اور صحیح ہونا معجزہ کے ذریعے معلوم ہوتا ہے اور معجزہ کی تعریف ہے: دلیل کے مطالبے یا نبوت کے دعویٰ کے بعد ایسے خلافِ عادت کام کو ظاہر کرنا جو کسی بھی طرح باطل نہ ہو اور اگر لوگ سخت کوشش کے باوجود اس کی مثال لانے سے عاجز رہیں اور لوگ ایسے کام میں مہارت اور دسترس بھی رکھتے ہوں اور امت جس معجزہ کی درخواست کرے وہ اسی وقت اس کے سامنے کر دیا جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب یہ معجزہ کسی بھی وجہ سے باطل نہ ہو اور جس چیز میں معجزہ کا سوال کیا گیا ہے اس میں اور اس کے غیر میں یہ معجزہ دلیل قطعی ہو اور معجزہ کے ثبوت کا یہ حکم عین (موجود فی الخارج) اس کی ضد

Marfat.com

(عدم) کی طرف بھی جائے گا اور فی الفور ثابت کیا جائے گا اور اس کے بعد بھی باقی رہے اور یقینی اور قطعی طور پر حکم کیا جائے گا' یہ معجزہ اور برہان ہے' دعوئے نبوت کے صحیح ہونے کے لیے۔

ہم نے کہا کہ "دلیل کے مطالبے اور دعوائے نبوت کے بعد اس کو ظاہر فرمانا واجب ہے" اس کی دلیل یہ ہے کہ جب امت نے نبوت کا دعویٰ کرنے والی ہستی سے حجت طلب کی اور اس مدعی نے اس میں بہت زیادہ تاخیر کر دی تو اس سے تلاش رزق' جعل سازی' دھوکہ اور حیلہ سازی کا وہم ہو گیا[1] 'لہٰذا شبہہ لازم آئے گا اور یہ جائز نہیں ہے۔

اور ہم نے کہا کہ "وہ عادت کو توڑنے والا ہو" اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر وہ معجزہ ایسا ہوا جس کی لوگوں کو عادت ہے تو شبہہ پہلے سے بھی زیادہ ہو گا' اس لیے کہ ہر کوئی اس کی مثل لا سکے گا تو اس کے دعویٰ کا قطعی اور یقینی طور پر علم لازم نہیں آئے گا۔

ہم نے کہا کہ "وہ کسی بھی وجہ سے محال نہ ہو" اس لیے کہ اگر انہوں نے اس سے باطل چیز کا مطالبہ کیا تو اس پر اس کا ظاہر کرنا واجب نہ ہو گا' مثلاً معصیت اور اللہ تعالیٰ کے غیر کی عبادت تو ایسی چیز کو طلب کرنا جس کا وجود اور پیدائش جائز نہ ہو جیسے کہ وہ بغیر جوہر کے عرض کو طلب کریں یا ایک ہی وقت میں زندہ اور مردہ شخص کا مطالبہ کریں یا اس سے اللہ تعالیٰ کی مثل چاہیں تو ان اشیاء کا وجود ہر لحاظ سے باطل و ناممکن ہو گا۔

ہم نے کہا کہ "لوگ حیلہ سازی اور سخت کوششوں کے بعد بھی اس کی مثل لانے سے عاجز ہوں" اس لیے کہ اگر لوگ حیلہ سازی کے ساتھ عاجز نہ ہوں تو مدعی نبوت سے بھی حیلہ سازی کا وہم ہو سکتا ہے۔

ہم نے کہا کہ "جب وہ اس کام میں مہارت بھی رکھتے ہوں" جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم جادوگری میں بہت ماہر تھی اور وہ لوگ اس انتہاء کو پہنچ چکے تھے کہ باقی مخلوق سے ان جیسے کاموں کا جعل سازی' جادوگری اور حیلہ سازی کے ساتھ وہم بھی نہیں کیا جا سکتا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزوں میں سے ایک معجزہ عصا مبارک کا حقیقۃً سانپ بن جانا اور بغیر کسی حیلہ کے پھر اپنی اصلی حالت کی طرف لوٹ جانا تھا' ان کی قوم نے آپ کے

[1] یعنی یہ وہم پیدا ہو گا کہ دنیا کمانے کے لیے نبوت کا دعویٰ کیا گیا ہے۔

Marfat.com

معجزے کی طرح لاٹھیوں اور رسیوں کو بنا دیا تھا' جو ان کے جادو کی وجہ سے چلتے پھرتے سانپ نظر آتے تھے تو جب انہوں نے آپ کے عصا کو حیلہ کے بغیر سانپ بنتے اور پھر جادوگروں کے تمام جھوٹ اور فریب کے پلندوں کو نگلتے ہوئے اور اس کے بعد کسی کمی بیشی کے بغیر پھر عصا بنتے دیکھا تو انہیں یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ یہ جادو اور حیلہ سازی نہیں ہے تو یہ کسی مخلوق کا کام نہیں ہو سکتا بلکہ ان کی وسعت اور عادت کے خلاف ہے' اس طرح حقیقی اور یقینی طور پر حجت ثابت ہو گی اور وہ اللہ رب العزت پر ایمان لے آئے' اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم طب میں بہت ماہر تھی' وہ یہاں تک پہنچ گئے تھے کہ حیلہ کے باوجود کوئی انسان علاج و معالجہ اور دوائیوں میں ان سے زیادہ ماہر نہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے علاج اور دوائیوں کے بغیر مادرزاد اندھوں اور کوڑھ زدہ لوگوں کو ٹھیک کر دینے اور مُردوں کو زندہ کرنے جیسے معجزے آپ کو عطا فرمائے تو انہوں نے قطعی طور پر معلوم کر لیا کہ یہ کام کسی مخلوق کی حیلہ بازی کا نتیجہ نہیں ہو سکتا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے ہو سکتا ہے اور یہ اسے ہی حاصل ہو سکتا ہے جو حق پر ہو' ایسے ہی عرب والے عربی نظم و نثر' معنیٰ' لغت اور نحو میں بہت فصیح و بلیغ تھے حتیٰ کہ وہ اس امر کی انتہاء کو پہنچ چکے تھے یہاں تک کہ اس زمانہ میں مخلوق میں سے کوئی بھی ان سے زیادہ فصیح و بلیغ نہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی اکرم ﷺ کو ایسے کلام کا معجزہ عطا فرمایا جو اپنی نظم و نثر اور معنیٰ کے لحاظ سے اس حد تک فصیح و بلیغ تھا کہ اس کی مثل لانے سے تمام مخلوق عاجز آ گئی تو انہوں نے یہ کلام ایسی ہستی سے سنا جس سے عادۃً اپنے درجے کی فصاحت و بلاغت صادر نہیں ہو سکتی' وہ ایسا کلام تھا کہ اس جیسا کلام مخلوق کا نہیں ہو سکتا کیونکہ کلام اور معنیٰ میں فصاحت تعلیم ہی سے ممکن ہو سکتی ہے حالانکہ نبی اکرم علیہ السلام اُمی تھے' کسی انسان کے آگے زانوئے تلمذ طے نہیں کیا' جس سے عادۃً فصاحت و بلاغت صادر نہیں ہوتی' مگر اس سے فصاحت و بلاغت کا صادر ہونا بلاشبہ حیرت انگیز ہے تو انہوں نے یقین کر لیا کہ یہ مخلوق کا کلام نہیں اور نہ ہی اس کی جنس سے ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے' لہٰذا ہمارا دعویٰ ثابت ہو گیا۔

ہم نے کہا کہ ''جس معجزہ کی گزارش کرے گی اسی وقت اس کا اظہار واجب ہو گا'' اس لیے کہ جب وہ محال نہ ہو کیونکہ اگر وہ معجزہ ہمیشہ ایک ہی چیز کی جنس سے ہو اور ایک ہی چیز

Marfat.com

سے متعلق ہو تو اس سے یہ تہمت پیدا ہو سکتی ہے کہ اس ہستی کا حیلہ اس چیز میں ہی کارگر ہے اور دوسری میں نہیں یا اس شخصیت کو اس جیسی جنس میں مہارت ہے اور کسی دوسری جنس میں مہارت میں یہ ایسے ہے جیسے تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہو کہ آپ کے عصا کے علاوہ بھی مختلف قسم کے معجزے تھے جیسے ید بیضاء دریا کو پھاڑ کر اس میں راستہ بنانا' چھوٹے سے پتھر سے بارہ چشموں کا جاری کرنا' خشک پتھر سے بہت سارے پانی کا بہانا اور اسی طرح تختیاں جن پر تورات لکھی ہوئی تھی اور تورات' پھر عصا تو حیرت انگیز معجزہ تھا کہ کبھی تو سانپ بن جاتا' کبھی اونٹ' کبھی ہاتھی اور کبھی درخت اور پھل وغیرہ بن جاتا تھا اور یہ ہی مطلب ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس مقولے کا' جسے اللہ تعالیٰ نے بطورِ حکایت بیان فرمایا ہے: ''وَلِیَ فِیْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰی'' اور میرے لیے اس میں دوسرے بہت سے فوائد ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات بھی ایسے ہی تھے جیسے ایک ہی گھڑے سے مختلف قسم کے رنگ نکالنا وغیرہ اور ہمارے نبی اکرم ﷺ کی بہت سی روشن نشانیاں اور ناقابل تردید دلائل تھے' مثلاً چاند دو ٹکڑے ہونا' کھجور کے تنے کا آپ کے فراق میں رونا' آپ کے دستِ اقدس میں کنکریوں کا تسبیح پڑھنا' آپ کی دعا کی برکت سے تھوڑے کھانے کا زیادہ ہونا' بھنے ہوئے گوشت کا گفتگو کرنا' درخت کا اپنی جگہ سے جڑوں سمیت اکھڑ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہونا پھر اپنی جگہ پر لوٹ جانا' اسی طرح قرآن پاک ایک قطعی معجزہ ہے' جیسے کہ ہم آئندہ بیان کریں گے۔

چوتھا قول

اعجازِ قرآن اور نبی کریم ﷺ کی رسالت کا بیان

معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن مجید بارہ وجہ سے معجزہ ہے:

(۱) نظم و معنیٰ کے لحاظ سے کیونکہ اس کی نظم (یعنی الفاظ) شعراء کے مقطع کی طرح نہیں اور نہ نثر انسانوں کے کلام کی مثل ہے بلکہ نظم خاص ہے' جو غیر معمولی اور طبیعت سے ماوراء

Marfat.com

اور فطرت سے فوق و برتر ہے اور نثر عادت سے جدا و منفرد اور یکتا ہے۔

(۲) دوسری وجہ لغت کے طریقے سے بھی ہے، وہ مختلف لغات کا اجتماع عربی اور دوسری لغتوں کے معروف الفاظ ہیں، مثل رومی، فارسی، حبشی، بربری اور لغات عربی، غیر قرشی بایں حیثیت کہ نقص و نقض عربیت و معانی میں واقع نہیں ہے۔

(۳) تیسری وجہ الفاظ میں ایجاز و اختصار ہے اور قلیل الفاظ میں معانی کثیرہ مجتمع ہیں۔

(۴) چوتھی وجہ مستعار الفاظ کا استعمال اور ضمائر کثیرہ کے باوجود مخل معنیٰ نہیں۔

(۵) پانچویں وجہ الفاظ کی تقدیم و تاخیر اور تقطیع و تفصیل اور معانی میں ترتیب ہے۔

(۶) الفاظ میں قراءتِ سبعہ کے لحاظ سے تغیّر ہونے کے باوجود حکم اور معنیٰ میں توافق قائم رہتا ہے۔

(۷) الفاظ کا علی سبیل المجاز استعمال اور پھر بھی معنیٰ مرادی کے تحقق میں کوئی کسی قسم کا عیب اور نقص پیدا نہیں ہوتا۔

(۸) الفاظ میں جمع و توافق ہے مگر احکام معانی متفرق ہیں۔

(۹) افہام کے قریب اور درک و بیان سے دور۔

(۱۰) آسان و سہل اور معروف الفاظ کا ذکر اور مخلوق کے ذہنوں سے علم سلب کر لیا اور وہ متشابہات ہیں۔

(۱۱) کسی کو طاقت نہیں اور کسی کی وسعت میں نہیں ہے تغییر و تبدیل اور تحویل اور زیادۃ و نقصان یا نقیض کی۔

(۱۲) علم غیب کا بیان اور کائنات کا علم جیسے ارشاد فرمایا: "لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ" (الفتح:۲۷) تم ضرور مسجد حرام میں داخل ہو گے، اور جیسے فرمایا: "فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ" (البقرہ:۹۴) (اے یہودیو!) اگر تم سچے ہو تو موت کی آرزو کرو "وَكَانُوْا لَا يَتَمَنَّوْنَهُ اَبَدًا" اس لیے کہ "تورات" میں مذکور ہے کہ اگر یہ موت کی تمنا کریں گے تو اسی وقت مر جائیں گے اور ایسے ہی یہود و نصاریٰ کے ساتھ مباہلہ ہے۔ ارشاد فرمایا: "فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَ نَا وَ اَبْنَآءَ كُمْ الى اخر الاية" (آل عمران:٦١) آپ فرما دیجیے کہ آؤ ہم اپنے اور تمہارے بیٹوں کو بلائیں، اس لیے مباہلہ میں حاضر نہیں ہوئے،

Marfat.com

ان کی کتابوں میں لکھا تھا کہ اگر حاضر ہوئے تو ملعون ہو جائیں گے اور ایسے ہی قرآن پاک میں قصص ماضیہ کی خبر دی' حالانکہ نبی کریم ﷺ نے کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ طے نہیں کیا اور کتابیں نہیں پڑھیں تو جو کچھ فرمایا اور خبر دی' وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھی اور اس پر دلیل کہ قرآن کریم معجز ہے اور مخلوق اس جیسی آیات لانے میں عاجز ہوئی حالانکہ اللہ تعالیٰ نے چیلنج کیا اور تحدی فرمائی کہ ''قُلْ فَاتُوْا بِكِتَابٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ '' (القصص:۴۹) فرما دیجئے اللہ کے ہاں سے کوئی کتاب لاؤ' جب عرب اس جیسی کتاب لانے سے عاجز ہو گئے تو فرمایا: ''فَاتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيَاتٍ '' (ھود:۱۳) اس کی مثل خود ساختہ سورتیں لے آؤ' یعنی دس سورتیں سورۂ بقرہ سے سورۂ ھود تک لے آؤ' جب اس سے بھی عاجز رہے تو فرمایا: ''فَاتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ '' (البقرہ:۲۳) کہ اس کی مثل ایک سورت ہی لاؤ' یعنی طویل سورت مثل سورتِ بقرہ کے یا مختصر سی سورت مثل سورتِ کوثر کے' جب اس سے بھی عاجز رہے تو پھر فرمایا: ''قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا '' (بنی اسرائیل:۸۸) آپ فرما دیجئے کہ اگر انسان اور جن اس قرآن کی مثل لانے پر اکٹھے ہو جائیں تو وہ اس کی مثل نہیں لا سکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں۔

قرآن غیر مخلوق ہے

تو یہ دلائل ہیں کہ قرآن مجید مخلوق نہیں' اس لیے کہ اگر مخلوق ہوتا تو اس کی مثل لانے سے دنیا عاجز نہ ہوتی تو ان دلائل صحیحہ سے ثابت ہوا کہ قرآن من جمیع وجوہ معجز ہے۔

پانچواں قول

اس کا بیان کہ قرآن کا اعجاز نظم سے ہے یا معنیٰ سے

بعض لوگوں نے کہا: اعجازِ قرآن نظمِ قرآن کے لحاظ سے ہے اور بعض نے کہا کہ اعجاز معنیٰ کے لحاظ سے ہے اور اصح یہ ہے کہ اعجاز نظم و معنیٰ دونوں کے لحاظ سے ہے' اس لیے کہ اگر

Marfat.com

ہم کہیں کہ اعجاز معنیٰ کے لحاظ سے ہے تو پھر یہ کہنا پڑے گا کہ تمام کتب ماضیہ معنیٰ کے لحاظ سے معجز ہیں اور یہ صحیح نہیں ہے اور اگر کہیں کہ اعجاز خاص طور پر الفاظ کے لحاظ سے ہے تو لفظ و نظم جب معنیٰ سے خالی ہوں تو کلام لغو ہوگا اور یہ محال ہے تو ثابت ہوا کہ نظم و معنیٰ دونوں کے لحاظ سے قرآن معجزہ ہے۔

پھر اس میں اختلاف کیا ہے کہ اعجاز انہی الفاظ متلوہ و قراءت سبعہ کے ساتھ مقصور و مخصوص ہے یا غیر بھی معجز ہوگا؟

حضرت امام محمد شیبانی اور امام شافعی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اعجاز انہیں الفاظ ''منزل من السماء'' اور قراءت سبعہ کے ساتھ مقصور و مخصوص ہے اور اسی وجہ سے وہ نماز میں سوائے نظم منزل کے فارسی وغیرہ زبان میں جائز نہیں رکھتے اور امام ابوحنیفہ و امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اعجاز موجود ہے خواہ کسی زبان میں ہو فارسی ہو یا عربی ''منزل من السماء'' ہو یا نہ ہو جب کہ اس میں صفتِ اعجاز باقی رہے' اسی وجہ سے قرآن پاک غیر عربی میں فارسی وغیرہ زبان میں نماز میں بھی جائز رکھا۔ پھر صفت اعجاز ابوحنیفہ و ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایجاز الفاظ جب کہ اس کے کثیر معانی ہوں اور امام محمد و امام شافعی کے نزدیک لفظ و نظم اور ترتیب شرط ہے' صفت اعجاز میں۔

چھٹا قول

کتب ماضیہ کا بیان' کتب سابقہ بھی معجز ہیں یا نہیں؟

بعض لوگوں نے کہا کہ سابقہ آسمانی کتابیں بھی معجز ہیں' بایں معنیٰ کہ وہ کلام اللہ ہیں اور یوں ہی قرآن حکیم کلام اللہ ہے اور کُل ایک ہیں۔

پھر قرآن پاک جب کہ معجز ہے بایں معنیٰ کہ وہ کلام اللہ ہے تو اسی طرح تمام آسمانی کتب و صحف معجز ہونے چاہئیں کہ کلام اللہ ہونے میں قرآن اور دیگر کتب سماویہ و صحف آسمانی میں کچھ فرق نہیں۔

Marfat.com

سابقہ کتب سماویہ معجز نہیں

اور صحیح تر وہ ہے جو ہم کہتے ہیں کہ صحف اور تمام آسمانی کتابیں اگر چہ اللہ کی طرف سے ہیں لیکن معجز نہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ'' (المائدہ:۱۳) وہ کلمات کو اپنی جگہ سے بدل دیتے ہیں، کہ ''انجیل'' میں جا بجا تحریف کرتے، اس کی جگہ سے ہٹا دیتے اور اگر معجز ہوتیں تو تحریف ناممکن تھی اور صحف و کتب سب کلام اللہ ہیں، لیکن جائز ہے کہ ایک شئ ایک زمانہ میں موصوف بہ صفتِ اعجاز ہو اور دوسرے زمانہ میں نہ ہو، ایک شخص کے ساتھ معجز ہو اور دوسرے کے ساتھ معجز نہ ہو، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ان کے زمانہ میں اور ان کے ہاتھ میں معجزہ تھا، لیکن وہی عصا دوسرے کے ہاتھ میں ہو اور کسی اور کے زمانہ میں ہو تو معجز نہیں، اسی طرح یہاں سمجھنا چاہیے۔[1]

ساتواں قول

رسول کی پہچان کا بیان

لوگوں کا اس میں بھی اختلاف ہے۔ اشعریہ کہتے ہیں: ہم نے اللہ تعالیٰ کو رسول کے ذریعے پہچانا۔

اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ ہم نے رسول کو پہچانا اللہ تعالیٰ کے ساتھ بہ سبب اعجاز۔ اور یہ مسئلہ ایک دوسرے مسئلہ کی فرع ہے۔ وہ یہ ہے کہ عقل آلہ ہے صانع کی معرفت کے حصول کے لیے نظر و استدلال کے ساتھ اہل سنت کے نزدیک تو وہ اللہ تعالیٰ کو بدلیل عقل پہچانتے ہیں، پھر رسول کو بہ طریق اعجاز پہچانتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

اشعریہ کہتے ہیں کہ عقل معرفتِ الٰہی کے لیے آلہ نہیں ہے، انہوں نے عقل سے خدا کو

---

[1] ''تورات و انجیل'' وغیرہ صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں معجز تھے اور جب تک یہ صحف اور کتابیں ان کے ساتھ تھیں کسی کو تحریف کی مجال نہ تھی اور ان کے زمانہ مبارک کے بعد یہود و نصاریٰ نے تحریف و تصحیف اور ان میں تبدیلی کر دی۔

(۱۲ سیدی ابوالبرکات)

Marfat.com

نہیں پہچانا' اس لیے کہ رسول نے خبر دی ہے' ان کو اللہ تعالیٰ کی تو وہ رسول کے خبر دینے سے اللہ کو پہچانتے ہیں اور یہ ضعیف قول ہے۔

حضرت حماد ابن ابی حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے والد ماجد امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کو رسول کے واسطہ سے پہچانا یا محمد ﷺ کو اللہ کے ذریعہ پہچانا تو حضرت امام اعظم نے فرمایا: تم کیا کہتے ہو اس بارے میں؟ حضرت حماد نے عرض کی: میرے دل میں تو یہ ہے کہ ہم نے اللہ کو حضور کے ذریعہ پہچانا ہے اس لیے کہ حضور نے ہمیں بتایا ہے۔ امام صاحب نے فرمایا: یہ خطا ہے' ہم نے محمد ﷺ کو اللہ کے ذریعہ پہچانا کہ وہ نبی ہیں' اس لیے کہ اللہ نے ہمارے دل میں ڈالا کہ وہ ایک ہے اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اس مسئلہ کا معنیٰ یہ ہے کہ کافروں نے حضور کی نبوت و رسالت کا انکار کیا' لیکن اتنا جانتے تھے کہ ان کا اِلٰہ و صانع ہے۔ دلیل یہ ہے کہ بعض کافروں نے اصنام کو خدا بنایا اور بعض نے چاند' سورج اور ستاروں کو خدا بنا لیا اور بعض نے کہا: ''هؤلاء شفعاء نا عند الله'' (یونس:۱۸) کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے شفیع ہیں' تو ثابت ہوا کہ خدا کو پہچانتے تھے اور نبی کو نہیں پہچانتے تھے مگر معجزہ سے اور اعجاز حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو رسول کو اللہ کی طرف سے اعجاز سے پہچانا۔

آٹھواں قول

نبی اور متنبّی کا بیان (سچے نبی اور جھوٹے نبی کا بیان)

امت کا اس پر اجماع ہے کہ جھوٹے نبی کے ہاتھ پر معجزہ کی مثال ظاہر ہونا جائز نہیں' جو ناقض عادت اور خارج طبیعت ہو کہ اس کی مثل لانے سے لوگ عاجز ہوں بوجہ من الوجوہ تو لوگوں کے نزدیک صحیح و ثابت ہو کہ یہ نبی ہے اور متنبّی نہیں تو شرائط معجزہ کے ہوتے ہوئے شبہ زائل ہو جائے گا اور لوگوں پر ایمان کا لانا واجب ہو جائے گا' اس لیے کہ ان کے نزدیک حجۃ قاطعہ موجبہ للعلم ثابت ہو گئی' قطعاً و یقیناً بہ طریق عقل اور اگر اس پر ایمان لائے تو وہ معذور ہوں گے اس لیے کہ ان پر اللہ کے لیے کوئی حجت باقی نہیں کہ جو ان کے لیے ممکن تھا اور جس

Marfat.com

کی وہ طاقت رکھتے تھے وہ کیا' اور شرائط معجزہ کے موجود ہونے کے ساتھ وہ نبی پر ایمان لائے اور شرائط معجزہ کے باوجود اگر شک کریں نبی اور متنبّی میں تو یہ ابطال حجت کا موجب ہوگا اور یہ محال ہے من جمیع الوجوہ۔

دوسرے یہ کہ متنبّی کے پاس معجزہ نہیں ہوتا بلکہ خرافات اور نظر بندی ہوتی ہے اور اس کا نفاذ نہیں ہوتا مگر اسی حیلہ میں اور اس کی ذات وصفات میں اور اللہ کی طرف سے جائز نہیں کہ معجزہ متنبّی کے ہاتھ سے ظاہر ہو کسی حال میں تو ثابت ہوا کہ متنبّی کے لیے معجزہ و برہان نہیں۔

نواں قول

نبی اور ولی کا بیان

نبی کسے کہتے ہیں؟

نبی وہ ہے جو انباء کا مدعی ہو' اظہارِ معجزہ کے ساتھ یا رسول کے خبر دینے یا وحی یا الہام یا رؤیائے صالحہ یا تفہیم احکام وغیرہ کے ساتھ اور وہ قطعاً و یقیناً حکم کرتا ہے کہ یہ نبی ہے اور ہر کرامت جو اس سے ظاہر ہوگی وہ اس کے دعویٰ کی صحت پر معجزہ ہوگی جو ناقض عادت وغیرہ ہوگی۔

ولی کسے کہتے ہیں؟

ولی کے بارے میں کلام کیا ہے؟ معتزلہ کہتے ہیں کہ ولی سے کرامت کا ظہور جائز نہیں یعنی جو خارج طبیعت و ناقض عادت ہو' اس لیے کہ یہ معجزہ کی مثال ہو جائے گی۔ کرامت دیکھنے والا جب ولی سے کرامت کو دیکھے گا اور نبی سے معجز دیکھے گا تو اس کو شک ہو جائے گا کہ یہ نبی ہے یا ولی یعنی دعویٰ نبوت کرنے سے قبل دیکھنے والے کو نبی اور ولی میں شک واقع ہو جائے گا تو اس سے نبوت میں شک ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس سے بلند و برتر ہے کہ نبوت کی حجت و برہان کو شبہہ کے ساتھ ملا دے' شبہہ بھی ایسا کہ نبی اور ولی میں فرق نہ کر سکے اور پھر یہ کہ شبہہ کے ہوتے ہوئے اپنے بندوں کو عذاب دے کہ تم نبی پر ایمان کیوں نہیں لائے؟

Marfat.com

فقہاء اہل سنت کا مسلک

عام فقہائے اہل سنت و جماعت فرماتے ہیں کہ ولی کے لیے کرامت جائز ہے جو خارق عادت اور خارج طبیعت ہو اور اولیاء کی کرامت نبی کی نبوت میں شبہ نہیں پیدا کرتی اور نہ اس کے معجزہ میں شبہ پیدا کرتی ہے بلکہ ولی کی کرامت تو صحتِ نبوت اور معجزۂ نبی پر دلیل ہوتی ہے۔

ولی کی کرامت اپنے زمانہ کے نبی کا معجزہ ہوتا ہے

اس لیے کہ ولی کی کرامت اس زمانہ کے نبی کا معجزہ ہے اور اس کے نبی ہونے کی تحقیق اور اس کی صحت پر دلیل یہ ہے کہ اگر اولیاء کے لیے کرامت ثابت کرنا جائز نہ ہو تو انبیاء کے لیے بھی کرامت کا ثابت کرنا جائز نہ ہوگا اس لیے کہ نبی اظہارِ نبوت اور وحی سے قبل ولی ہوتا ہے یعنی لوگوں کے روبرو وہ ولی ہوتا ہے' اگرچہ اللہ کے نزدیک تو اس وقت بھی نبی ہی ہوتا ہے اور قبلِ ظہورِ نبوت اظہارِ کرامت جائز ہے جیسے ہمارے نبی مکرم حضور پرنور سرکارِ دو عالم ﷺ اور حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ وغیرہم صلوات اللہ وسلامہٗ علیہم اجمعین کے لیے جائز ہے کہ ظہورِ نبوت وقبلِ وحی لوگوں نے نزدیک ولی اور خدا کے نزدیک نبی تھے اور اگر ولی کے لیے اثبات کرامت ناجائز ہو تو پھر وحی سے قبل نبی سے بھی کرامت کا ظہور جائز نہ ہو تو اس میں کرامت کی نفی نبی سے بھی ہو جائے گی اور یہ محال ہے۔

اعتراض: اگر کہیں کہ نبی کی نبوت اللہ تعالیٰ کے علم میں قبل وحی ثابت ہے اور ہم یہی کہتے ہیں تو اس سے نبی کے لیے اظہارِ کرامت ہے اور کرامت قبل وحی مقدمات وحی ونبوت سے ہے۔

جواب: تو کرامت مقدمۂ نبوت ہے' مقدمۂ ولایت نہیں۔ ہم نے کہا: اس میں اور بھی زیادہ استحالہ ہے' اس لیے کہ کرامت اگر خصائص مقدماتِ نبوت سے ہو تو اس میں قبل وحی اور قبل دعوئ نبوت اس پر ایمان لانا واجب ہوگا' اس لیے کہ نبی کے لیے اگر کرامت نہ ہو تو بدون نبوت کے تو قبل وحی ظہورِ کرامت سے یقیناً علم ہو جائے گا کہ یہ نبی ہے اور لوگوں پر فرض ہوگا کہ ایمان لائیں۔

اور ہمارا اس پر اجماع ہے کہ قبل وحی اور دعوئ نبوت سے پہلے اس پر ایمان لانا فرض

Marfat.com

نہیں بلکہ جائز نہیں اور بغیر دعویٰ کے اس کو نبی نہیں کہا جائے گا تو پھر وہ لوگوں کے نزدیک ولی ہو گا اور عند اللہ نبی۔

پھر اس سے جیسا کہ ہم کہتے ہیں: ولی سے ظہور کرامت ثابت ہو گیا' لیکن ان کا یہ کہنا کہ ولی کی کرامت دعویٰ نبوت سے پہلے نبی کی نبوت میں شبہ پیدا کرتی ہے' ہم کہتے ہیں کہ یہ لازم نہیں آتا' اس لیے کہ دعویٰ نبوت سے پہلے لوگوں کے نزدیک ولی اور نبی میں کچھ فرق نہیں' اس لیے کہ دعویٰ نبوت سے پہلے اس پر ایمان لانا واجب نہیں پھر جب دعویٰ کرے گا تو شبہ باقی نہ رہے گا تو اعتراض لازم نہ آیا۔ پھر نبی اور ولی میں چند وجوہ سے فرق ہے۔

ولی اور نبی میں فرق

(۱) ایک تو یہ کہ نبی اپنی نبوت کو جانتا ہے کہ میں نبی ہوں اور وہ اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور ولی کو اپنی ولایت کا علم نہیں ہوتا کہ میں ولی ہوں اور نہ وہ دعویٰ کرتا ہے۔

(۲) اور نبی اپنے معجزہ پر قطعاً اور یقیناً حکم کرتا ہے اور ولی اپنی کرامت پر ثبات کا حکم نہیں کرتا اور اس لیے کہ جائز ہے کہ استدراج ہو اور نبی کا معجزہ خاص طور پر اپنے لیے ہوتا ہے جب کہ ولی کی کرامت اس کے نبی کا معجزہ ہوتی ہے' پھر نبی پر ایمان لانا فرض ہے' پھر نبی کو اپنے رؤیا اور الہام پر ایمان لانا ضروری ہے جیسے اپنی نبوت پر اور ولی پر واجب نہیں کہ الہام و رؤیا پر ایمان لائے۔

دسواں قول

نبی افضل ہے یا ولی؟

اہل سنت و جماعت فرماتے ہیں کہ نبی ولی سے افضل ہے اگرچہ درجاتِ نبوت میں اس کا درجہ ادنیٰ ہو۔

کرامیہ میں سے متقشفہ نے کہا کہ ہو سکتا ہے کہ ولی نبی سے افضل ہو اور یہ کفر ہے اس لیے کہ انبیاء کرام علیہم السلام خاتمہ کے خوف سے معصوم و مامون پیدا کیے گئے ہیں اور جس نے کہا: ولی نبی سے افضل ہے تو اس نے اعتقاد کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے آمن ہے

Marfat.com

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "فلا یامن مکر اللہ الا القوم الخاسرون" (الاعراف:۹۹) اللہ کی خفیہ تدبیر سے صرف نقصان اٹھانے والے ہی بے خوف رہتے ہیں۔

اور نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ جس نے کہا: میں قطعی جنتی ہوں تو اس نے مامون ہونے کا دعویٰ کیا اور جو مامون ہونے کا دعویٰ کرے' اس نے کفر کیا۔

گیارہواں قول
اس کا بیان کہ انبیاء کرام بعض بعض سے افضل ہیں

اہل سنت و جماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ رُسل کرام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں اور رسل بعض، بعض سے افضل ہیں اور صاحبِ کتاب اس سے افضل ہیں جو صاحب کتاب نہیں۔ پھر اولوالعزم افضل ہیں اور ان میں سب سے افضل و اعلیٰ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ کو آدم علیہ السلام پر اس لیے فضیلت دینا جائز نہیں کہ حضور اقدس کا ارشاد ہے: میں اولادِ آدم کا سردار ہوں اور یہ نہیں فرمایا کہ میں آدم علیہ السلام سے بھی افضل ہوں' انہوں نے کہا کہ ہم اس لیے کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اولادِ آدم علیہ السلام سے افضل ہیں۔

صحیح تر یہ ہے جو ہم کہتے ہیں کہ سرورِ انبیاء محمد رسول اللہ ﷺ جملہ مخلوقات سے افضل و اعلیٰ برتر و بالا ہیں اور کسی کو حضور پر فضیلت دینا جائز نہیں' انبیاء ہوں یا فرشتے سب پر حضور کو فضیلت ہے۔

بارہواں قول
اس کا بیان کہ کیا ولایت اور نبوت سلب ہو سکتی ہے یا نہیں؟

اہل سنت: اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ نبوت کسی ذنب (گناہ) کی وجہ سے زائل نہیں

Marfat.com

ہو سکتی اور کسی نبی کا نبوت سے معزول ہونا جائز نہیں۔

متقشفہ: اور متقشفہ کہتے ہیں کہ نبی گناہ کے سبب نبوت سے معزول ہو جاتا ہے اور ایسے ہی موت کے ساتھ نبوت سلب ہو جاتی ہے' یہ قول کفر ہے۔

اشعریہ: اشعریہ کہتے ہیں کہ نبوت موت سے زائل نہیں ہوتی' ہاں! ذنب (گناہ) سے زائل ہو جاتی ہے۔ یہ عقیدہ بھی خطاء عظیم ہے' اس لیے کہ اگر نبوت گناہ اور لغزش سے زائل ہو جائے تو کفر و اسلام میں فرق نہ رہے گا' اس لیے کہ جو غیر نبی پر ایمان لائے وہ کافر ہے اور یہ شخص واحد ایک ہی دن میں جس وقت نبی ہوگا اس پر ایمان لانا ضروری ہوگا' یہی شخص جب نبوت سے معزول ہوگا تو اس کا انکار واجب ہوگا تو ایک ہی دن میں ایک شخص کئی دفعہ ایمان لائے گا اور کئی بار انکار کرے گا اور دونوں حالتوں میں وہ معذور ہوگا اور یہ بات محال ہے اور ایسے ہی اگر نبوت موت سے زائل ہو جائے تو اس حالت میں نہ وہ نبی ہے اور مبلّغ احکام اور جب یہ شخص نبی و رسول نہ ہوا' مگر وقتِ تبلیغ کہ جس وقت خدا تعالیٰ وحی فرمائے کہ وہ نبی ہے اور جب وحی سے سکوت و فراغ ہو تو وہ نبی نہیں تو ایک شخص ایک ہی دن میں کئی بار نبی ہوگا اور کئی بار نبی نہ ہوگا۔

تو جس وقت اللہ تعالیٰ وحی بھیجے اور وہ تبلیغِ احکام کرے گا نبی ہوگا اور جب وحی نازل نہ ہو اور تبلیغِ احکام سے معزول ہو جائے تو نبی نہ رہے' یہ بالکل عقل و حکمت کے خلاف ہے' اس لیے کہ نبوت جیسا کہ ہم نے بیان کیا' انبیاء سے نزولِ وحی سے قبل ثابت ہوتی ہے تو بعد الوفات نبوت زائل نہیں ہوتی اور اس لیے کہ نوم (نیند) بھی قائم مقام موت کے ہے' جیسا کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ''النوم اخ الموت'' کہ نیند موت کی مانند ہے' ہم سب اس امر پر مجتمع اور متفق ہیں کہ نیند کے ساتھ انبیاء کی نبوت سلب نہیں ہوتی اور نبوت سے معزول نہیں ہو جاتے تو اسی طرح موت کے ساتھ بھی معزول نہیں ہوتے اور اس لیے کہ انبیاء کرام وفات کے بعد بھی موجود ہیں اور اس لیے کہ انبیاء کرام پر ان کی وفات کے بعد ایمان لانا واجب ہے' جیسا کہ وفات سے پہلے ان پر ایمان لانا واجب ہے۔

پھر اگر نبوت موت سے زائل ہو جاتی تو ''محمد رسول اللّٰہ'' کہنا صحیح نہ ہوتا یعنی محمد اللہ کے رسول ہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے تھا کہ ''کان محمد رسول اللّٰہ'' محمد اللہ کے

Marfat.com

رسول تھے اور اس پر ہمارا اجماع ہے کہ یہ کہنا درست و صحیح ہے کہ ''محمد اللہ کے رسول ہیں'' تو جو کچھ ہم نے کہا: وہ صحیح ہے کہ موت اور نوم (نیند) سے نبوت زائل نہیں ہوتی بلکہ وفات و نوم (نیند) کے بعد بھی بدستور نبی ہیں اور اسی طرح اذان میں ہم کہتے ہیں: ''اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ'' کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔

اور اس لیے کہ نبوت کا حکم ثابت ہے' جیسے ایمان کا حکم ثابت ہے بلکہ اقویٰ و اولیٰ ہے تو موت کے ساتھ انسان کا ایمان زائل نہیں ہوتا اور مرنے کے بعد وہ ایمان سے خارج نہیں ہوتا بلکہ انسان مؤمن رہتا ہے' اسی طرح انبیاء کرام وفات کے بعد انبیاء ہوتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ'' (البقرہ:۲۸۵) اور مومن (بھی) سب ایمان لائے اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر (یہ کہتے ہوئے کہ ہم ایمان لانے میں) فرق نہیں کرتے کسی کے درمیان اس کے رسولوں میں سے' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو موت کے بعد رسول ہی فرمایا ہے یعنی وفات کے بعد بھی وہ رسول ہی ہیں' حیات و ممات (زندگی و موت) میں رسول ہونے میں کچھ فرق نہیں ہوتا تو جو کچھ ہم نے کہا: وہ صحیح ہے۔

ولایت

پھر ولایت میں بھی اختلاف کیا ہے۔

(۱) بعض کہتے ہیں: ذنب (گناہ) سے ولایت سلب و زائل ہو جاتی ہے۔

(۲) بعض دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ گناہ سے ولایت زائل نہیں ہوتی۔

(۳) بعض نے کہا کہ گناہِ کبیرہ کے ارتکاب سے ولایت زائل ہو جاتی ہے اور صغیرہ سے زائل نہیں ہوتی۔

اور صحیح تر یہ ہے کہ جس گناہ سے عدالت ساقط ہو جاتی ہے' ولایت بھی ساقط ہو جاتی ہے۔

فاسق ولایت کا اہل نہیں ہوگا' اسرارِ الٰہی پر مطلع ہونا ولایت ہے

کیونکہ فاسق جب انسانوں کے سرائر یعنی شہادت کا اہل نہیں اور وہ مردود الشہادت ہے تو اللہ کے سرائر یعنی ولایت کا وہ کس طرح اہل ہو سکتا ہے؟[1]

[1] اور اسرارِ الٰہی پر مطلع ہونا ولایت ہے۔ (۱۲ اسیدی ابوالبرکات)

Marfat.com

ولایت کی قسمیں

(۱) ایک ولایت ایمان ہے، وہ کبیرہ گناہوں کے ارتکاب سے زائل نہیں ہوتی۔
(۲) دوسری ولایت احسان و امتنان ہے اور وہ کبیرہ کے ارتکاب سے باقی نہیں رہتی[۱]
اور نبی سے معصیت کا امکان نہیں یعنی نہ وہ کبیرہ کا مرتکب ہوسکتا ہے اور نہ صغیرہ کا، وہ صغائر و کبائر سے معصوم ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

تیرھواں قول

اس بارے میں کہ معجزہ جب خاص کے لیے ہو تو وہ عام کے حق میں بھی ہوتا ہے یا نہیں؟

اس پر اجماعِ امت ہے کہ جب معجزہ خاص کے لیے ثابت ہو جائے تو وہ عوام کے لیے بھی حجت ہوتا ہے، اس لیے کہ جب مطالبہ نقض معجزہ اور اس کی مثل لانے کا حاذق و ماہر اور حکماء اور راسخین فی العلم (علم میں پختگی رکھنے والے) سے ہوتا ہے تو جب معجزہ کی مثل لانے سے اور اس کے توڑنے کی صلاحیت بڑے بڑے فصحاء و بلغاء اور ماہرین میں نہ ہو بلکہ سب کے سب عاجز ہو جائیں اور معجزہ کی مثل نہ لاسکیں اور نقض و فسخ اور خلل معجزہ میں نہ ہو، باوصف حذاقت و رزانت و حکمت کے تو جو نقض اور معجزہ کی مثل پیش کرنے سے عاجز ہوں اور اہل نہ ہوں اور نظر و فکر کے بھی اہل نہ ہوں تو ان کے حق میں معجزہ بہ طریق اولیٰ ثابت ہے۔

اور اس لیے اگر ہم کہیں کہ یہ معجزہ جو خواص کے سامنے پیش کیا وہ تو عاجز ہو گئے، اس کی مثل لانے سے مگر دوسرے کے لیے حجت نہیں اور نہ دوسرے کے لیے معجزہ ہے بلکہ ہر شخص کے لیے علیحدہ علیحدہ معجزہ ہونا چاہیے تو یہ "مؤدی الی مالا نہایۃ لہ" ہوگا یعنی یہ محال ہے کہ معجزہ ہر ایک کے لیے علیحدہ ہو اس لیے کہ تمام لوگوں کا نبی کی خدمت میں حاضر ہونا محال ہے (ممکن نہیں) تو جب حالتِ حیات میں سب کا حاضر ہونا ناممکن ہے تو وفات کے بعد بہ طریقِ اولیٰ ناممکن ہے اور پھر جب اس نے پیغمبر کا معجزہ نہ دیکھا تو اس پر ایمان کا لانا واجب

---

[۱] فاسق معلن، مرتکب کبیرہ ولی نہیں ہوسکتا۔ (۱۲ سیدی ابوالبرکات)

Marfat.com

نہ ہوگا اور یہ محال ہے[1]

یہود و نصاریٰ خاص کے لیے معجزہ ہو تو سب کے لیے کافی نہیں سمجھتے

اور یہود و نصاریٰ نے اس کا انکار کیا کہ معجزہ خاص کے لیے ہو تو وہ سب کے لیے کافی ہے، عنقریب ہم اس کا ذکر کریں گے۔

اجماع اور اجتہاد کی حجّیت پر بحث

اجتہاد اور اجماع حجت ہیں

اور جیسے معجزہ خاص و عام کے لیے حجت ہے، اسی طرح دین میں اجتہاد کرنے، علماء و فقہاء اور راسخین فی العلم (علم میں پختگی رکھنے والے) جب کہ وہ اہل اجتہاد سے ہوں، کسی شئ (مسئلہ) میں اجتہاد کریں تو باقی غیر مجتہدین پر واجب ہے کہ ان کے اجتہاد میں ان کی اتباع کریں اگرچہ مجتہد بعض مسائل میں مبتدع اور مخطی ہو مگر اس درجہ نہیں کہ اس کو فاسق یا کافر کہا جائے تو اس کا اتباع کیا جائے گا، اس لیے کہ اس کا اجماع و اجتہاد اس چیز میں کہ وہ متہم بالفسق والکفر نہ ہو معتبر ہے کہ اس نے اسی کو صواب دیکھا اگرچہ فی نفسہ اس نے خطاء کی ہو، لوگوں پر اس کا اتباع واجب ہے اور اگر مبتدع کی خطاء و اجتہاد موجب کفر وفسق ہے تو وہ تو اہل اجتہاد سے ہی نہیں اور اس کا اجتہاد معتبر نہ ہوگا۔

اہل سنت اور حجّیت اجماع

اہل سنت و جماعت کے نزدیک امت کا اجماع حجت ہے اور روافض اجماعِ امت کے منکر ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا '' (البقرہ:۱۴۳) اور اسی طرح ہم نے تم کو بہترین امت بنایا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور یہ رسول تم پر گواہ ہوں، پھر نبی کی شہادت اور اس کی بات خلق (لوگوں) پر حجت ہے، اسی طرح امت کی بات حجت ہے جب کہ افرادِ امت اس بات پر بلاشبہ اور بغیر کسی تہمت کے مجتمع ہوئے ہوں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ

---

[1] یہود و نصاریٰ نے اس بات کا انکار کیا ہے کہ جب معجزہ خواص کے لیے ثابت ہو تو وہ سب کے لیے کافی ہے۔ (۱۲ سیدی ابوالبرکات)

Marfat.com

نے شہادت علی الناس کے ساتھ ان کا وصف بیان فرمایا ہے' جیسے نبی علیہ السلام شاہد علی الاطلاق تمام مخلوق کے لیے ہیں' اسی طرح امت ایک دوسرے پر گواہ ہے۔

دوسری دلیل بر حجیت اجماع

دوسری دلیل یہ ہے کہ معجزات کے اثبات اور ان کے نقل میں اجماعِ امت حجت ہے تو تمام احکام کے اثبات میں بھی اجماع حجت ہونا چاہیے اور یہ ہم نے جو کہا کہ معجزوں کے اثبات اور ان کے نقل میں اجماع امت حجت ہے تو تمام احکام میں بھی حجت ہونا چاہیے' اس لیے کہ جو شخص معجزہ اور استدراج و مخرقہ میں فرق نہیں کر سکتا بالکل جاہل ہے۔ حاذقین و ماہرین و راسخین فی العلم کا اتباع اور تقلید و اقتداء واجب ہے تو ماہرین اور علماء راسخین کی ایک جماعت کا اثباتِ نبوت پر مجتمع ہے تو اس اجماع سے اس کو شبہ نہیں رہتا تو اس پر ان کا اجماع حجت ہے تو اسی طرح عامی کے لیے مجتہدین راسخین فی العلم کا اتباع واجب ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اجماع و اتفاقِ علماء راسخین فی العلم حجت ہے اور غیر مجتہد عامی و جاہل پر ان کا اتباع واجب ہے اور جو اس کا انکار کرے وہ کافر ہے جیسا کہ حضور نے ارشاد فرمایا: ''من فارق الجماعة قدر شبر فاقتلوه'' جو اہل سنت و جماعت سے ایک بالشت بھر بھی جدا ہو' اس کو قتل کر دو' نیز حضور نے فرمایا: ''لا تجتمع امتی علی الضلالة'' میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی' پھر جب امت کی بات سب پر حجت ہے تو حضور پر نور ﷺ کا ارشاد اور نبی و رسول کا قول بہ طریقِ اولیٰ حجت ہے۔

چودھواں قول

اس امر کا بیان کہ ایک زمانہ میں دو مختلف شریعتیں مقرر ہو سکتی ہیں یا نہیں؟

مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ ایک زمانہ میں دو مختلف شریعتیں مقرر کرنا جائز نہیں اور یہود و نصاریٰ اس کے منکر ہیں[1]

[1] یعنی ان کے نزدیک ایک وقت میں دو مختلف شریعتیں مقرر ہو سکتی ہیں۔ (۱۲ سیدی ابوالبرکات)

Marfat.com

ایک وقت میں دو مختلف شریعتیں کیوں نہیں چل سکتیں؟

ہمارا دعویٰ ہے کہ ایک وقت میں دو مختلف شریعتیں لاگو نہیں ہو سکتیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر دو مختلف شریعتیں ایک زمانہ میں ہوں گی تو اس میں بہت سی خرابیاں ہیں' مثلاً

(۱) احکام کا معطل ہونا (۲) اور مخلوق کا ایمان ضائع کرنا (۳) اور دین سے روگردانی کرنا ہو گا' اس لیے کہ شریعت اوّل جب امت کے لیے حجت ہے' دوسری شریعت سے اعراض کرنے کے ساتھ بایں طور کہ ہم یہ کہیں کہ ہم پہلی شریعت پر ایمان لائے اور ہم نے اس کا اتباع کیا' اب ہم شریعتِ ثانیہ کا اتباع نہیں کریں گے۔ دونوں پر بیک وقت عمل ناممکن ہو گا جب کہ ہر ایک دوسری سے مختلف ہے۔

اور پھر یوں ہو گا کبھی اس پر عمل کیا اور کبھی دوسری پر' جس میں آسانی دیکھی اس کو اختیار کر لیا اور دوسری کو چھوڑ دیا اور کبھی دوسری شریعت میں آسانی دیکھی تو اس کو اختیار کر لیا اور پہلی کو چھوڑ دیا تو جس کو چھوڑے گا اس میں کافر ہو گا۔ گویا جس کو اختیار کیا اور اس پر ایمان لایا تو مؤمن ہوا' دوسری کو چھوڑا تو کافر ہو گیا اور دونوں شریعتیں برحق ہیں تو ایک پر عمل کرنے سے دوسری شریعت کا منکر ہو کر کافر ہو جائے گا اور یہ محال ہے۔

تو لازم آیا کہ ایک شخص ایک وقت میں مؤمن بھی ہو اور کافر بھی' یہ محال ہے۔

ایک وقت میں دو امام ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

اور دو اماموں کا ایک وقت میں نصب کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ ناجائز ہے' اس لیے کہ امت میں اختلاف واقع ہو گا' جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

بعض فقہاء کرام نے فرمایا کہ ایک وقت میں دو اماموں کا قائم کرنا جائز ہے لیکن کچھ شرائط کے ساتھ یہ جواز ہے' مثلاً

☆ جب کہ دونوں اماموں میں مسافت بعیدہ ہو کہ امت میں اختلاف ناممکن ہو۔

☆ اور ایسے ہی اگر امت خبر دینے اور خبر لینے سے بُعدِ مسافت کی وجہ سے عاجز ہو۔

پہلے امام سے تو اقتداء ناممکن ہو گا' جمیع احوال میں تو وہ اقتداء کرے دوسرے امام کی'

ہمارے اس قول کے صحیح ہونے پر دلیل یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے امامت و خلافت میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مصالحت کی' اگر جائز نہ ہوتا تو آپ ان کے

Marfat.com

ساتھ نہ صلح کرتے اور نہ دین کے معاملہ میں اظہارِ خطاء میں راضی ہوتے' جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ صلح سے پہلے راضی نہ تھے تو ہماری بات درست ہوئی کہ دو اماموں کا بیک وقت ہونا جائز نہیں۔

امام کون مقرر کرے گا؟ نیز امامِ وقت کے فرائض منصبی کیا ہوں گے؟

فیصلہ کن بات: اور صحیح یہ ہے کہ امام' صاحبِ شریعت کی جانب سے مقرر ہوتا ہے' جس کا کام احکام کا قائم وثابت کرنا ہے اور یہ اسی صورت میں جائز اور ممکن ہوگا جب کہ امام ایک ہی ہو اور اس لیے کہ اگر لوگ براہِ راست امام سے خبر لینے یا خبر دینے سے عاجز وقاصر ہوں تو اس کے نائب سے تو عاجز نہیں' تو یہ کلام بھی درست نہیں اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ''اذا بویع الخلیفتان فاقتلوا الاخر منهما'' جب دو خلیفوں کی بیعت کی جائے تو دوسرے کو قتل کر دو' تو ثابت ہوا امام ایک ہی ہونا چاہیے۔

سوال: ایک وقت میں دو مختلف مذہبوں کا ہونا کیسا ہے؟

جواب: احکام وشرائع میں فتویٰ کے ذریعہ دو مختلف مذاہب کا ہونا جیسا کہ فقہاء کرام مثلاً امام اعظم ابو حنیفہ' امام مالک' امام ابو یوسف' امام محمد شیبانی' امام زفر وشافعی رحمهم الله اور باقی فقہاء کا اختلاف ہے' آیا یہ اختلاف جائز ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں مختلف آراء ہیں۔

روافض ومعتزلہ کی رائے

معتزلہ اور روافض کہتے ہیں کہ اس قسم کا اختلاف ناجائز ہے (ان کا کہنا ہے کہ مختلف مذاہب کے حاملین ائمہ وفقہاء کا اتباع جائز نہیں ہے)۔

اہل سنت وجماعت کا مؤقف

اہل سنت وجماعت کہتے ہیں کہ ہر مجتہد کا فتویٰ واجتہاد قبول کیا جائے گا' پھر اگر اس کے اجتہاد وفتویٰ میں یقین کے ساتھ خطاء ثابت ہو جائے تو اس کا اتباع واجب نہیں بلکہ امتناع ضروری ہے اور جب تک اس کی خطاء یقین سے ثابت نہ ہو تو متابعت جائز ہے مگر جس میں احتیاط وحق معلوم ہو' اس کو لیا جائے اور ترجیح کا مطالبہ واجب ہے۔[1]

---

1. جس قول کو ترجیح ہو اس کو اختیار کیا جائے گا۔ (۱۲ سیدی ابو البرکات)

Marfat.com

اہل سنت کی دلیل

اہل سنت کہتے ہیں کہ ہم نے یہ بات اس لیے کہی ہے کہ حضور اقدس سے مروی ہے کہ ''اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اهتدیتم ''یعنی میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں جس کی پیروی کرو گے ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے۔ اور یہ معلوم ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسائل میں آپس میں مختلف ہوتے تھے۔

صحابہ نے براہِ راست حضور سے دین سیکھا

اور ہم نے یہ اس لیے کیا کہ ہر ایک حضور کا صاحب ہے اور حضور سے بلا واسطہ دین کو سیکھا اور حضور ﷺ سے احکام سیکھے اور نبی کریم ﷺ کے بعد صحابہ کا آپ ﷺ کی اقتداء کرنا حضور سے سماع کے سبب یا ثقہ نے حضور سے سنا اور جو مسائل باب قیاس سے ہیں تو ہر صحابی مجتہد تھا اور سب اہل قیاس سے تھے' تو ان کا قیاس دوسروں کی تقلید کی بہ نسبت اولیٰ ہے اسی وجہ سے صحابہ میں اختلاف واقع ہوا اور اسی طرح فقہ میں اختلاف ہوا ائمہ میں۔ پھر یہ واجب نہیں کہ صحابہ اور ائمہ مذہب میں سے کسی ایک کو اقتداء کے لیے متعیّن کریں' کیونکہ اس میں دوسرے ائمہ سے اعراض وانکار لازم آتا ہے' یہ ناجائز ہے اور اگر ہم کہیں کہ مذہب ایک ہی ہونا چاہیے تو اس میں بطلانِ وحی و رسالت لازم آتا ہے' اس لیے کہ مذہب جب ایک ہو گا تو ضروری بات ہے کہ صاحب مذہب بھی ایک ہو گا اور تمام حوادث و مسائل میں وہی فتویٰ دے گا کیونکہ غیر کی طرف رجوع کرنا جائز نہ ہو گا اور یہ بھی واجب ہو گا کہ وہ خطاء ونسیان اور سہو سے معصوم ہو اور یہ لوگوں پر معاملہ تنگ کرتا ہے اور اس میں کتمان حق لازم ہو گا' اس لیے کہ غیر کی طرف رجوع کرنا جائز نہیں اور یہ جب خطاء کرے یا سہو کرے تو پھر حق کو ظاہر نہ کرے گا تو پھر ان کا درجہ انبیاء سے بھی اعلیٰ ہو گا' اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام صغائر و کبائر سے تو معصوم ہوتے ہیں لیکن وہ سہو و زلت سے معصوم نہیں ہوتے تو یہ سہو و زلت و خطاء سے معصوم مانا جائے تو یہ محال ہے کہ غیر نبی' نبی سے بڑھ جائے۔

تو ثابت ہوا کہ ہر شخص جو اہل اجتہاد ہے' وہ اجتہاد کر کے حوادث ونوازل میں جو مسائل پیش آئیں ان کا جواب دے اور اس کے فتویٰ و جواب کا لوگوں کو اتباع کرنا جائز ہے' جب تک یقین سے اس کی خطاء ظاہر نہ ہو اور طلب صواب کے لیے علل و دلائل اصولِ فقہ مذکور ہیں۔

Marfat.com

پندرھواں قول
صاحبِ شریعت اور صاحبِ دعوت کا بیان

اہل سنت و جماعت فرماتے ہیں کہ صاحبِ شریعت وہ اولوالعزم رسول ہیں اور وہ چھ نفر ہیں: اوّل: آدم علیہ السلام دوئم: نوح علیہ السلام سوم: ابراہیم علیہ السلام چہارم: موسیٰ علیہ السلام پنجم: عیسیٰ علیہ السلام ششم: حضور پر نور محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء ہیں۔

معتزلہ وقدریہ کا عقیدہ اور اس کی تردید

معتزلہ اور قدریہ کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام نہ صاحبِ شریعت ہیں اور نہ وہ رسول ہیں۔

تردید: اور یہ کفر ہے' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے بواسطہ جبریل ان پر وحی کی اور اللہ تعالیٰ نے بلاواسطہ ان سے کلام کیا اور ان کو بلاواسطہ تمام اشیاء کے نام سکھائے' پھر ان کو دنیا میں اترنے کا حکم دیا اور ان کو طواف کا حکم دیا اور ان کو احکام اور مناسک وقربانی وغیرہا کا حکم دیا اور یہ سب احکام ان پر فرض تھے' اسی طرح ان کی اولاد پر فرض تھے اور یہ سب احکام اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی ان پر فرض کیے۔

صاحبِ شریعت کسے کہتے ہیں؟

اور آدم علیہ السلام نے یہ احکام اپنی اولاد کو تبلیغ فرمائے اور یہ نبوت و رسالت اور صاحبِ شریعت کی تعریف ہے۔

جو آدم علیہ السلام کو صاحبِ شریعت نہ مانے' کافر ہے

تو آدم علیہ السلام سب سے پہلے انسان ہیں اور شریعت میں کسی کے تابع نہ تھے۔ پس جب کہ ان کو خدا نے احکام کا حکم دیا تو یہی ان کی شریعت ہوئی اور آدم علیہ السلام صاحبِ شریعت ہوئے اور جو اس کا انکار کرے وہ کافر ہے۔ پھر صاحب شریعت وہ ہے کہ جس کو اللہ کی طرف سے وحی اور الہام ہو اور امر و نہی اور ناسخ و منسوخ کے احکامات ملیں اور اپنی طرف سے بھی شریعت کو نصب کرے اور اس میں اپنی رائے سے تصرف و کارروائی کرے اور اپنے

Marfat.com

اجتہاد سے احکام بیان کرے اور بغیر وحی ظاہر کے بعض احکام منسوخ کرے اور یہ بھی خدا کی طرف سے وحی کی جاتی ہے' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰی اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی'' (النجم: ۳-۴) اور آپ اپنی طرف سے کلام نہیں فرماتے مگر وہ (اللہ کی طرف سے) کی ہوئی وحی ہوتی ہے۔

صاحبِ شریعت اور صاحبِ دعوت رسولوں میں فرق؟

پھر تمام وہ رسول جن کو صحیفے اور کتابیں دی گئی ہیں مگر ان میں امر و نہی اور ناسخ و منسوخ صراحت کے ساتھ نہ تھے' بلکہ وعظ و دعا تھیں جیسے ''زبور'' وغیرہ میں اور نہ وہ اپنی طرف سے امر و نہی میں تصرف کرتے ہیں اور نہ کسی حکم کو منسوخ کرتے ہیں' مگر وحی ظاہر جدید سے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اور یہ ان صاحبِ شریعت رسل کے تابع ہوتے ہیں جو ان سے پہلے ہو گزرے اور یہ اصحابِ دعوت ہوتے ہیں' اصحابِ شریعت نہیں ہوتے۔

کیا آدم علیہ السلام صاحبِ کتاب و شریعت تھے؟

اور جو یہ کہے کہ آدم علیہ السلام صاحبِ شریعت نہ تھے کیونکہ ان پر کتاب نازل نہیں ہوئی' یہ خیال بالکل غلط ہے' اس لیے کہ اگرچہ ان کو کتاب نہیں دی گئی مگر ان کو وحی ظاہر دی گئی اور احکام و نصبِ شریعت اور ناسخ و منسوخ اور کتاب و وحی میں کچھ فرق نہیں کیونکہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں بلکہ ہم کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کے پاس دس صحیفے تھے جو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آدم علیہ السلام پر نازل ہونے والے صحیفے تھے' ان صحیفوں میں احکام تھے تو ثابت ہوا کہ آدم علیہ السلام رسول اور صاحبِ شریعت تھے۔

سولہواں قول

اس کا بیان کہ صاحبِ شریعت پر وحی نازل ہونے سے قبل کسی سابقہ شریعت پر عمل کرنا لازم ہے یا نہیں؟

احناف اور شوافع کا فتویٰ

اس مسئلہ میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ بعض اہل علم فرماتے ہیں: اس پر قبلِ نزولِ

Marfat.com

وحی پہلی شریعت پر عمل لازم ہے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول کا قیاس یہی ہے اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق لازم نہیں اور یہ مسئلہ اصولِ فقہ میں بیان کیا گیا ہے کہ پہلی شریعتوں کے احکام جب تک دلیل نسخ وارد نہ ہوئی ہو کیا ہمارے لیے لازم ہیں یا نہیں؟ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم پر لازم ہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ہم پر لازم نہیں۔

اگر کسی نے لڑکا ذبح کرنے کی نذر مانی تو بکری ذبح کرنا پڑے گی

اسی معنیٰ کے لحاظ سے امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ جس نے نذر مانی کہ میں اپنا لڑکا ذبح کروں گا یہ نذر صحیح ہے اور ایسے ہی غلام کے بارے میں اور اس پر بکری کا ذبح کرنا لازم ہوگا' اس لیے کہ لڑکا ذبح کرنا ابراہیم علیہ السلام کے حق میں جائز تھا اور اس نذر سے بکری ذبح کر کے سبکدوش ہوئے اور دلیل نسخ ظاہر نہیں تو ابراہیم علیہ السلام کے سوا اور کوئی نذر مانے تو صحیح ہونی چاہیے اس لیے کہ مشروع چیز کی نذر مانی ہے اور نذر میں بکری متعین ہوگی جیسے ابراہیم علیہ السلام کے لیے دنبہ فدیہ میں دیا گیا۔ امام شافعی کے نزدیک یہ نذر صحیح نہیں' اس مسئلہ کا مقام کتبِ فقہ ہیں۔

وحی ملنے سے پہلے سابقہ شریعت پر عمل کیوں واجب ہوتا ہے؟

اور یہ جو ہم نے کہا کہ وحی سے قبل پہلی شریعت پر عمل لازم ہے' اس لیے کہ وحی سے قبل اس کو اپنی شریعت کا علم ہوگا۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے: ''مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتَابُ وَلَا الْاِیْمَانُ '' (الشوریٰ: ۵۲) نہ آپ یہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ ہی یہ کہ ایمان کیا ہے' یعنی دعویٰ بالایمان اور کیفیت فی الایمان۔

اور دوسری دلیل یہ ہے کہ جب شریعت منصوبہ مملوکہ علی الرشاد موجود ہے تو اس کو بلا عذر چھوڑنا جائز نہیں' قبل وحی اس کے لیے کوئی عذر نہیں اور جو شریعت کو بلا عذر چھوڑے تو وہ فاسق ہے' نیز ہماری اس بات کے درست اور صحیح ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہوسکتی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ''انجیل'' نازل ہونے سے پہلے ''تورات'' کی پیروی کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوْحًا '' (الشوریٰ: ۱۳) اسی دین کا راستہ تمہارے لیے مقرر کیا جس کا حکم اس نے نوح (علیہ السلام) کو دیا تھا' دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''مِلَّةَ

Marfat.com

اَبِیۡکُمۡ اِبۡرَاھِیۡمَ'' (الحج:۷۸) تمہارے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کا دین (پسند کیا)۔

حضور ﷺ پر ''انجیل'' کی پیروی واجب نہ تھی

پھر حضور نبی کریم ﷺ نے ''انجیل'' کی پیروی نہیں کی تو اس کی اپنی وجوہات ہیں' وہ یہ کہ حضور ﷺ پر ''انجیل'' کی پیروی فی الجملہ (آخرکار) واجب نہ تھی لیکن اس کے علاوہ ایک بات یہ بھی کہی جاسکتی ہے کہ حضور ﷺ نے ''انجیل'' کی پیروی اس لیے نہیں کی تھی کہ آپ کو ''انجیل'' کا سماع نہیں پہنچا کیونکہ حضور اقدس ﷺ زمانہ فترت میں مبعوث ہوئے اور احکام واجب ہونے کے لیے سماع شرط ہے۔

پھر یہ طے شدہ بات ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتر کر حضور انور ﷺ کی پیروی کریں گے' اس لیے کہ ان کی شریعت منسوخ ہو چکی ہے حالانکہ وہ صاحبِ شریعت رسول تھے۔ آسمان سے اترنے کے بعد بھی آپ رسول ہی ہوں گے مگر صاحبِ شریعت نہ ہوں گے' ان کو یہ جائز نہیں کہ اپنی طرف سے کوئی حکم قائم کریں مگر اللہ کی وحی سے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضور کے خلیفہ ہوں گے۔

کیا آسمان سے اترنے کے بعد حضرت عیسیٰ لوگوں کے امام ہوں گے؟

ان کی امامتِ نماز میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں ان کی امامت جائز نہیں کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اس لیے کہ متبوع ہو جائیں گے اور یہ جائز نہیں' بلکہ امام مہدی نماز پڑھائیں گے اور عیسیٰ علیہ السلام ان کے پیچھے پڑھیں گے۔

امام مہدی ہی عیسیٰ علیہ السلام ہیں

اور بعض نے کہا: مہدی ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور صحیح تر یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ نماز پڑھیں گے اور لوگوں کی امامت کریں گے اس لیے کہ مہدی علیہ السلام سے عیسیٰ علیہ السلام افضل ہیں تو امامت کے لیے زیادہ مناسب اور اولیٰ ہیں اور نماز پڑھنے سے حقیقت میں متبوع نہیں ہو جاتے' اس لیے کہ متابعۃ بالصلوٰۃ دین وشریعت میں متابعت کو واجب نہیں کرتی ہے۔

Marfat.com

نماز پڑھانے سے امام متبوع نہیں ہو جاتا، حقیقی متبوع حضور اقدس ہی ہیں

متبوع و مقتداء حقیقت میں حضور پرنور ﷺ ہی ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام تابع ہوں گے، یہ ایسے ہی ہے جیسے سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو نماز پڑھائی، حضور کی عین حیات میں تو وہ حقیقت میں متبوع نہ تھے بلکہ سب رسول اللہ ﷺ کے تابع ہیں اور نماز میں متابعت جائز ہے، شریعت میں متابعت جائز نہیں۔

فقہاء وائمہ کی متابعت حقیقت میں حضور کی متابعت ہے

جیسے ہمارے زمانہ میں فقہاء وائمہ کی متابعت حقیقت میں حضور کی متابعت ہے تو ادائے شریعت میں حضرت عیسیٰ بھی بہ منزلہ فقہاء کے ہوں گے، ورنہ وہ رسول و نبی ہیں۔

پھر اگر عیسیٰ علیہ السلام ایسا کام کریں کہ جو شریعتِ محمدیہ کی رُو سے جائز و مشروع نہیں تو اگر یہ فعل وحی جدید مقدر سے ہے اور شریعت محمدیہ کے موافق ہے اور شریعتِ محمدیہ کے مخالف وناسخ نہ ہو تو جائز ہے، ورنہ ناجائز ہے۔

سترھواں قول
شریعت و کُتُب کے نسخ کا بیان
(شریعت اور کتابوں کے منسوخ ہونے کا بیان)

تمام امت اور مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شرائع و احکام اور کتابوں میں نسخ جائز ہے۔

اعتراض: یہودیوں اور مجوسیوں نے کہا کہ شرائع و احکام اور کتابوں کا منسوخ ہونا جائز نہیں ہے، انہوں نے اپنے مؤقف پر دلیل دیتے ہوئے کہا کہ جب کسی شئی کا حکم کیا جاتا ہے تو یہ مقتضی ہے کہ اس میں مصلحت ہے اور جب کسی شے سے منع کیا جاتا ہے تو یہ مقتضی ہے کہ اس میں مفسدہ اور قباحت ہے تو ثابت ہوا کہ اچھی چیز کا حکم دیا جاتا

Marfat.com

ہے اور بُری چیز سے روکا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے "تورات" میں امر و نہی فرمائے اور اس میں مصلحت تھی۔ اس کے بعد اس سے منع فرمائے تو اس میں قبح و مفسدہ ہو گا (انہوں نے کہا) کہ گویا اللہ تعالیٰ کو ابتداء میں اس کی قباحت و فساد کا علم نہ تھا اور ایسا تو ہو نہیں سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ حکیم ہے' اس کے فعل کو سفاہت (بے وقوفی) نہیں کہا جا سکتا۔

جواب: یہودیوں اور مجوسیوں کے اس اعتراض کے جواب میں ہم نے کہا کہ وقت وقت کی بات ہے' ایک خاص وقت کسی شئی کا حکم اور امر دینے میں مصلحت ہوتی ہے' پھر دوسرے وقت میں اسی شئی کے اندر وہ مصلحت اور فائدہ نہیں رہتا' جیسے غذائیں' دوائیں اور رگ کاٹنا' بطورِ علاج گرم لوہے سے داغ دینا وغیرہ ایسی چیزیں ہیں کہ بعض وقتوں میں یہ مفید و کارآمد ثابت ہوتی ہیں' پھر انہی چیزوں میں بعض اوقات وہ فائدہ اور مصلحت نہیں ہوتی' اس لیے وقت بدلنے کے ساتھ مصلحت بھی بدل جاتی ہے' ہمیشہ ایک سا حکم نہیں رہتا۔

اعتراض: اگر کہا جائے کہ نسخ رجوع و بدء ہوتا ہے اور یہ اس شخص سے جائز ہوتا ہے جو عواقب اُمور سے ناواقف ہو۔

جواب: کہا جائے گا کہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ بدء و رجوع ہوتا ہے بلکہ اس میں (نسخ) مدت کے ختم ہونے کا بیان ہوتا ہے اور حکم اوّل کے ختم ہونے کی دلیل ہوتی ہے اور دوسرے حکم کا استیناف ہوتا ہے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو نطفہ سے پیدا کیا' پھر علقہ سے' پھر مضغہ سے؟ یہاں تک کہ فرمایا: "ثُمَّ اَنْشَاْنَاهُ خَلْقًا اٰخَرَ" (المؤمنون:۱۴) "پھر ہم نے اسے دوسری صورت میں پروان چڑھایا" اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بدء نہیں بلکہ یہ پہلے حکم کی تعمیل ہوتی ہے اور دوسرے حکم استیناف ہوتا ہے۔ اسی طرح سمجھیں کہ مثلاً اللہ تعالیٰ زندوں کو مارتا ہے اور موت سے دوچار کرنے کے بعد پھر دوبارہ زندہ کرتا ہے تو یہ بدء نہیں بلکہ استیناف ہے۔

سوال: سوال یہ ہے کہ آخر نسخ میں فائدہ کیا ہے؟

جواب: جواب یہ ہے کہ فائدہ امتحان و آزمائش اور رحمت ہے اور یہ سب فائدوں سے بڑا

Marfat.com

فائدہ ہے تو یہ نسخ قبل علم و عمل ہوا اور بعض نے کہا کہ ہمارے حق میں جائز نہیں ہے' اس لیے کہ قبل وقوع علم ہمارے لیے مشروع نہ تھا اور نبی کریم ﷺ عالم تھے اور قابل بھی تھے تو حضور کے حق میں نسخ بعد العلم قبل العمل ہوا اور یہ دلیل ہے کہ نسخ بعد العلم قبل العمل جائز ہے اور نسخ قبل العلم جائز نہیں۔

اٹھارہواں قول

قرآن مجید اور وحی کے نازل ہونے کا بیان

اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی طرف سے محمد رسول اللہ ﷺ پر اتارا گیا' مصاحف میں لکھا گیا بغیر حلول کے اور نہ وہ اس میں رکھا گیا ہے اور ہمارے کانوں سے سنا گیا اور ہماری زبان سے ہمارے الفاظ میں پڑھا گیا' ہمارے دلوں میں محفوظ ہے۔

اشعریہ کہتے ہیں کہ قرآن کلام اللہ ہے' معنیٰ فی الذات' قائم بالذات' ذات سے منفک و جدا نہیں۔ غیر منزل (اتارا نہیں گیا) مکتوب و سماع نہیں (لکھا گیا ہے نہ سنا گیا ہے) اور محفوظ نہیں ہے اور دراصل یہ مسئلہ فرع ہے' پہلے یہ پہچان ہونی چاہیے کہ کلام کسے کہتے ہیں؟

سوال: کلام کسے کہتے ہیں؟

جواب: اشعریہ کہتے ہیں: کلام معنیٰ فی الذات ہے اور معنیٰ اس سے جدا نہیں ہوتا۔

اہل سنت و جماعت فرماتے ہیں کہ کلام وہ ہے جو تکلّم سے سمجھا جائے اور قراءت وہ معنیٰ مفہوم ہے اور ان کا یہ کہنا کہ کلام معنیٰ فی الذات ہے' خطا ہے' اس لیے کہ یہ معنیٰ اس صورتِ حال سے خالی نہیں کہ یا تو غیر ذات ہے؟ یا وہی ذات ہے؟ تو اگر کہیں کہ غیر ذات ہے تو حدوثِ قرآن کے قائل ہوئے اور اگر کہیں کہ وہی ذات ہے تو صفات کا انکار کیا اور اگر تیسری صورت اختیار کرتے ہوئے کہا کہ "لا ھو و لا غیرہ" تو ان کی یہ بات کہ معنیٰ فی الذات کا نام کلام ہے' باطل ٹھہری اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْاَمِينُ عَلٰى قَلْبِكَ" (الشعراء:۱۹۳) جسے روح

Marfat.com

الامین (جبرائیل علیہ السلام) نے آپ کے قلب پر اتارا' اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ قُرۡاٰنًا عَرَبِيًّا '' (طٰہٰ: ۱۱۳) بے شک ہم نے اسے عربی (زبان میں) قرآن اتارا۔

امام ابو یوسف اور امام ابوحنیفہ کے درمیان مسئلۂ قرآن پر۔۔۔۔ چھ مہینے مناظرہ ہوتا رہا

امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سے مسئلہ قرآن پر چھ مہینے مناظرہ کیا' حتیٰ کہ میری ان کی رائے متفق ہوگئی' اس پر کہ قرآن کریم اللہ کا کلام ہے' اس کی وحی ہے اور اس کا اتارا ہوا ہے' غیر مخلوق ہے۔ اگر ہم کہیں کہ قرآن غیر منزل ہے تو جو جبریل نے نازل کیا اور حضور ﷺ نے سنا وہ کلام اللہ نہ ہوا بلکہ جبریل کا کلام ہوگا اور جو حضور نے سنا وہ کلام اللہ نہ ہوا اور یہ صحیح نہیں ہے۔

اس لیے کہ اگر ہم کہیں کہ کلام غیر منزل ہے تو درج ذیل مفاسد اور خرابیاں لازم آئیں گی۔

(ا) جو قراءت و تلاوت سے سمجھا گیا وہ کلام نہ ہو۔

(ب) جو سُنا گیا وہ کلام نہ ہو۔

(ج) پھر اس سے امر و نہی بھی صحیح نہ ہو اور کسی پر احکام میں سے کوئی حکم لازم نہ ہو کیونکہ جو جبریل لے کر آئے وہ کلام اللہ نہیں۔

جو حضور نے سنا وہ بھی کلام اللہ نہیں اور جو امت مصطفویہ نے حضور اقدس ﷺ سے سنا وہ بھی اللہ کا کلام نہیں تو ان پر حجت لازم نہیں کیونکہ حُجت تو کلام اللہ ہے اور اللہ کا حضور کو خبر دینا ہے تو جب یہ کلام اللہ نہیں تو کسی پر حجت قائم نہیں اور کسی پر واجب نہیں کہ ایمان لائے اور یہ محال و ناممکن ہے تو ثابت ہوا کہ ''کلام وہ مفہوم ہے''۔

پھر یہ معنیٰ قراءت و کتابت اور سماع و حفظ سے سمجھے جاتے ہیں' اگرچہ ہزار زبانوں میں پڑھا جائے اور ہزار مصاحف میں لکھا جائے لیکن وہ معنیٰ مفہوم ایک ہی ہوگا اس لیے تمام لغات سے سمجھا گیا اور کتابت سے سمجھا گیا وہ معنیٰ واحد یا مفہوم واحد ہے تو جو ہم نے کہا وہ صحیح ہے۔

Marfat.com

پھر "تنزیل" انفکاک کو واجب نہیں کرتی کیونکہ قرآن ایسی چیز نہیں جو منقول ہو یہاں تک کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو بلکہ وہ کلام مفہوم اور معنیٰ مفہوم ایسی چیز ہے کہ نہ اس کی تنزیل جائز اور نہ اس کی کتابت جائز، جیسے ہم کہیں کہ جس نے کتاب پر یا لوح پر لکھا ہزار دینار تو دنانیر ایک موضع سے دوسرے موضع پر منتقل نہیں ہوتے لیکن سمجھے گئے اور جانے گئے کتابت سے اور اسی معنیٰ کے لحاظ سے ہم نے کہا کہ مصاحف میں مکتوب (لکھا ہوا) ہے، اس میں حلول کیے ہوئے نہیں، جیسے دینار کاغذ میں لکھے ہوئے ہیں، کاغذ میں دینار رکھے ہوئے نہیں ہیں۔

انیسواں قول
قرآن کیا ہے؟

اہل سنت و جماعت کہتے ہیں: قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا غیر مخلوق کلام ہے، انہوں نے کہا کہ جو شخص قرآن کریم کو مخلوق کہے وہ کافر ہے۔

نجاریہ کرامیہ کہتے ہیں: قرآن پاک حادث ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ قرآن کریم محدث ہے۔

معتزلہ اور روافض کہتے ہیں: قرآن اللہ کی مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ متکلم نہیں ہے، انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ قرآن، غیر قرآن اور کسی کلام کے ساتھ متکلم نہیں ہے۔

(معتزلہ و روافض یہ بھی کہتے ہیں کہ) اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے اور نہ ہی جبریل علیہ السلام سے کلام فرمایا، بلکہ موسیٰ علیہ السلام سے جبریل نے کلام کیا جیسا اللہ نے ارادہ فرمایا اور ایسی ہی ایک روایت امام شافعی رحمہ اللہ سے مروی ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے لوحِ محفوظ میں دیکھا اور وہاں سے قرآن لائے اور اللہ تعالیٰ کے لیے نہ کلام ہے اور نہ تکلم ہے۔

اس کی بجائے ہم یہ کہتے ہیں: قرآن کلام اللہ ہے بہ سبب اضافت جیسا کہ "ناقة الله" اور "بيت الله" میں اضافت ہے۔

Marfat.com

جہمیہ کہتے ہیں: اس مسئلہ میں توقف کیا جائے۔

حنابلہ اور اصحاب ظواہر کہتے ہیں کہ قرآن وقراءت اور کلمہ وحروف اور آواز غیر مخلوق ہیں اور یہ کفر ہے، لیکن جو حضرات کہتے ہیں کہ قرآن حادث ہے تو انہیں ہم یہ کہیں گے کہ یہ صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ اگر قرآن حادث ہے تو اللہ تعالیٰ کے احداث سے ہے یا بغیر اللہ کے احداث کے حادث ہے؟ اگر کہیں کہ اللہ تعالیٰ کے احداث سے ہے تو پھر مُحدَث ہوا حادِث نہ ہوا اور اگر اللہ تعالیٰ احداث کے بغیر حادث ہو تو یہ بات مقتضی ہے کہ صانع کا وجود نہ ہو، اس لیے جب قرآن پاک محدث بغیر محدِث ہے تو جائز ہے کہ تمام عالم اور عالَم کی تمام اشیاء بغیر مُحدِث کے محدَث ہوں، یہ ناممکن ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ قرآن پاک جب حادث ہوا تو (سوال یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ کی ذات میں حدوث ہوا یا غیر ذات میں؟ تو اگر اللہ کی ذات کے غیر میں حدوث ہوا تو اللہ کا کلام نہ ہوا اور اگر اللہ کی ذات میں حادث ہوا تو اللہ تعالیٰ (مُرید ومختار تھا) اس کے حدوث کے لیے یا نہیں؟ مرید ومختار تھا یا نہیں؟

تو اگر کہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اختیار وارادہ سے حادث ہوا تو محدث ہوا، حادث نہ ہوا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا کسی شے کے حدوث کے لیے ارادہ ہی تو اِحداث ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے اختیار کے بغیر حادث ہوا تو اس کی ذات حدوثِ قرآن کے لیے اپنی ذات میں مکرَہ ومجبور ہو گا اور مجبور اللہ نہیں ہو سکتا تو ثابت ہوا کہ یہ بات درست نہیں ہے۔

کیا قرآن محدث ہے؟ نہیں تو کیوں؟

لیکن جس نے کہا کہ قرآن محدَث ہے تو یہ بھی صحیح نہیں، اس لیے کہ محدثات کی نسبت اور اشیاء کا حدوث ذاتِ باری تعالیٰ میں جائز رکھا اور ذاتِ باری میں جائز نہیں کہ وہ محدث یا حدوث کا محل بنے۔

جو اللہ کو محل حوادث ٹھہرائے، کافر ہے

اس لیے کہ اگر ایک حدیث کے لیے محل بن سکتا ہے تو جائز اور ممکن ہے کہ تمام محدثات وحوادث کا محل بنے، جیسے تکوین وتغییر اور یہ وہ جوہر وعرض اور مخلوق کی تعریف ہے اور ان صفات سے اللہ تعالیٰ کو موصوف کرے تو وہ کافر ہو جائے گا۔

Marfat.com

معتزلہ کا مسلک

معتزلہ کہتے ہیں کہ قرآن مخلوق ہے' اس لیے کہ کلام ہے اور کلام کے لیے کلمہ وحروف' ابتداء اور انتہاء ضروری ہوتی ہے' اور اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے منزہ ہے۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ کلمہ تقطیعِ اصوات (جدا جدا آوازوں کو کلمہ کہتے ہیں) اور حروف آوازوں سے اعضاء کی ہونے کی حرکات کا نام ہے اور کلام ان چیزوں کے بغیر بھی کلام ہوسکتا ہے اس لیے کہ کلام وہ معنیٰ ہیں جو سمجھے جائیں' اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا وہ فرمان ہے جو اس نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: ''اِنِّیْ اَنَا رَبُّکَ '' (طٰہٰ:۱۲) میں تمہارا رب ہوں۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ '' (القصص:۳۰) بے شک میں اللہ تمام جہانوں کو پالنے والا ہوں۔ نیز فرماتا ہے: ''اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدْنِیْ '' (طٰہٰ:۱۴) بے شک میں اللہ ہی ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں تو آپ میری عبادت کرتے رہیں۔ تو اگر کلام اصوات وحروف کا نام ہوتا تو یہ کلام اللہ تعالیٰ کا کلام نہ ہوتا اور اس کلام کا متکلم اللہ تعالیٰ کا غیر ہوتا (یعنی یہ کلام اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا ہوتا) تو دعویٰ ربوبیت غیر اللہ کی طرف سے ہوتا اور موسیٰ علیہ السلام کا اس کی تصدیق کرنا کفر ہوتا اور جو اس کا اعتقاد کرتا وہ کافر ہوتا۔ اور ایسے ہی نبی علیہ السلام نے فرمایا: ''اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق '' تو اگر کلام اللہ نہیں تو پھر یہ مخلوق ہوا اور جب قرار پایا تو اس کے ساتھ استعاذہ کفر ہوگا اور یہ ناممکن ہے اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اَلرَّحْمٰنُ O عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ O خَلَقَ الْاِنْسَانَ '' (الرحمٰن:۱۔۳) رحمٰن نے O قرآن تعلیم فرمایا اپنے محبوب کو O انسان کو پیدا کیا O' تو اللہ تعالیٰ نے تعلیم اور تخلیق کے درمیان فرق کردیا تو ثابت ہوا کہ قرآن مخلوق نہیں۔

ابن عباس اور خلق قرآن کا مسئلہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: ''القرآن کلام اللّٰہ غیر مخلوق '' (قرآن اللہ تعالیٰ کا غیر مخلوق کلام ہے) قرآن اللہ کا کلام ہے اور مخلوق نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ آخر زمانہ میں کچھ لوگ پیدا ہوں گے' جو قرآن کو مخلوق کہیں گے تو ان پر خدا' اس کے

Marfat.com

فرشتوں اور انسانوں کی لعنت۔

اعتراض: اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا'' (الزخرف:۳) بے شک ہم نے کیا اسے عربی قرآن' اور ''جَعَلَ'' کے معنیٰ تخلیق کے ہیں' ہم کہتے ہیں: اگر ''جَعَلَ'' کو جمیع وجوہ سے تخلیق کے معنیٰ میں قرار دیا جائے تو یہ کفر تک پہنچانے والی بات ہوگی' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا'' اور جو یہ اعتقاد کرے کہ ''جعل'' اس جگہ تخلیق کے معنیٰ میں ہے تو کافر ہو جائے گا اور ان کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ و آدم و جبریل و محمد صلوات اللہ وسلامہ علیہم سے کلام نہیں کیا تو یہ کفر ہے' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا'' (النساء:۱۶۴) اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ (علیہ السلام) سے (بلاواسطہ بہ کثرت) کلام فرمایا اور تکلیم بروزنِ تفعیل موجبِ تاکید و تحقیق ہے' یہ نص قطعی ہے' اس کا منکر کافر ہے اور اگر اللہ تعالیٰ متکلم نہیں تو دعویٰ ربوبیّت اور امر و نہی غیر اللہ کی طرف سے ہوں گے اور یہ ناممکن ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا'' (النساء:۸۲) اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے غیر کی طرف سے ہوتا تو ضرور اس میں وہ بہت اختلاف پاتے۔ پھر اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے بغیر صوت و حروف کے کلام کیا ہے تو یہ ممکن نہیں کہ جبریل علیہ السلام بغیر صوت و حروف کے سمجھیں یا سنیں۔

جواب: ہم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے بغیر صوت و حروف کے کلام فرمایا اور جبریل کو اللہ تعالیٰ نے صوت و حروف کے ساتھ سنایا اور صوت و حروف مخلوق ہیں اور یہ ناممکن نہیں' اس لیے کہ ہم اللہ کے کلام کو پڑھتے ہیں اور ہماری قراءت اور حروف مخلوق ہیں اور مقروء (یعنی جو پڑھا گیا) وہ اللہ کا غیر مخلوق ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے درخت سے فرمایا: ''اَنْ يّٰمُوْسٰى'' تو اللہ تعالیٰ نے درخت میں صوت (آواز) و حروف پیدا فرمائے اور موسیٰ علیہ السلام نے کلام کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام درخت سے صوت و حروف کے ساتھ سنا دیا تو جب درخت کے واسطہ سے کلام درست ہوا تو بواسطۂ جبریل اور دوسرے وسائل سے بھی جائز ہوا' اسی طرح

Marfat.com

بلاواسطہ بھی جائز ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ'' (الاعراف:۱۴۳) اور موسیٰ سے ان کے رب نے کلام فرمایا' اور یہ اس بات میں نص ہے' نیز اللہ کا ارشاد ہے کہ ''وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا'' (الشوریٰ:۵۱) اور کسی بشر (یعنی انبیاء علیہم السلام) کے لائق نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے کلام کرے مگر وحی کے ساتھ یا پردہ کے پیچھے سے' یعنی انبیاء سے ''اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ'' (یا پردے کے پیچھے سے) یعنی آدم و جبریل و محمد صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین۔

اور اس پر دلیل یہ ہے: ''فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ'' (البقرہ:۹۷) یعنی جبریل نے اسے اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ کے قلب انور پر اتارا یعنی اس کی تلاوت کو جبریل نے آپ کے قلب اقدس پر اللہ کے اذن و اجازت سے نازل کیا اور یہ سب نص ہیں۔

کلام' تکلم' تکلیم میں کیا فرق ہے؟

اہل سنت و جماعت کے نزدیک کلام' تکلُّم' تکلیم میں کچھ فرق نہیں۔

اشعریہ کہتے ہیں کہ کلام قدیم ہے اور تکلیم و تکلُّم حادث و محدث ہیں اور جو جبریل نے سنا وہ تکلیم و تکلُّم ہے کلام نہیں' لیکن یہ بات درست نہیں اس لیے کہ تکلیم کلام سے خالی نہیں کیونکہ جو معنیٰ تکلیم سے سمجھے وہ درحقیقت کلام ہے۔

فقہاء اہل سنت کا ارشاد

ہمارے فقہاء فرماتے ہیں کہ کلام تو بغیر تکلیم و تکلُّم کے بھی ممکن ہے لیکن تکلیم و تکلُّم بغیر کلام کے نہیں ہو سکتے' اس کے معنیٰ وہی ہیں جو ہم نے ذکر کر دیئے ہیں۔

جس نے کہا کہ حروف و کلمہ مخلوق نہیں تو یہ کلام انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے' اس لیے کہ حروف و کلمہ آواز اور اعضاء کے محتاج ہیں کیونکہ حروف کے مخارج وہ اعضاء ہیں جیسے ہونٹ' زبان' حلق' تالو تو یہ صانع کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے (یعنی اللہ کو مخلوق کے مشابہ قرار دیتا ہے) اور یہ بلاخلاف کفر ہے۔

اللہ کیسے کلام فرماتا ہے؟

فیصلہ کن اور درست بات: صحیح تر یہ ہے کہ ہم کہیں کہ قرآن اللہ کا کلام ہے' مخلوق نہیں ہے اور اس کے لیے نہ آواز ہے نہ حروف ہیں' نہ کلمہ ہیں' نہ آیت' نہ سورت' نہ تقطیع' نہ تفعیل' نہ

Marfat.com

بدایت، نہ نہایت، یہ سب صفات قاری کی طرف لوٹتی ہیں۔ قاری کی قراءت، حروف و آواز، لفظ و آیت، سورت و نظم و تقطیع، حد اور نہایت و بدایت سے ہوتی ہے، یہ سب کلام اللہ سے حکایت ہے اور کلام اللہ بغیر حکایت ہے۔

سوال: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تخلیق عالم سے پہلے متکلم تھا یا نہیں؟

جواب: بعض نے کہا: متکلم تھا اور بعض نے کہا: نہ متکلم تھا نہ غیر متکلم۔ اصح یہ ہے کہ جو ہم کہتے ہیں کہ زیادت ونقصان (کمی وبیشی) خدا کی صفات میں جائز نہیں تو جب جائز ہے کہ فی الحال متکلم ہو تو ایسے جائز ہے کہ ازل میں متکلم ہو اس لیے کہ اس سے صفاتِ باری میں کچھ فرق نہیں پڑتا کہ وہ ازل میں متکلم تھا یا نہیں تھا؟ اور قبل از تاثیر صفات کا اثبات کرنا جائز ہے۔

بیسواں قول

سات قراءتوں (قراءت سبعہ) کا بیان

ساتوں قراءتوں سے نماز جائز ہے

امت کا اجماع ہے کہ اگر قرآن پاک کو ساتوں قراءتوں کے ساتھ نماز یا خارج میں نماز میں پڑھا جائے تو جائز ہے، اس لیے کہ حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ قرآن پاک سات قراءتوں میں نازل ہوا ہے، سب قراءتیں شافی وکافی ہیں، نیز ساتوں قراءتیں نقل متواتر کے ساتھ ہم تک پہنچی ہیں۔

قراءت سبعہ میں سے کسی ایک کا انکار بھی کفر ہے

جو ان میں سے ایک قراءت کا انکار کرے کافر ہو جائے گا۔

سوال: اگر یہ سوال ہو کہ اللہ تعالیٰ نے سات قراءتوں سے تکلم فرمایا یا ایک قراءت سے کلام فرمایا؟

جواب: ہم کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے ساتھ تکلُّم فرمایا، بغیر قراءتوں کے اور اللہ تعالیٰ متکلم ہے، نہ عربی، نہ سریانی، نہ لغتوں میں سے کسی لغت میں، اس لیے کہ لغت حرف و

Marfat.com

آواز کی محتاج ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ اس سے منزہ و پاک ہے اور اس کا کلام عربی' فارسی' سریانی نہیں اور اس کا کلام واحد ہے' لغات کا مقتضی اور موجب نہیں اور ایک کلام سے متکلم ہے اور کلام اس کی صفت ہے' لیکن جبریل علیہ السلام اللہ کے حکم سے اس کا کلام ہر پیغمبر کی زبان کے مطابق لے کر اترے تو قرآن سات قراءتوں میں نازل ہوا۔

اس پر دلیل یہ ہے (جو مروی ہے) کہ حضور کے سامنے ایک قراءت میں قرآن پڑھا گیا تو آپ نے فرمایا: اسی طرح نازل ہوا' پھر دوسرے آدمی نے دوسری قراءت سے پڑھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اسی طرح اترا۔

قراءت سبعہ کے علاوہ کسی قراءت کا منکر کافر نہیں ہوگا

اور سات قراءتوں کے نقل و عمل پر امت کا اجماع ہے۔ پس جو کچھ ہم نے کہا صحیح ثابت ہو گیا' جو روایتیں ان سات قراءتوں سے خارج ہیں' وہ بھی حضور سے مروی ہیں مگر تواتر سے منقول نہیں تو وہ قراءتیں خبر واحد کا حکم رکھتی ہیں اور کلام اللہ خبر واحد سے ثابت نہیں ہوتا' جو ان کا انکار کرے کافر نہیں ہوگا۔

روایت معروف کا انکار کرنے والا فاسق ہے

اگر وہ روایت معروف ہے تو اس کا انکار کرنے سے فاسق ہو جائے گا اور اگر وہ قراءت شاذہ ہے تو اس کے انکار سے فاسق بھی ہوگا' ایسے ہی اگر قراءت معروف و مشہور ہے تو نماز میں پڑھنا جائز ہے اور قراءت شاذہ سے نماز پڑھی تو جائز نہیں' یہ قرأ کرام کے نزدیک ہے' لیکن فقہاء کرام کے نزدیک ہر لغت میں پڑھنا جائز ہے اور فارسی میں بھی بشرط اعجاز جائز ہے اور مسئلہ کا مقام اصولِ فقہ ہے۔

اکیسواں قول

قرآن کریم کے جمع کرنے کا بیان

جمع قرآن کا کام عہدِ صدیقی میں شروع ہو چکا تھا

اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ جمع و ترتیب قرآن پاک میں وہ ہے کہ جس کو حضرت

Marfat.com

عثمان غنی نے جمع کیا اور وہ قرآن کریم کے جمع کرنے میں امت کے امام و پیشوا ہیں۔

روافض کہتے ہیں: قرآن کریم کی جمع و ترتیب میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم امام ہیں۔ہم یہ کہتے ہیں کہ خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن کریم کی جمع و ترتیب کا کام شروع کیا تھا مگر وہ جنگ وقتال میں دو سال مشغول رہنے کی وجہ سے تدوین قرآن کے کام کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکے۔

عہد عثمانی میں قرآن کریم مدوّن شکل میں منظر عام پر آیا

پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ جمع کیا لیکن وہ بھی عجم کے فتح کرنے میں مشغول رہے' پھر سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام وکمال جمع کیا اور اس کو منظر عام پر لائے اور آپ نے فرمایا: میں نے سوچا کہ تم قرآن پاک کے بارے میں اس قدر اختلاف کر رہے ہو تو تمہارے بعد تو بہت زیادہ اختلاف ہوگا' اس لیے میں نے یہ جمع کر دیا ہے' چنانچہ آپ نے اسے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابۂ کرام کے سامنے پیش کیا' کسی نے انکار نہ کیا نہ اعتراض اور متفق طور پر سب نے مان لیا' صحابہ کرام کے بعد تمام مسلمانوں نے اتفاق رائے کا اظہار کیا اور سب کا اجماع ہو گیا کہ یہی ہے جو حضور اقدس ﷺ پر نازل ہوا۔ اب جو اجماع کا انکار کرے وہ کافر ہے۔

مصحفِ علی پر صحابہ کا اجماع نہیں ہوا تھا

اور ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ حضور پر نور روحِ کائنات کے وصال کے بعد چند روز حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم گھر میں بیٹھے رہے' باہر تشریف نہیں لائے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا اور فرمایا کہ کیا وجہ ہے کہ آپ ہم سے جدا ہو کر گھر میں تنہا بیٹھ گئے؟ فرمایا: میں بلاوجہ نہیں بیٹھا' میں قرآن کریم کو اس ترتیب سے جمع کرتا رہا ہوں جس طرح وہ نازل ہوا تھا' ابوبکر نے فرمایا: اس کو منظر عام پر لاؤ' ظاہر کرو۔ حضرت علی نے فرمایا کہ وہ اظہار کے لائق نہیں' میں نے اپنے لیے جمع کیا ہے تو ثابت ہوا کہ مصحفِ علی پر صحابۂ کرام کا اجماع و اتفاق نہیں ہوا اور مسلمان اس پر جمع نہ ہوئے' تو ثابت ہوا کہ مولیٰ علی شیرِ خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن کریم کی جمع و ترتیب میں امام نہیں' حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام ہیں۔ واللہ اعلم

Marfat.com

ساتواں باب

معرفت اور ایمان کا بیان

ذخیرہ

اس میں گیارہ قول ہیں۔

پہلا قول

اللہ کے حقیقی عارفوں کا بیان

مہتدی ابوشکور سالمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ معلوم ہونا چاہیے کہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے عارفین وہ ہیں جو بغیر ادراک و احاطہ کے اس کی معرفت میں کامل ہیں اور اس معرفت سے ان کی مراد یہ ہے کہ ذات کو پہچاننا اس لیے کہ معرفت کی دو قسمیں ہیں۔

معرفت کی دو قسمیں ہیں

(۱) معرفتِ ذات (۲) معرفتِ صفات

ہمارا اس پر اجماع ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ کی معرفت اور پہچان میں تحیّر اور نقصان جائز اور ممکن نہیں ہے۔

معرفتِ صفات کی تین قسمیں ہیں

ایک وہ صفات ہیں جو ربوبیّت کے مخصوص اوصاف سے تعلق رکھتی ہیں کہ ان میں کسی حال میں تغیر و تبدل نہیں ہوسکتا اور ان صفات کے بغیر ذات "اِلٰہ" ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی تو ان صفات کی معرفت میں تحیّر و نقصان جائز نہیں اور یہ وہ صفات ہیں جو نص سے ثابت ہوئی ہیں اور یقین میں خطا کا وہم و شبہ نہیں ہوسکتا' اس لیے ان صفات میں تحیّر و نقصان جائز نہیں کیونکہ نص، قطعی و یقینی علم کا موجب ہوتی ہے اور وہ صفات جو نص سے یا خبر سے

Marfat.com

ثابت ہیں لیکن نص میں خطا کا وہم نہیں اور نہ شبہ کو واجب کرتا ہے۔ عام فقہاء نے فرمایا کہ اس میں تحیّر جائز نہیں اور اللہ کے کلام پر اور جو اس نے ارادہ فرمایا اور ایمان لانا واجب ہے اور یہ تحیّر اور شک کو واجب نہیں کرتا' یہی اصح ہے اور بعض نے کہا: اس میں تحیّر وشک جائز ہے۔

صفات میں تحیُّر توحید ہے اور ذات میں تحیُّر کفر ہے

بعض متقدمین سے مروی ہے کہ ذات میں تحیُّر کفر ہے' اس سے ان کی مراد اثباتِ ذات ہے' اس لیے کہ جو اثباتِ ذات میں تحیُّر وشک کرے وہ کافر ہے اور ان کا یہ کہنا کہ صفات میں تحیّر وشک توحید ہے' یہ مطلقاً نہیں فرمایا بلکہ اسی تفصیل کے مطابق جو ہم نے ذکر کی۔

اشعریہ کہتے ہیں کہ معرفت کی حقیقت یہی ہے کہ معرفت میں حیرت وعجز ہو' اس لیے کہ معرفت میں درک واحاطہ نہیں ہوسکتا۔

مبتدعین کا نظریہ

بعض مبتدعین نے کہا اور وہ مصوّریہ ہیں، کہ جب تک کوئی صورت دل میں متصوّر نہ ہو معرفت صحیح نہیں' تعبُّد وعبادت جب صحیح ہوسکتی ہے کہ معبود کی صورت سامنے ہو اور یہ کفر ہے۔

محمد ابن حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اس میں کوئی فرق نہیں کہ بظاہر صورت بنا کر عبادت کرے یا باطن میں فرض کر کے عبادت کرے۔

پھر صورت اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے علم سے معلوم ہے اور ہماری عقل سے معقول نہیں کیونکہ عقل' وہم وخیال اور صورت کو واجب کرتی ہے' یہاں تک کہ اس پر واقف ہو اور اللہ تعالیٰ وہم وصورت وخیال کا خالق ہے' اس معنیٰ کے لحاظ سے حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''**تفکروا فی الصفات ولا تتفکروا فی الذات**'' صفات میں تفکر کرو' ذات میں تفکر نہ کرو' اس لیے کہ ذات میں تفکر ماہیت وکیفیت کو واجب کرتا ہے اور جو خدا کو ماہیّت اور کیفیّت کے ساتھ مانے وہ کافر ہے۔

خدا کیا ہے؟ اور کیسا ہے؟

پھر اگر کہے کہ وہ کیا ہے اور کیسا ہے؟ تو ہم کہیں گے: سوال ہی محال ہے اور اس کا اعتقاد کفر ہے' اس لیے کہ خدا وہ ہے جو ماہیت اور کیفیّت سے پاک ومنزہ ہے۔

Marfat.com

معرفت کسے کہتے ہیں یا وہ کیا ہے؟

اگر سوال کیا جائے کہ معرفت کیا ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ حادث وقدیم میں تمیز کرنا (اللہ (خالق) مخلوق کے درمیان فرق جاننا)۔

معرفت کا ایک اور مطلب

بعض کہتے ہیں کہ صانع کی معرفت اس وقت صحیح ہے کہ اپنے نفس و روح کو پہچانے اور جو شخص اپنی روح و نفس کو نہ پہچانے، اس پر صانع کا پہچاننا واجب نہیں اور یہ کفر ہے۔

معرفت کا تیسرا معنیٰ

اور بعض نے کہا کہ جو چیز مدرَک ومحاط نہ ہو، اس کا پہچاننا صحیح نہیں اور یہ بھی کفر ہے (اس لیے کہ اللہ تعالیٰ مدرَک ومُحاط نہیں اور پہچاننا فرض ہے) اس لیے کہ درک واحاطہ فقط محدود و متغیر اور متکون جواہر میں متصور ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان اُمور سے منزہ و پاک ہے، اس لیے ہم کہتے ہیں کہ یہ کہنا جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کیفیت معلوم نہیں یا کہا جائے کہ اس کی ماہیّت معلوم نہیں کیونکہ یہ کہنا بھی ماہیت وکیفیت کے جواز پر دلالت کرتا ہے اور یہ کفر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات بے کم وکیف ہے

اسی طرح یہ بھی نہیں کہنا چاہیے کہ اس کی سمع کی کیفیت اور بصر کی کیفیت معلوم نہیں کہ اس میں بھی وہی خرابی ہے جو ہم نے بیان کی۔ صحیح یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے کیفیت، ماہیت اور کمیّت نہیں اور اسی طرح اس کی صفات کو سمجھنا چاہیے کہ ان کے لیے کیفیت نہیں۔

اعضاء کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بطورِ نفی بھی درست نہیں

ہمارے بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ فارسی میں یہ کہنا جائز نہیں کہ ''خدارا دست نیست'' (خدا کے ہاتھ نہیں) یا ''چشم نیست'' یا ''پائے نیست'' یا ''زبان نیست'' اور اس کی مانند (اس کی آنکھ، پاؤں، زبان وغیرہ نہیں) اس لیے کہ الفاظ موہم خطاء ہیں کیونکہ عرف وعادت میں جو اندھا ہوتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ اس کی آنکھ نہیں اور ایسے اشلّ (جس کا ہاتھ شل ہو گیا ہو) کو کہا جاتا ہے کہ اس کا ہاتھ نہیں اور اپاہج کو کہتے ہیں کہ اس کا

Marfat.com

پاؤں نہیں۔

صحیح یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ بغیر آلہ کے سمیع ہے اور بغیر آلہ کے بصیر ہے اور تمام صفات کو اسی طرح سمجھنا چاہیے کہ وہ ماہیّت وکمیّت اور کیف سے پاک ومنزّہ ہے تو اوّل صفات کو ثابت کرے، پھر تشبیہ کی نفی کرے۔

اللہ تعالیٰ کو ساقی اور مہمان نواز نہیں کہہ سکتے

ایسے ہی یہ کہنا جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا ساقی ہے اور مہمان نواز ہے کیونکہ یہ مشابہت ومشاکلت کا وہم پیدا کرتا ہے، کیونکہ تمام مخلوق اللہ کی مہمان ہے اور اللہ ان کا رازق ہے اور اس میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا کہ اپنے بندوں کو دنیا میں رزق دے اور انہیں کھلائے پلائے یا جنت میں رزق دے اور کھلائے پلائے، یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ'' (الانعام:۱۴) اور وہ کھانا کھلاتا ہے اور اسے کھلایا نہیں جاتا۔

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے خبر دی اور فرمایا: ''هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ'' (الشعراء:۷۹) کہ میرا رب مجھ کو کھلاتا اور پلاتا ہے اور فرمایا: ''وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ'' (الدھر:۲۱) اور ان کے رب نے ان کو پلایا، دنیا اور جنت میں کھانے پلانے میں فرق یہ ہے کہ دنیا میں آدمیوں کے واسطہ سے اور یہ نظر آتا ہے اور جنت میں واسطہ سے ہوگا مگر وہ نظر نہیں آتا ہے اور بسا اوقات بلاواسطہ کھلانا پلانا ہوتا ہے کیونکہ دونوں حال میں اسقاء واطعام (کھانا، پلانا) من جانب اللہ ہی ہوتا ہے۔

دوسرا قول
استدلال اور تقلید کا بیان

معتزلہ کہتے ہیں کہ ہدایت وفضل اللہ کی جانب سے ہے، وہ آیات ونشانات ہیں جو اس کی صفات ووحدانیت پر دلالت کرتے ہیں اور یہی اس کا فضل وہدایت ہے (اس کے سوا اور کوئی اس کا فضل وہدایت نہیں) کہ رہنمائی، مہربانی اور انشراحِ صدر ہو۔

Marfat.com

اہل سنت و جماعت

(اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہدایت اور لطف اور عارفین کے لیے انشراحِ صدر ہے تعریف کے ساتھ) بعض متصوفین کہتے ہیں: معرفت صانع کے لیے استدلال کی کوئی راہ نہیں، اس لیے کہ اشیاء صانع سے پہچانی جاتی ہیں اور یہ ناممکن ہے کہ اشیاء سے صانع پہچانا جائے اور انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ عارفوں کے دلوں کو اور ان کے اسرار کو جذب کرتا ہے اور ان کو اپنی معرفت کی طرف بغیر استدلال کے ہدایت کرتا ہے۔

رب کی پہچان کیسے ہوتی ہے؟ اس سوال کے جواب میں مشاہیر علماء کرام اور مشائخ کے ارشادات ہیں۔

حضرت شبلی رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا گیا کہ آپ نے اپنے رب کو کس چیز سے پہچانا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ''عرفت الله بالله''میں نے اللہ کو اللہ سے پہچانا' اگر اللہ نہ ہوتا تو میں اس کو نہ پہچانتا۔

کیا معرفتِ الٰہی استدلال سے حاصل ہوتی ہے؟

اس کا جواب ''ہاں'' میں ہے اور معرفتِ الٰہی استدلال سے حاصل ہوتی ہے' اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:''انا هديناه السبيل اما شاكرا واما كفورا ''(الدھر:۳) یقیناً ہم نے اسے راستہ دکھا دیا (اب) وہ شکرگزار ہو یا ناشکرا۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وهديناه النجدين (الى السبيلين) ''(البلد:۱۰) اور ہم نے اسے (نیکی اور بدی کے) دونوں واضح راستے دکھا دیئے۔

حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ آپ نے اپنے رب کو کس طرح پہچانا؟ فرمایا کہ ماں کے پیٹ سے خوب صورت بچہ کے پیدا ہونے سے' اس لیے کہ نہ یہ ستارہ سے ہے' نہ طبع سے' بلکہ صانع جل شانہ' کی تقدیر سے ہے۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا گیا کہ آپ نے اپنے رب کو کیسے پہچانا؟ فرمایا:''بفسخ العزائم ونقض الهمم'' کہ ہمارے پختہ ارادوں اور ہمتوں کی شکست وریخت سے (یعنی ''تدبیر کند بندہ تقدیر زند خندہ'' سے)۔

حضرت حاتم الاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا: تم نے اپنے رب کو کس طرح

Marfat.com

پہچانا؟ فرمایا: ہر شے میں اس کا جلوہ دیکھ کر۔

ان اقوال سے ثابت ہوا کہ آیاتِ دالّہ سے استدلال حصولِ معرفت کے لیے سبب ہے، اس کی رہنمائی اور فضل و کرم سے اور یہی صحیح تر ہے۔

تقلید استدلال کی ضد ہے، چنانچہ اب عنوان کی اس دوسری جز (تقلید) سے بحث ہوتی ہے۔

تقلید کسے کہتے ہیں؟

تقلید کی تعریف یہ ہے کہ بلا دلیل غیر کے قول کو مان لینا۔

بعض حضرات کہتے ہیں: بلا دلیل کسی کے قول و فعل کی متابعت کرنا تقلید کہلاتا ہے۔

سوال: کیا معرفت و ایمان میں تقلید کرنے والا مؤمن ہے یا نہیں؟

جواب: معتزلہ اور اشعریہ کہتے ہیں کہ مقلد (معرفت و ایمان میں) مؤمن نہیں ہے۔

فرقۂ کرامیہ کی ایک شاخ متقشفہ نے کہا کہ مقلِّد مؤمن ہے۔

اہل سنت و جماعت فرماتے ہیں کہ مقلد اگر تصدیق کرتا ہے تو مؤمن ہے۔

مہتدی ابوشکور سالمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے بلخ میں قاضی، امام شیخ الاسلام امام الائمہ ابوسعید خلیل ابن احمد ابن اسمٰعیل سنجری کا قلمی فتویٰ دیکھا، جو انہوں نے کسی کے اس سوال کے جواب میں لکھا تھا کہ مقلد فی الایمان مؤمن ہے یا نہیں؟ فرمایا: نرا مقلِّد مؤمن نہیں، اس لیے کہ معرفت صانع میں اس کو تقلید کی کیا ضرورت ہے؟ جب کہ آیات و علامات اور آثار صانع کے وجود پر شاہد عدل ہیں، جیسے زمین و آسمان، سورج، چاند، رات، دن اور تمام اشیاء میں اس کی تاثیر ظاہر ہے، یہ صانع کے اثبات اور اس کی وحدانیت پر دلیل ہے۔

ایمان میں تقلید جائز نہیں

معتزلہ کہتے ہیں کہ ایمان میں تقلید جائز نہیں اور مقلِّد مؤمن نہیں۔

معتزلہ تقلید کس کو کہتے ہیں؟ معتزلہ کے ہاں تقلید کا معنیٰ یہ ہے کہ ہر مسئلہ کہ جس پر ایمان لانا واجب ہے، احکام و شرائع اور معرفتِ صانع اور معرفتِ رسول اس کے لیے واجب و ضروری ہے کہ دلیل و حجت سے مانے، بغیر شبہ کے بیان کرے تاکہ تقلید سے نکل جائے، ان کے مذہب میں ان کے اصول ہیں اور پانچ مسائل ہیں، ان کا نام اصولِ خمس ہے، جو ان مسائل

Marfat.com

کو نہ جانے ان کے نزدیک وہ مسلمان نہیں۔

(۱) مسئلہ توحید (۲) مسئلہ عدل (۳) مسئلہ بین (۴) مسئلہ وعد (۵) مسئلہ وعید

مسئلہ توحید: مسئلہ توحید یہ ہے کہ انہوں نے کہا: قرآن مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے صفات نہیں اور صفات غیر اللہ ہے اور غیر اللہ قدیم نہیں تو صفات مخلوق ہوں گی۔

مسئلہ عدل: اور مسئلہ عدل میں انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نہ شر کو پیدا کرتا ہے، نہ شر کا ارادہ کرتا ہے اور نہ شر کو چاہتا ہے۔ اس لیے کہ اگر وہ شر کو پسند کرے اور اس کا ارادہ کرے اور چاہے اور پھر فاعلِ شر (برائی کرنے والے کو) عذاب دے تو یہ عدل نہیں۔

مسئلہ بین: مسئلہ بین یہ ہے کہ مؤمن جب کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو ایمان سے خارج ہو جاتا ہے اور کفر میں داخل نہیں ہوتا تو وہ کفر و اسلام کے بین یعنی درمیان ہوگا۔

مسئلہ وعد و وعید: اور مسئلہ وعد و وعید یہ ہے کہ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ ثواب وعقاب تو جب ثواب کا یا عقاب کا وعدہ کیا تو جائز نہیں کہ وہ ثواب وعقاب کو روکے اور اگر ثواب سے روکا یا عقاب سے باز رہا تو یہ ان کے نزدیک عدل نہیں ہے۔ یہ اصولِ خمس (پانچ اصول) یعنی معتزلہ کا پانچ نکاتی پروگرام ہے۔ تو جو ان پانچوں اصولوں کو نہ مانے اور معتقد نہ ہو، ان کے نزدیک وہ مؤمن نہیں تو مقلد ہو جائے گا اور اس معنیٰ کے لحاظ سے اہل سنّت و جماعت نے کہا کہ مقلِد مؤمن ہے، اس لیے کہ ہر شخص کے لیے ناممکن ہے کہ وہ تقلید سے خارج ہو جب کہ یہی تقلید ہے۔

اشعریہ کہتے ہیں کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کو بجمیع صفاتہٖ دلیل و حجت کے ساتھ جانے اور بیان کرنے پر قادر ہو تو حد تقلید سے نکل جاتا ہے۔

کرامیہ کہتے ہیں: جس نے ''لا الٰہ الا اللّٰہ'' (یعنی کلمۂ طیّبہ) پڑھا اور اللہ کو نہیں پہچانا اور صانع و مصنوع میں فرق نہ جانا اور اس کا معتقد بھی نہ ہو تو بھی مؤمن ہے اور یہ ہی تقلید محض ہے۔ اسی وجہ سے ہمارے فقہائے اہل سنت و جماعت فرماتے ہیں کہ اکیلا قول ہی (یعنی محض کہنا) ایمان نہیں اور مقلد جب تصدیق کرتا ہے تو مؤمن ہے اور اگر تصدیق نہیں کرتا تو مؤمن نہیں۔

اہل سنت و جماعت کی دلیل کہ مقلد محض مؤمن نہیں، یہ ہے کہ صحتِ ایمان کے لیے

Marfat.com

تصدیق شرط ہے اور تصدیق بغیر معرفت کے نہیں ہوتی اور معرفت بغیر استدلال کے نہیں ہوتی اور یہی معنیٰ ہیں' اس جواب کے کہ جس کی طرف شیخ امام خلیل ابن احمد سنجری نے اشارہ کیا تو جو شخص جانتا ہے کہ میرے لیے صانع اور تمام عالم کے لیے صانع ہے تو وہ حد تقلید سے نکل گیا اور صورتِ مسئلہ یہ ہوگی کہ جب تجھ سے کوئی سوال کرلے کہ تجھ کو کس نے پیدا کیا؟ اور تو جواب میں کہے: اللہ نے یا کہے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے نے تو وہ مقلد محض نہیں اور اس کا ایمان صحیح ہے اور اگر کہے کہ میں نہیں جانتا اور باوجود اس کے کہ کلمہ پڑھتا ہے تو اہل سنت و جماعت کے نزدیک مؤمن نہیں اور کرامیہ نے کہا کہ وہ مؤمن ہے اور ایک مسئلہ امام محمد ابن حسن رضی اللہ عنہ نے ''جامع کبیر'' میں فرمایا' جو ہمارے قول کی صحت پر دلالت کرتا ہے اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ عورت جب صفت ایمان و اسلام کو نہ جانے تو میاں بیوی میں تفریق کر دی جائے گی۔

اس کا تفصیلی بیان یہ ہے کہ جب اس کے سامنے ایمان و اسلام اور دین کی صفت بیان کی جائے تو اگر کہے: میں ایمان لائی اور تصدیق کرتی ہوں تو حد تقلید سے نہیں نکلی اور نکاح اس کا جائز ہے اور اگر کہتی ہے کہ میں نہیں جانتی پہچانتی تو اس کا نکاح جائز نہیں۔

بعض فقہاء کہتے ہیں کہ اس کے سامنے ایمان کی صفت بیان کی جائے' پھر کبھی درست بیان کرے اور کبھی خطا تو اگر وہ خطاء وصواب کو جانتی ہے تو اس کا نکاح جائز ہے اور اگر خطاء و صواب کو نہیں پہچانتی تو نکاح جائز نہیں۔

بعض فقہاء فرماتے ہیں: تقلید صحیح جو کہ اہل سنت کے نزدیک ایمان ہے' وہ یہ ہے کہ جس کا لوگ کلمۂ شہادت اور اذان کے ساتھ تلفظ کرتے ہیں اور اس کی تفسیر نہیں جانتے اور اللہ تعالیٰ کو خیر کے ساتھ پہچانتے ہیں اور تقلید کے ساتھ من حیث الصنع والتاثیر (تاثیر و صنع کی حیثیت سے) اور اسلام کا صحیح اعتقاد کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اسلام خیر الادیان ہے' لیکن زبان سے اس کا وصف نہیں کر سکتے تو وہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک مؤمن ہیں۔

روایت

ایک روایت ہے کہ حضرت حماد ابن ابی حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس مسئلہ کو اپنے والد سے دریافت کیا تو امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ وہ اس کے فائدہ کو جانتا ہے اور نام سے جاہل

Marfat.com

ہے، عالم ہے اس کے نفع کا اور جاہل ہے اس کے نام سے، یہ ایسے ہے جیسے دو پیالے ہیں، ایک میں شہد ہو اور دوسرے میں زہر اور ایک شخص ہے کہ عسل وسم (شہد اور زہر) کے ناموں سے واقف نہیں، لیکن یہ جانتا ہے کہ شہد زہر سے اچھا اور بہتر ہے تو نام سے جاہل ہونا اس کو نقصان نہیں دیتا اور اگر کسی شخص کے سامنے ایمان اور شرائط بیان کیے جائیں تو وہ سن کر اعتراف کرے تو مؤمن ہوگا اور اگر ایمان واسلام ودین اور اس کے شرائط سننے کے بعد کہے کہ میں نہیں جانتا تو مؤمن نہ ہوگا۔

تیسرا قول

رکنِ ایمان کا بیان

معلوم ہونا چاہیے کہ لوگوں نے ایمان کے رکن، اس کی شرائط، وصف اور اس کے حکم میں کلام کیا ہے۔

جہم ابن صفوان کہتا ہے کہ ایمان کا رکن معرفت بالقلب ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں۔

حشویہ اور متقشفہ کہتے ہیں کہ ایمان کا رکن صرف اقرار ہے بغیر اعتقاد کے۔

بعض کرامیہ کہتے ہیں کہ ایمان کا رکن زبان سے اقرار، دل سے اعتقاد کرنا (یعنی ماننا) اور عمل بالارکان یعنی اعضاء سے عمل کرنا ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ کا بھی یہی مسلک ہے۔

معتزلہ کہتے ہیں کہ ایمان کا رکن زبان کے ساتھ اقرار کرنا، دل سے اعتقاد رکھنا اور اعضاء سے عمل کرنا اور کبائر سے بچنا ہے۔

حروریہ اور خارجیوں کا کہنا ہے کہ ایمان کا رکن اقرار لسانی، تصدیقِ قلبی، عمل بالارکان اور صغائر وکبائر سے اجتناب کرنا ہے اور صحیح تر یہی ہے جو ہم کہتے ہیں کہ ایمان کا رکن اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب ہے، یہ قول امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔

مؤمن کے تین درجے ہیں

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایمان کے تین درجے ہیں:

Marfat.com

(۱) ایک وہ جو اللہ کے نزدیک مؤمن ہے اور لوگوں کے نزدیک کافر ہے' یہ وہ ہے جو دل سے اللہ تعالیٰ کو پہچانتا ہے جیسا کہ اس کو پہچاننے کا حق ہے اور توحید کا معتقد ہے' دین کا اعتقاد کرتا ہے اور کفر سے بیزار ہے۔ لیکن اس سے اقرار ظاہر نہیں ہوا یا وہ جانتا نہیں کہ قرار کیسے کرتے ہیں (یعنی اقرار کی کیفیت سے ناواقف و انجام ہے) اور تقیۃً کفر کو ظاہر کرتا ہے تو یہ اللہ کے ہاں مؤمن ہے اور عند الناس کافر ہے۔

(۲) دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک کافر ہے اور لوگوں کے نزدیک مؤمن اور یہ وہ ہے جو لوگوں کے سامنے اقرار کرتا ہے' لیکن دل سے تصدیق نہیں کرتا تو بظاہر اس کو مسلمان کہا جائے گا اور اللہ کے نزدیک کافر ہوگا۔

(۳) تیسرا درجہ یہ ہے کہ زبان سے اقرار کرے اور دل سے تصدیق کرے تو یہ اور فرشتوں کے نزدیک اور انسانوں کے نزدیک مؤمن ہے۔ لیکن جس نے کہا کہ ایمان صرف معرفت بالقلب ہے بغیر اقرار کے اور کہا کہ جب اپنے رب کو جانتا ہے تو اس کو معصیت مضر نہیں' اگرچہ رب کو گالی دے جیسے دل کی معرفت کے بغیر اقرار فائدہ نہیں دیتا تو ایسے ہی معرفت کے ساتھ انکار نقصان نہیں دیتا۔

ہم نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے معرفت کے ساتھ اقرار کو شرط قرار دیا ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ '' (المائدہ:۸۳) اس لیے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا۔ نیز فرمایا: ''فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا '' (المائدہ:۸۵) تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس کہنے کے بدلے عطا کیے' اور نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا کہ میں مامور ہوں کہ کافروں سے جہاد کروں یہاں تک کہ کہیں ''لا الہ الا اللہ ''۔ نیز فرمایا: جنت کی کنجی ''لا الہ الا اللہ '' ہے اور حضور اقدس ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جس نے خالصاً مخلصاً ''لا الہ الا اللہ '' کہا جنت میں داخل ہوگا' اعتقاد کے ساتھ ساتھ اقرار کو بھی شرط قرار دیا' اس سے ثابت ہوا کہ نری معرفت کا نام ایمان نہیں ہے اور معنیٰ اس میں یہ ہے کہ ابلیس اللہ تعالیٰ کو خوب جانتا تھا لیکن جب اس کی زبان سے کفر صادر ہوا تو کافر ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ '' (البقرہ:۱۴۶) جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ اس (نبی) کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنے

Marfat.com

بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ پھر معرفت مع انکار یا بغیر انکار اس کو دنیا و آخرت میں نفع نہیں دے گی تو ثابت ہوا کہ خالی معرفت ایمان نہیں اور اللہ نے فرمایا: ''یَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ'' (البقرہ:۱۴۶) کہ وہ حق کو چھپاتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں' تو وہی صحیح ہے جو ہم نے کہا ہے۔

اب رہے وہ لوگ کہ جو کہتے ہیں: خالی اقرار ہی ایمان ہے تو یہ بھی مفضی الی الکفر ہے' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے ایمان باطل ہونے کی شہادت دی' جہاں فرمایا کہ ''وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنَافِقِیْنَ لَکَاذِبُوْنَ'' (المنافقون:۱) اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ منافقین ضرور جھوٹے ہیں' اور جو محض اقرار کو ایمان کہتا ہے اس نے منافقین کے ایمان کی صحت کا حکم کیا اور یہ عقیدہ کفر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اقرار کے ساتھ اعتقاد کو شرط قرار دیا ہے' ان دلائلِ مذکور سے یہی ثابت ہوتا ہے۔

اعتراض: اگر کوئی کہے کہ منافقین کا ایمان تو ایمان ہے ہی نہیں لیکن غیر منافقین محض اقرار سے مؤمن ہو جائیں گے' اس لیے کہ وہ کافر نہیں لیکن مخطی و متبدع ہوگا' اس لیے کہ اس نے نص و خبر کی مخالفت کی اور اگر وہ کہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ احکامِ دنیا میں اس کا ایمان صحیح ہے کہ اس کو قتل نہیں کیا جائے گا اور اس پر مسلمانوں کے احکام جاری ہوں گے اور احکامِ آخرت میں اس کا ایمان صحیح نہیں تو یہ صحیح ہے اور ہم بھی یہی کہتے ہیں۔

اور لیکن جس نے یہ کہا کہ ایمان نام ہے اقرار باللسان' تصدیق بالجنان' عمل بالارکان کا' انہوں نے اس آیت سے احتجاج کیا: ''وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ حُنَفَآءَ وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوا الزَّکٰوةَ وَذٰلِکَ دِیْنُ الْقَیِّمَةِ'' (البینۃ:۵) اور انہیں یہی حکم دیا گیا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں صرف اسی کے لیے اپنے دین کو خالص کر کے بالکل اسی کی طرف متوجہ ہو کر اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور یہ نہایت سیدھا دین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے اخلاص کا' نماز کا' زکوٰۃ کا۔ پھر فرمایا: ''ذٰلِکَ دِیْنُ الْقَیِّمَةِ'' تو دین نام رکھا شرائع کے پائے جانے کے بعد۔ تو ثابت ہوا عمل بالارکان بھی جزو ایمان ہے۔

اور حضرت امام جعفر ابن محمد صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ عن ابیہ عن جدہ کہ نبی کریم سے دریافت کیا' حضور نے فرمایا: اقرار باللسان' تصدیق بالجنان اور عمل

Marfat.com

بالارکان اور اس مسئلہ میں نص ہے۔

آیت کا صحیح مفہوم

اور آپ کا جواب یہ ہے کہ "لیعبدوا اللّٰہ" کا معنیٰ ہے: "یوحدوا اللّٰہ" یعنی اللہ تعالیٰ کو ایک جانیں۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ قرآن پاک میں جہاں عبادت کا نام آیا ہے، اس سے مراد توحید ہے اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام مسلمان رکھا، ابھی نماز کا حکم بھی نہیں آیا تھا۔ پھر فرمایا کہ "حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ" خبر دی اس بات کی کہ فعل موحدین کا ہے، ہم بھی یہی کہتے ہیں اور ضمیر "ذٰلِكَ" "دِيْنُ الْقَيِّمَةِ" (البینۃ:۵) ایک طرف کے ہو کر اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں، میں "لیعبدوا اللّٰہ" کی طرف لوٹتی ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ اگر مراد شرائع و احکام ہوتے تو "ذٰلک" کی جگہ "تِلْكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ" ہوتا اور اس پر دلیل یہ ہے کہ قصہ یوسف میں ہے: "اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ" (یوسف:۴۰) حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے، اس نے فرمایا کہ اس کے علاوہ کسی کی بندگی نہ کرو، یہی سیدھا دین ہے۔ معنیٰ اس میں یہ ہیں کہ ہم کہیں کہ عمل اگر ایمان میں سے ہے تو واجب ہوتا کہ انسان خراسان میں ہوتا اور ایمان مکہ میں، مدینہ و عراق میں اس لیے کہ حج کرے مکہ میں اور نماز پڑھے مدینہ و عراق میں اور رباطات (جہاد کے گھوڑے) و مساجد قناطیر (پلیں) مختلف شہروں میں اور محال ہے کہ ایمان ایک جگہ ہو اور مؤمن دوسری جگہ اور اس حدیث کا جواب جو جعفر صادق سے روایت ہے، ہم نے کہا: العمل بالارکان سے مراد شرائع ایمان ہے اور اس سے مراد شرائط ایمان ہیں اور اگر عمل شرائط ایمان سے ہوتا تو بغیر عمل کے ایمان صحیح نہ ہوتا اور اس پر ہمارا اجماع ہے کہ بغیر عمل کے ایمان صحیح ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ شرائع سے ہے شرائط سے نہیں اور تحقیق اس کی اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ "قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ" (ابراہیم:۳۱) میرے مؤمن بندوں سے فرما دیں کہ وہ نماز قائم رکھیں۔ نماز سے پہلے مؤمن نام رکھا۔ صحیح ہوا جو ہم نے کہا کہ عمل ایمان نہیں اور لیکن جس نے کہا کہ ایمان اقرار باللسان اور تصدیق بالجنان اور عمل بالجوارح اور تجانب عن الکبائر ہے اور کہا کہ جو کبیرہ کا

Marfat.com

مرتکب ہوا' ایمان سے خارج ہوگیا' اس سے حجت پکڑتے ہیں: ''وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ '' (الانعام:۱۲۱) اور اگر تم نے ان کی پیروی کی تو تم مشرک ہو۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اَلزَّانِیْ لَا یَنْكِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِكَةً '' (النور:۳) اور زانی صرف زانیہ عورت یا مشرکہ سے نکاح کرے' اور نبی کریم سے مروی ہے کہ فرمایا: زانی جس وقت زنا کرتا ہے تو وہ مؤمن نہیں ہوتا اور چور جس وقت چوری کرتا ہے وہ مؤمن نہیں ہوتا اور شرابی جس وقت شراب پیتا ہے وہ مؤمن نہیں ہوتا' نیز حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے قصداً نماز کو چھوڑا وہ کافر ہے۔

ایک سجدہ نہ کرنے سے شیطان کا کافر ہونا' تو جو پوری نماز ترک کر دیتے ہیں؟

نیز حضور نے فرمایا: عبد اور کفر کے درمیان نہیں مگر ترکِ صلوٰۃ اور نیز اس لیے بھی کہ ایک سجدہ کے ترک سے ابلیس کافر ہوگیا تو جس شخص نے تمام نمازوں کو ترک کر دیا تو وہ بہ طریقِ اولیٰ کافر ہوگیا۔

جواب یہ ہے کہ ''اِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ '' کہ یہاں اطاعت سے مراد اطاعت فی الشرک ہے کیونکہ وہ کہتے تھے کہ ہم میتہ (مردار) کھاتے ہیں' یہ اللہ کا ذبیحہ ہے تو یہ زیادہ حلال اور زیادہ طیب وستھرا ہوگا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر تم نے مشرکوں کی اطاعت کی تو تم بھی اس عقیدہ سے مشرک ہو جاؤ گے اور جواب اس آیت کا کہ ''اَلزَّانِیْ لَا یَنْكِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِكَةً '' ہم نے کہا: سعید بن میسب نے فرمایا کہ یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا پھر ''فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ '' (النساء:۳) اپنی پسند کی عورتوں سے نکاح کرو' سے منسوخ ہوگیا۔

اور لفظ ثانی یعنی ''او مشركة '' لفظاً خبر ہے اور مراد اس سے نہی ہے اور ''لا یزنی الزانی حین یزنی وهو مؤمن '' کا جواب یہ ہے کہ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ زانی زنا کرنے کے وقت امن من عذاب النار نہیں رہتا یعنی وہ مؤمن (یعنی امن والا نہیں ہے عذاب سے)۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ منسوخ ہے بدلیل اس کے جو حضور سے مروی ہے کہ ابودرداء رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جاؤ اور ان لوگوں کو کہہ دو کہ ''من قال لا الٰہ الا اللّٰہ دخل الجنة '' کہ جس نے ''لا الٰہ الا اللّٰہ '' کہا جنت میں داخل ہوگا۔ حضرت ابودرداء نے

Marfat.com

کہا: ''وان زنی وان سرق '' اگر چہ وہ زنا اور چوری کرے۔[1] حضور ﷺ نے فرمایا: ''وان زنی وان سرق ''۔ تین مرتبہ حضور ﷺ نے اسی طرح فرمایا اور حضور ﷺ کا یہ فرمانا کہ جس نے قصداً نماز کو ترک کیا وہ کافر ہے' اس کا مطلب یہ ہے کہ کفرانِ نعمت کیا' نہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا اور یہ ایسے ہی ہے جیسے قصۂ سلیمان علیہ السلام میں ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''لِيَبْلُوَنِيْ ءَ اَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ '' (النمل: ۴۰) کہ وہ ضرور مجھے آزمائے گا کہ میں شکر گزار ہوں یا ناشکرا۔ اور انبیاء کرام سے کفر باللہ متصور نہیں' تو ثابت ہوا کہ یہاں بھی کفرانِ نعمت مراد ہے نہ کہ کفر باللہ۔ دوسرے معنیٰ یہ ہیں کہ جس نے ترک صلوٰۃ کو حلال جانا وہ کافر ہے۔

اور یہ کہنا کہ ابلیس ایک سجدہ نہ کرنے سے کافر ہو گیا' ہم کہتے ہیں کہ سجدہ ترک کرنے سے کافر نہیں ہوا بلکہ اس کا کفر تو اس سے ثابت ہے کہ اس نے تکبّر کیا' سجدہ کرنے سے انکار کیا اور خود پسندی کی اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف جہل کی نسبت کی' جب ہی تو کہا: ''خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ '' (الاعراف: ۱۲) یعنی اس نے کہا: حکمت کے خلاف ہے' تو مجھے سجدہ کرنے کا حکم دے۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے اس آیت ''خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ '' (الاعراف: ۱۲) کہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے' کی تفسیر میں فرمایا کہ اس آیت میں دعویٰ ربوبیّت ہے۔

کبیرہ گناہوں سے ایمان سلب نہیں ہوتا

اس کی دلیل کہ کبائر سے ایمان سلب نہیں ہوتا' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى '' (البقرہ: ۲۵۶) پس جو

[1] مشکوٰۃ شریف عربی ص ۱۴' میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو بندہ کلمہ طیبہ ''لا الـه الا اللـه '' پڑھے' پھر وہ اس کلمہ پر فوت ہو جائے' وہ جنت میں داخل ہو گا۔ میں نے عرض کی کہ اگر چہ وہ زنا اور چوری کرے؟ فرمایا: اگر چہ وہ زنا اور چوری کرے۔ میں نے دوبارہ عرض کی کہ اگر چہ وہ زنا اور چوری کرے؟ تو فرمایا: اگر چہ وہ زنا اور چوری کرے۔ میں نے تیسری بار پھر عرض کیا کہ اگر چہ وہ زنا اور چوری کرے؟ تو فرمایا: اگر چہ وہ زنا اور چوری کرے' ابوذر کی ناک کو خاک آلود کر کے (یعنی ان کی ناپسندیدگی کے باوجود) وہ جنت میں جائے گا۔ (۱۲ اشرف قادری)

Marfat.com

بتوں سے بری الذمہ ہو کر اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا تو یقیناً اس نے بڑی مضبوط گرہ پکڑ لی جو کھل نہیں سکتی۔" فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ "یعنی بتوں سے بیزاری کی" وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا "ابن عباس نے فرمایا:" لا انقطاع لها سوى الجنة "تو اگر کبیرہ کے ساتھ کافر ہو جاتا تو" عروہ وثقیٰ "کے ساتھ تمسک نہ ہوتا۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:" تُوبُوا اِلَى اللّٰهِ جَمِيعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ "(النور:۳۱) مسلمانو! تمام کے تمام اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے توبہ کا حکم دیا اور توبہ تمہارے نزدیک کبیرہ گناہوں سے ہوتی ہے، پھر ان کبیرہ کے مرتکب کو مؤمن فرمایا اور نیز ارشادِ خداوندی ہے:" يٰاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا تُوبُوا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا "(التحریم:۸) اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں صاف دل سے خالص توبہ کرو۔ ان کو مؤمن فرمایا اور توبہ کا حکم دیا، تو ثابت ہوا کہ کبیرہ گناہوں کے ارتکاب سے ایمان سلب نہیں ہوتا، لہٰذا اس پوری گفتگو کا خلاصہ اور لب لباب یہ نکلا کہ ہمارا مدعا ثابت ہوا کہ اجتناب عن الکبائر (کبائر سے بچنا) شرط ایمان نہیں۔

ایمان کی دو قسمیں

(۱) مجمل (۲) مفسّر (مفصّل)

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایسے ہی مروی ہے کہ ایمان کی دو قسمیں ہیں: مجمل اور مفسّر۔

ایمان مجمل: ایمان مجمل کی صورت یہ ہے کہ کہے:" **امنت بالله وملئكته وبجميع ما قال الله على ما اراد الله وامنت برسول الله وبما قال رسول الله على ما اراد رسول الله ويعلم ويعتقد** "یعنی میں اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر ایمان اور تمام ان چیزوں پر جو اللہ نے فرمائیں اور جو ارادہ فرمایا۔ اور میں ایمان لایا اللہ کے رسول ﷺ پر اور تمام ان باتوں پر جو حضور ﷺ نے ارشاد فرمائیں اور جو حضور ﷺ نے ارادہ فرمایا اور جن چیزوں پر حضور (ﷺ) کا اعتقاد ہے اور جو حضور (ﷺ) مانتے ہیں۔

ایمان مفسّر: ایمان مفسّر کی صورت یہ ہے کہ ایمان کی تمام شرائط کو ذکر کرے اور جانے اور

Marfat.com

اعتقاد کرے اور ان سب پر ایمان لائے۔

سوال: ایمان مفسّر بعد امجمل بنفسہٖ ایمان ہوگا یا نہیں؟

جواب: اس میں اختلاف ہے کہ ایمان مجمل کے بعد ایمان مفسّر بنفسہٖ ایمان ہوگا یا نہیں؟ تو بعض کہتے ہیں کہ یہ مجمل کی تکرار ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ (ایمان مفسر بعد از مجمل) بنفسہٖ ایمان ہے۔

زیادہ صحیح وہ ہے جو ہم کہتے ہیں کہ اگر وہ اس حال میں ہے کہ جب اس کے سامنے ایمان کے اوصاف اور شرائط بیان کیے جائیں تو اگر وہ کہے کہ میں یہ نہیں جانتا تھا کہ ان باتوں پر ایمان لانا ضروری ہے تو دیکھیں گے اگر وہ حربی دارالحرب میں ہے یا ذمی ہے، اجمالاً ایمان لایا اور تفسیر کو نہیں جانتا تھا تو جب اس نے جان لیا اور کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا تھا، اب میں ایمان لاتا ہوں تو اس کا پہلا ایمان معتبر ہوگا اور اگر تفسیر ایمان سنا کر ایمان نہ لائے تو اس کو مرتد کہا جائے گا اور اگر وہ مسلمان ہے اور دارالاسلام میں پیدا ہوا اور پھر کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا تھا کہ ان باتوں پر ایمان لانا واجب ہے تو اس کا پہلا ایمان مجمل ایمان نہیں، از سرِ نو ایمان لائے اور وہ احکام جو ایمان مفسّر سے پہلے تھے نکاح وغیرہ وہ جائز نہ ہوں گے اور نہ وہ منعقد ہوں گے اور سب احکام اس کے باطل ہوں گے۔

اور بعض محققین نے فرمایا: اس کے جملہ احکام زمانہ ایمان مجمل کے صحیح ہیں، عبادت ہو یا معاملہ البتہ نکاح صحیح نہ ہوگا کیونکہ نکاح، ایمانِ مجمل بوصف الایمان صحیح نہیں ہوتا۔

ایمان مجمل کن چیزوں سے مکمل ہو جاتا ہے؟

امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک ایمان مجمل ایک شہادت یعنی "لا الٰـــہ الا اللّٰہ" کہنے سے تمام ہو جاتا ہے۔ پھر اس پر اوصاف ایمان کی تقریر اور اس پر ثابت رہنا واجب ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایمان مجمل دو شہادتوں سے ہوتا ہے اور وہ یہ ہیں: "لا الـہ الا اللّٰـہ مـحـمـد رسول اللّٰہ" پھر اس پر ثبات وتقریر واجب ہے اور تمام

Marfat.com

اوصاف ایمان اور شرائط ایمان اور ہر اس چیز پر کہ جس پر ایمان لانا واجب ہے' امر و نہی' ناسخ و منسوخ اور احکام کہ کرنے کے ہیں اور یا کرنے کے نہیں' یعنی صحت ایمان کے لیے جن چیزوں کا جاننا ضروری ہے' سب کو جاننے اس لیے کہ صحت ایمان کے لیے یہ شرط ہے اور ایمان کا وصف ہے اور دلیل یہ ہے جو حضور نے ارشاد فرمایا: ''ان تؤمن باللّٰہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ والبعث بعد الموت والقدر خیرہ وشرہ من اللّٰہ تعالیٰ'' یہ کہ تو اللہ تعالیٰ' اس کے فرشتوں' اس کی کتب' اس کے رسولوں' موت کے بعد اٹھنے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اچھی اور بُری تقدیر پر ایمان لائے اور عنقریب ہم ذکر کریں گے۔

ایمان کا حکم کیا ہے؟ ایمان کا حکم عدالت ہے۔[1]

ایمان کا موجَب کیا ہے؟

ایمان کا موجَب (مقتضیٰ) جب کہ تصدیق سے مقرون ہو' اللہ تعالیٰ کے خبر دینے سے جنت ہے اور اگر زبان سے اقرار کرے اور دل سے اعتقاد نہ کرے تو اس کو مسلمان کہا جائے گا۔ مسلمانوں والے احکام اس پر جاری و نافذ ہوں گے' جب تک خلافِ اسلام اس سے کوئی بات ظاہر نہ ہو اور جو تم کو سلام کرے اس کو یہ مت کہو کہ تو مؤمن نہیں یعنی اس کو جو پہلے کافر تھا یہ نہ کہو: تو مسلمان نہیں۔ ''وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰی اِلَیْکُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا'' (النساء:۹۴) اور وہ شخص جو تمہیں سلام کہے تو تم اسے یہ نہ کہو تو مؤمن نہیں' یعنی جب وہ کہے: ''السلام علیکم انی مؤمن'' کہ میں مسلمان ہوں تو اس کا قول قبول کیا جائے گا' دنیوی احکام میں۔ پھر اگر اس کے دل میں اعتقاد نہیں تو وہ جنت میں داخل نہ ہوگا' جنتی نہیں اور اس کا حکم منافقین کا سا ہوگا۔

چوتھا قول

ایمان کی شرائط اور اس کے شرائع کا بیان

اہل سنت و جماعت نے کہا: شرائط ایمان سے وہ اُمور مراد ہیں جن پر ایمان لانا

[1] یعنی صاحب ایمان عادل قرار دیا جائے گا۔

Marfat.com

ضروری اور ان کے بغیر ایمان صحیح نہیں اور ان کے انکار ورد سے آدمی کافر ہو جاتا ہے اور یہ وہ اُمور ہیں جو نص یا خبر متواتر یا اجماعِ امت سے ثابت ہوں' اس لیے کہ جو چیزیں ان دلائل ثلٰثہ سے ثابت ہوں گی ان کا قبول کرنا اور ان پر اعتقاد واجب وضروری ہو جاتا ہے اور جو امر خبر واحد سے ثابت ہو اور جس پر ائمہ متفق نہ ہوں اور امتِ مرحومہ نے قبول پر اتفاق نہ کیا ہو تو ایمان کی صحت کے لیے شرط نہیں اور جو امر خبر واحد سے ثابت ہو اور امت کے فقہاء نے بالاتفاق اس کو بلا تاویل قبول کیا ہو تو وہ ہی شرائط ایمان سے ہوگا' جیسے عذابِ قبر' پل صراط' میزان' شفاعت' معراج الی السماء اور اس کی مانند کہ خبر واحد سے ثابت ہیں لیکن صحابہ کرام اور فقہاء نے اس کی صحت وقبول پر اتفاق کیا ہو تو یہ بھی بہ منزلہ اجماع کے ہے اور اس پر ایمان واجب ہے پھر جو ان اُمور کا انکار کرے وہ کافر ہے یا نہیں ہے؟

بعض نے کہا: کافر ہے اور بعض نے کہا: کافر نہیں' اس لیے کہ وہ تاویل کرتے ہیں اگرچہ تاویل میں خطا کی تو مبتدع ہیں' ان کی تفسیق کی جائے گی۔

لیکن شرائع وہ ایمان نہیں بغیر شرائع کے ایمان صحیح ہے اور وہ اہل سنت کے نزدیک عمل بالارکان ہے اور معتزلہ کے نزدیک اور روافض وخوارج کے نزدیک شرائع ہی ایمان ہے اور یہی قول امام شافعی کا بھی ہے اور ہم پہلے اس کا بیان کر چکے ہیں۔

شرائط اور شرائع میں فرق

شرائط اور شرائع میں ہمارے نزدیک فرق یہ ہے کہ شرائط کا نام ملّت ہے اور شرائع کا نام خدمت ہے اور ملّت بغیر خدمت کے صحیح ہے اور خدمت بغیر ملّت صحیح نہیں۔

شرائط اور شرائع کے درمیان دوسرا فرق

شرائط اور شرائع میں دوسرا فرق یہ ہے کہ ملّت میں دوام شرط ہے اور خدمت میں دوام شرط نہیں۔

پھر اگر ان اُمور میں سے کسی امر کو چھوڑا اور منہیات میں سے کسی شئی کا مرتکب ہوا تو دیکھا جائے گا کہ اگر حلال سمجھ کر اس نے ارتکاب کیا ہے تو تکفیر کی جائے گی اور اگر بغیر حلال سمجھے عصیاناً مرتکب ہوا ہے تو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی' یہ اہل سنت و جماعت کے عقائد ہیں اور دلیل یہ آیت ہے: حق سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتا ہے: ''لَیۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡھَکُمۡ

Marfat.com

قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ'' (البقرہ:۱۷۷) اصل نیکی یہ نہیں کہ تم مشرق اور مغرب کی طرف منہ پھیر لو لیکن اصل نیکی یہ ہے کہ وہ اللہ یومِ آخرت فرشتوں' کتاب اور پیغمبروں پر ایمان لائے اور اللہ کی محبت میں اپنا مال دے۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان وعمل کا فرق بیان فرمادیا اور نیز فرمایا: ''وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا'' (النساء:۱۳۶) اور جو انکار کرے اللہ تعالیٰ' فرشتوں اور کتابوں اور آخرت کے دن کا' تحقیق وہ گمراہ ہوا دور کی گمراہی میں۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے خبر دی ہے جو ان شرائط کے ساتھ کفر کرے گا کافر ہو جائے گا۔ پھر اعمال بعض وہ ہیں جن کے کرنے سے ایمان کا حکم کیا جائے گا اور وہ یہ ہیں کہ کافر جب جماعت سے نماز پڑھے اور جمعہ میں حاضر ہو اور عیدین میں حاضر ہو اور مسلمانوں کے ساتھ نماز ادا کرے اور اذان دے' اقامت کہے' حج کرے مسلمانوں کے ساتھ تو ان اعمال سے اس کے مسلمان ہونے کا حکم کیا جائے گا اور اگر کفر کی طرف لوٹا تو ارتداد کا حکم کیا جائے گا اور اگر تنہا پڑھے تو مسلمان نہ سمجھا جائے گا۔

اور ایسے ہی اگر مسلمان بت کو سجدہ کرے یا کسی فعل میں افعالِ کفار سے کافروں کی متابعت کرے' وہ افعال جو کافروں کا دین ہے تو کافر ہو جائے گا اور ایسے ہی اگر ظاہر کرے اپنی طرف سے علامت کفار کی' جیسے مجوسیوں کی ٹوپی پہنے یا زنار' جنیو وغیرہ باندھے جو کفار کی علامت ہو تو کافر ہو جائے گا۔ پھر یہ اعتقاد کے ساتھ پہنے یا بغیر اعتقاد کے یا تمسخر یہ اور مذاق کے طور پر کافر ہو جائے گا اور تقیۃً یا مکرہاً علامتِ کفار کو اختیار کیا تو کافر نہ ہوگا اور اگر کفار کا ایسا لباس پہنتا ہے جو کفار کی علامت نہیں یا ان کی عادت وخصلت کو اختیار کیا یا ان کی کسی ایسی چیز میں پیروی کی جو ان کا دین نہیں ہے بلکہ وہ اختراع اور لہو کے طور پر ہو تو کفر کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

یہ جو کچھ کہا اس معنیٰ کی بناء پر ہے جو فعل واعتقاد کسی شئی کا ہو اس کی صحت کے لیے اعتقاد شرط ہے اور جو عمل اعتقاد پر دلالت کرے' وہ بھی اعتقاد کے حکم میں ہے اور اعتقاد کا وہ عمل کرے گا جیسے بت کو سجدہ کرنا بت پرستی کے حکم میں ہے اور جو عمل متحمل شبہ ہے وہ اعتقاد پر دلالت نہیں کرے گا۔

Marfat.com

امام محمد ابن حسن رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے ''کتاب المنتقی'' میں ایک مسئلہ ذکر فرمایا کہ جو شخص ''لا الہ الا اللّٰہ'' پڑھتا ہے اور کفر سے بیزاری کا اظہار نہیں کرتا تو وہ منافق ہوگا' اس لیے کہ کفر سے بیزاری کا اظہار کرنا ایمان کے صحیح ہونے کی شرط ہے' بہ حوالہ ''فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا'' (البقرہ:۲۵۶) ''پس جو بتوں سے بری الذمہ ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا تو یقیناً اس نے بڑی مضبوط گرہ پکڑ لی جو کھل نہیں سکتی''۔ واللہ تعالیٰ اعلم

پانچواں قول

اس کا بیان کہ ایمان گھٹتا بڑھتا ہے یا نہیں؟

امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے اصحاب فرماتے ہیں کہ ایمان کم و بیش نہیں ہوتا۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایمان طاعت و عبادت سے بڑھتا اور معصیت و نافرمانی سے گھٹتا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایمان میں زیادتی ہو سکتی ہے اور نقصان (کمی) نہیں ہو سکتا اور یہ قول صحیح نہیں اس لیے کہ جب زیادتی ہو سکتی ہے تو نقصان بھی ہو سکتا ہے اور یہ بھی درست نہیں اور انہوں نے اس آیت سے حجت پکڑی: ''لِيَزْدَادُوْا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ'' (الفتح:۴) تاکہ ان کا ایمان پر ایمان بڑھے۔

اور ابوہریرہ' انس اور ابوسعید خدری اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہے اور ایک روایت میں رائی کے دانہ کے برابر اور ایک روایت میں جو برابر ایمان ہے اس کو جہنم سے نکال لاؤ (نکالا جائے)۔ اگر ایمان میں زیادتی و کمی جائز نہ ہوتی تو صغر و زیادۃ کے ساتھ ایمان کو موصوف نہ کیا جاتا تو اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ایمان میں کمی و بیشی ہوتی

Marfat.com

ہے۔

آیت کا جواب یہ ہے کہ مراد تکرار ایمان ہے' یہ ایسے ہے جیسے فرمایا: ''فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ'' (القیامہ:۱۸) تو جب ہم پڑھ چکیں تو آپ اس پڑھے ہوئے کی اتباع کریں۔ قراءت کا نام قرآن رکھا حالانکہ قراءت اور ہے اور قرآن اور ہے' اس لیے کہ قراءت مخلوق ہے اور قرآن غیر مخلوق ہے تو ایسے ہی یہاں ہے۔

اور ابن عباس سے مروی ہے کہ یہ آیت اصحاب کرام کے بارے میں نازل ہوئی اور اس لیے کہ قرآن کریم تیس سال تک حضور ﷺ پر نازل ہوتا رہا' جب کبھی قرآن کریم کی آیت نازل ہوتی' اس پر ایمان لانا واجب تھا۔ اس کے بعد شرائط ایمان نہ کم ہوں نہ زیادہ۔

اعتراض: اب اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ (البقرہ:۱۴۳) ای صلٰوتکم'' اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ تمہارے ایمان یعنی نمازیں ضائع کر دے۔ صلاۃ کا نام ایمان رکھا۔[1]

جواب: ہم کہتے ہیں کہ اس سے مراد اعتقاد ہے کیونکہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جو سفر میں تھے اور انہیں تحویل (تبدیلیٔ قبلہ) قبلہ کی خبر نہ تھی اور وہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے رہے' جب ان کو تحویل قبلہ کی خبر ہوئی تو انہوں نے کہا: خدا نے ہمارا ایمان ضائع کر دیا کہ ہم سب بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے رہے اور ہم نے نسخ کے بعد اعتقاد کیا کہ قبلہ بیت المقدس ہے تو یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ تمہارا ایمان ضائع کر دے۔

اور رئس المفسرین حضرت محمد ابن فضل سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے محمد ابن احمد قرطبی سے سنا' انہوں نے کہا: میں نے ابوسہیل سے اس آیت یعنی ''مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ'' کی تفسیر میں سنا ''ایمانکم'' یعنی ''تصدیقکم بالنبی علیہ السلام علی القبلتین حیث صدقوہ وصلوا الی بیت المقدس وماتوا علی ذلک'' کہ اللہ تعالیٰ کی شان نہیں کہ تمہاری تصدیق بالنبی کو ضائع کرے' جو دونوں قبلوں کی تصدیق کی اور نماز پڑھی اور اسی

[1] مطلب یہ ہے کہ نماز عمل ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ایمان فرمایا ہے۔

Marfat.com

حالت میں مر گئے۔

اور حدیث کا جواب یہ ہے کہ ایمان سے مراد صدق و یقین اور اخلاص میں ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے مماثلت کا' ایمان میں فرمایا: ''فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَا اٰمَنْتُمْ'' (البقرہ:۱۳۷) یعنی یہود اقرار کرلیں جیسے تم نے اقرار کیا اور اگر ایمان میں زیادتی و نقصان (کمی و بیشی) ہوتا یعنی ایمان گھٹتا بڑھتا تو یہود کا اقرار صحابہ کرام کے اقرار کے مثل نہ ہوتا اور اگر ہم نقصان کو جائز رکھیں تو یہ اس امر کو مستلزم ہے کہ جتنا ایمان کم ہے' اس کی جگہ کفر ہے اس لیے کہ زوال ایمان مستلزمِ کفر ہے' جتنا ایمان کم اتنا اس کی جگہ کفر ہوگا تو اس سے لازم آئے گا کہ ایک وقت میں ایک شخص کچھ مؤمن ہو اور کچھ کافر ہو' یہ ناممکن اور محال ہے اس لیے کہ گناہ توحید و معرفت میں مؤثر نہیں تو ایسے ہی ایمان میں بھی گناہ مؤثر نہیں۔ پھر بالاتفاق گناہوں کی کثرت ایمان کو زائل نہیں کرتی کہ کل ایمان زائل ہو جائے تو گناہوں کی قلت بعض ایمان کو واجب نہیں کرے گی۔

پھر اگر نیکی اور طاعت سے ایمان زیادہ ہو جاتا تو غنی کا ایمان ضعیف و نادار کے ایمان سے اقویٰ و اکمل ہوتا' یہ جائز و ناممکن نہیں اس لیے کہ ایمان اقرار و تصدیق و عمل کا نام ہے' ان کے نزدک اور یہ افعال عباد ہیں اور فعل عبد عرض ہے' دو زمانوں تک باقی نہیں رہتا تو ناممکن ہے بعض کو بعض کے ساتھ منضم کرنا یہاں تک کہ زیادت و نقصان متصور ہو۔ یہ کمی زیادتی کہاں ہوتی ہے؟

پھر یہ زیادتی یا تو عین ایمان میں ہوگی یا وصفِ ایمان میں یا حکمِ ایمان میں یا موجَب ایمان میں؟ تو اگر زیادتی موجَبِ ایمان میں ہو اور وہ ثواب ہے تو اس کے ہم بھی قائل ہیں اور اگر کہا جائے کہ زیادت و نقصان حکمِ ایمان میں ہے اور وہ شخص کا مسلمان عادل بہ حکم ایمان ہونا ہے اور یہ متصور نہیں اس لیے کہ شخص واحد بعض اس کا مؤمن ہو اور بعض کافر اور اگر کہا جائے کہ زیادتی و کمی وصفِ ایمان میں ہے اور وہ شرائط ایمان ہیں تو یہ بالاتفاق جائز نہیں ہے' اس لیے کہ جو ایک شرط یا وصف کا انکار کرے' وہ مسلمان نہیں اور اس کا ایمان صحیح نہیں کیونکہ کوئی شخص تمام شرائط ایمان کو مانے اور ایک کو نہ مانے وہ کافر ہے' اس کا ایمان صحیح نہیں' تو

Marfat.com

ثابت ہوا کہ ایمان میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی اور اگر کہے کہ کمی بیشی عین ایمان میں ہوتی ہے تو عین ایمان تو اعتقاد ہے در حقیقت اور اقرار و عمل دلیل ہے، اعتقاد پر اس دلیل سے کہ اگر کوئی کام کرے یا قول کرے جو اعتقاد پر لالت کرتا ہو، جیسے جمعہ میں حاضر ہونا، اذان دینا، اقامت کہنا تو اس کے اسلام کا حکم کیا جائے گا، اگر چہ اس سے اقرار نہ پایا گیا ہو اور اگر کوئی فعل یا قول ایسا پایا گیا کہ جو کفر پر دلالت کرتا ہو تو علامت کفر کے اظہار اور الفاظ کفر کے کہنے سے اس کو کافر کہا جائے گا جب کہ مکرَہ نہ ہو، جہالت یا مذاق میں کلماتِ کفر کہے اور علامت پائی جائے تو اس کے کفر کا حکم دیا جائے گا، تو ثابت ہوا کہ ایمان دراصل اعتقاد ہے لیکن ایمان کا حکم بغیر اقرار کے صحیح نہ ہوگا، جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔

اور اعتقاد میں زیادت و نقصان کا تصور نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ اصل اعتقاد میں اگر زیادتی مانی جائے تو مسلمان اور اگر اعتقاد میں کمی ہو گئی تو کافر ہو جائے گا[1] تو وہی صحیح ہوا جو ہم نے کہا۔

اسی طرح حدیث مبارک میں مذکور ہے کہ ایک انصاری جن کو ابو حارث کہتے تھے، وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے فرمایا: ''کیف اصبحت یا ابا حارثة'' ابو حارثہ! کیسے صبح کی؟ ابو حارثہ نے عرض کی: حضور! میں نے صبح اس عالم میں کی کہ سچا مؤمن ہوں، تو حضور ﷺ نے فرمایا: ''من اراد ان ینظر الی عبد نور اللّٰہ قلبہ بالایمان فلینظر الی ھذا'' جو شخص ایسے بندے کو دیکھنا چاہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل کو نور ایمان سے روشن کر دیا ہو، وہ ابو حارثہ کو دیکھ لے، نیز حضور نے فرمایا: تم نے ٹھیک کہا، اسی پر ثابت ہو ''اصبت فالزم'' تو ثابت ہوا کہ بہ طور حقیقت ایسا کہنا روا اور مشروع ہے۔

سوال: اگر یہ پوچھا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے علم کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟

اللہ تعالیٰ کاموں کے انجام سے واقف ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ یہ کافر مرے گا تو ناممکن ہے کہ وہ مسلمان مرے اور اللہ تعالیٰ کا علم بدلتا نہیں اور شاید یہ شخص کہے کہ میں سچا مسلمان ہوں اور اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ ہے کہ کافر مرے گا۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ عواقب اُمور (انجام کار) کو

---

[1] اور یہ باطل ہے۔ (۱۲ اشرف قادری حفظہ اللہ تعالیٰ)

Marfat.com

جانتا ہے، اسی طرح مبادی اُمور (آغاز کار) کو بھی جانتا ہے اور جو فی الحال مؤمن ہے تو اللہ تعالیٰ کے علم میں بھی وہ مؤمن ہے اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ یہ بھی جانتا ہے کہ یہ کافر مرے گا، اس لیے کہ فی الحال جب تک اس سے کفر نہیں پایا جاتا، کافر نہیں ہے، جیسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے اہل جنت جنت میں داخل ہوں گے اور جہنمی جہنم میں داخل ہوں گے لیکن باوجود اس کے دونوں اپنے مقررہ اوقات تک مؤخر کیے گئے ہیں، اسی طرح یہاں معاملہ ہے۔

حضرت سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں سچا مؤمن ہوں، فی الحال اپنے نزدیک اور یہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں میرا کیا حال ہے؟ اور ان شاء اللہ العزیز میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی سچا مؤمن ہوں۔

اور بعض نے کہا کہ اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں اس لیے کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے خوف کی بناء پر کہا کہ میں ان شاء اللہ تعالیٰ مؤمن ہوں۔

اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ظن کی بناء پر کہا کہ "انا مؤمن حقا" میں سچا مؤمن ہوں "واکون مومنا ان شاء اللّٰہ تعالیٰ" اور ان شاء اللہ مؤمن ہی رہوں گا۔

حضرت ابوالقاسم قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "انا مؤمن حقاً" میں سچا مومن ہوں "واکون مؤمنا ان شاء اللّٰہ تعالیٰ" اور ان شاء اللہ تعالیٰ مؤمن ہی رہوں گا۔

ترجیحی بات

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صحیح مذہب یہ ہے: میں انسانوں اور فرشتوں کے نزدیک اور لوحِ محفوظ میں سچا مؤمن ہوں اور اللہ تعالیٰ کے علم میں مجھے معلوم نہیں، ان شاء اللہ مؤمن ہی ہوں گا۔

اس کی تحقیق بیان ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کو اسی طرح جانتا ہے جیسی کہ وہ فی الحال ہیں جیسا کہ حضرت ابوبکر جس وقت مسلمان نہ تھے، اللہ جانتا تھا کہ وہ مسلمان نہیں اور جب اسلام لائے تو جانتا تھا کہ مسلمان ہیں اور لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق وموافق ہے۔ پس ہم نے جو کہا تھا صحیح ثابت ہوا۔

Marfat.com

چھٹا قول
ایمان میں شک وشبہہ کے بارے میں

اہل سنت و جماعت کے فقہاء کا اجماع ہے کہ جو اپنے ایمان میں شک کرے کہ وہ کافر ہے اور جس نے کسی دوسرے کے ایمان میں شک کیا یا اسے کہا: ''او کافر'' تو دیکھا جائے گا کہ اس میں کفر کا شبہہ ہے تو کفر کی گالی دینے والا اور اس کے ایمان میں شک کرنے والا کافر نہ ہو گا اور اگر گالی دینے والے نے کفر کے شبہہ کے بغیر کافر کہا تو وہ خود کافر ہو جائے گا۔

تفصیل: جس شخص کے ایمان کے بارے میں شک ہے' اگر وہ شخص گاؤں کا وڈیرا (عریف) یا عشر لینے والا (عشار) یا جاسوس (عوانا) ہے تو اس کو کفر کی گالی دینے والا اور اس کے ایمان میں شک کرنے والا کافر نہ ہو گا۔

اگر وہ شخص کھلم کھلا فاسق ہے' اپنے فسق پر اصرار کرتا ہے اور علوم دینیہ سے جاہل ہے' ایسے شخص کو کافر کہا تو کہنے والا کافر ہو گا اور اگر اس کے ایمان میں شک کیا تو کافر نہ ہو گا۔

اور اگر اس نے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کیا لیکن ان پر اصرار نہ کیا اور نہ ہی علی الاعلان گناہ کیے ہیں اور علوم دینیہ کا جاننے والا ہے تو اس کے ایمان میں شک کرنا جائز نہیں ہے اور جو اس کے ایمان میں شک کرے گا وہ بدعتی ہے' یہ تمام باتیں اس قاعدے کی طرف لوٹتی ہیں کہ گناہوں سے ایمان کی نفی لازم نہیں آتی لیکن توبہ کو بھول جانا' دین کی تحقیر اور گناہوں پر سزا کا قائل نہ ہونا' یہ اُمور ایمان کی نفی کا باعث ہیں' اسی طرح جو شخص گناہوں کو بُرا نہ جانے یا اطاعت وعبادت کو اچھا نہ جانے یا اطاعت پر ثواب ملنے کا عقیدہ نہ رکھے یا اطاعت کو واجب نہ جانے تو وہ کافر ہو جائے گا اور جس میں ان (مذکورہ) باتوں کا توہم ہو' اس کے ایمان میں شک کرنا جائز ہے اور جو یہ باتیں زبان سے کہے[1] تو ایسے شخص کو کافر کہا جائے گا۔

ایمان میں شک کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو پہچانے' لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ پڑھے اور اس کی تصدیق کرے' پھر اس میں بایں صورت شک

---

1. مثلاً کہے کہ نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ فرض نہیں ہیں۔

Marfat.com

کرے کہ یہ ایمان اور یہ قول آیا اس کا ایمان ہے یا نہیں؟ اور کیا یہ کفر کو زائل کرتا ہے یا نہیں؟ پس یہی ایمان میں شک ہے اور شک کے ساتھ ایمان ثابت نہیں ہوسکتا۔

حضرت حماد بن ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ وہ امام اعظم کی وفات کے بعد مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میرے والد قدس سرہٗ قرآن پاک کو اللہ تعالیٰ کا کلام اور غیر مخلوق فرمایا کرتے تھے اور حضرات شیخین یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو سب سے افضل فرماتے تھے اور نبی اکرم ﷺ کے دونوں نسبتی فرزندوں حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے محبت رکھتے تھے، خیر و شر کو اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے جانتے تھے، کسی مسلمان کو بعینہٖ جنتی یا جہنمی نہیں فرماتے تھے[1] اور ایمان میں شک کے قائل نہیں تھے، یہ سن کر حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایمان میں شک کیا ہے؟ حضرت حماد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ ہماری طرف کچھ ایسے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں اور پھر یہ کہتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ ہمارا کلمہ پڑھنا ایمان ہے یا نہیں؟ اور کلمہ پڑھنے کے بعد ہم کفر سے نکلے ہیں یا نہیں؟ پس امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعجب سے تبسم فرمایا۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ جس نے اپنے ایمان میں شک کیا تو اس نے نصِ قرآنی کا انکار کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کا حکم دیا اور قرآن پاک میں ایمان کی صفت کو اپنے ان فرامین میں بیان فرمایا: ''فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ '' (محمد:۱۹) آپ یقین رکھیے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ (امت کی تعلیم کے لیے) خلافِ اولیٰ کاموں کی بخشش چاہیں۔ اور ''شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ '' (آل عمران:۱۸) اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

پھر اس قول، اس ایمان کی وجہ سے ان کا نام مؤمن رکھا، جو اس کے صحیح ہونے میں شک کرے گا وہ کافر ہو جائے گا، لیکن ایمان میں استثناء کرنا آیا یہ شک ہے یا نہیں؟ استثناء کا طریقہ یہ ہے کہ یوں کہے کہ میں مؤمن ہوں، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

---

[1] سوائے عشرہ مبشرہ کے، ان کا جنتی ہونا نبی اکرم ﷺ کے ارشاد سے ثابت ہے۔

Marfat.com

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ اگر کسی شخص نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا' ان شاء اللہ تعالیٰ (اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا) تو اس کا ایمان صحیح نہ ہوگا اور وہ کافر ہو جائے گا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یوں کہنا چاہیے کہ میں سچا مؤمن ہوں' یہی قول صحیح ترین ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی تعریف فرماتے ہوئے فرمایا کہ ''هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا'' (الانفال:۴) (اور حقیقت میں) وہی سچے مومن ہیں۔

سوال: اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے انہیں ایمان کی صفت کے ساتھ موصوف کیا ہے اور پھر انہیں سچے مؤمنین فرمایا ہے اور وہ فرمایا یہ ہے کہ ''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا'' (الانفال:۲) مومن وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل خوف زدہ ہو جائیں اور جب ان پر آیتیں پڑھی جائیں تو ان کے ایمان کو زیادہ کر دیں۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ یہ مومن کی صفت ہے نہ کہ ایمان کی۔ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ مومن مختلف قسم کے ہیں' بعض مومن دوسروں کی بہ نسبت اصلح ہوتے ہیں لیکن ایمان میں مختلف نہیں ہیں' پس ایمان میں فاسق اور نیک تمام برابر ہیں جیسے کفر میں (تمام کفار برابر ہیں)' احادیث میں روایت کیا گیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے سامنے ایک صحابی حاضر ہوتے ہیں' جنہیں ابوحارثہ کہا جاتا تھا تو آپ نے فرمایا کہ اے ابوحارثہ! صبح کیسے کی؟ ابوحارثہ نے عرض کیا کہ حضور! میں نے سچے مومن کی حالت میں صبح کی' تو حضور نے فرمایا: ہر حق کی ایک حقیقت ہوتی ہے (الحدیث)' پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا: کون ایسے شخص کو دیکھنا چاہتا ہے جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کے نور سے منور کر دیا ہے' پھر حضور ﷺ نے فرمایا: تم نے ٹھیک کہا ہے' اس کو لازم پکڑو' اس سے معلوم ہوا کہ اس طرح کہنا حقیقت کے اعتبار سے درست ہے۔

سوال: آپ اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کے حکم کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ تمام اُمور کے انجام کو جانتا ہے' جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ کافر مرے گا تو ناممکن ہے کہ وہ مسلمان مرے' اللہ تعالیٰ کا علم بدلتا نہیں اور ہو سکتا ہے کہ وہ کہے کہ

Marfat.com

میں سچا مسلمان ہوں اور علم الٰہی میں یہ ہے کہ وہ کافر مرے گا۔

جواب: بے شک اللہ تعالیٰ تمام اُمور کے انجاموں کو جانتا ہے اسی طرح امور کی ابتداؤں کو بھی جانتا ہے لہٰذا جو فی الحال مومن ہے وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں بھی مومن ہے اور باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ کافر مرے گا تو وہ فی الحال کافر نہ ہوگا جب تک اس میں کفر نہیں پایا گیا جیسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ عالم فنا ہوگا تو جہان فی الحال فانی نہ ہوگا ایسے ہی اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ جنتی جنت میں داخل ہوں گے اور جہنمی جہنم مین جائیں گے اس کے باوجود وہ دونوں فریق اپنے اپنے وقت تک مؤخر کیے گئے ہیں اسی طرح یہاں بھی ہے۔

حضرت سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں فی الحال اپنے نزدیک سچا مسلمان ہوں لیکن یہ نہیں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں میرا کیا حال ہے؟ اور (ان شاء اللہ تعالیٰ) اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اس کے ہاں بھی میں سچا مومن ہوں۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں فی الحال اپنے نزدیک سچا مسلمان ہوں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی مومن ہوں ان شاء اللہ تعالیٰ۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے خوف کی بناء پر کہا کہ میں مؤمن ہوں ان شاء اللہ تعالیٰ اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں حسنِ ظن کی بناء پر فرمایا کہ میں سچا مومن ہوں امام ابوالقاسم قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں سچا مومن ہوں اور ان شاء اللہ تعالیٰ میں مومن ہی رہوں گا۔

امام اعظم ابوحنیفہ کا اصح مذہب یہ ہے کہ لوگوں اور فرشتوں کے نزدیک میں مومن ہوں لیکن لوحِ محفوظ اور اللہ تعالیٰ کے علم میں مجھے معلوم نہیں ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ مومن ہی ہوں گا ہم اس کی تحقیق بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کو جانتا ہے جیسی فی الحال ہیں مثلاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس وقت مسلمان نہ تھے اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ وہ مسلمان نہیں ہیں اور جب اسلام لائے تو اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ وہ مسلمان ہیں اور لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق و موافق ہے تو ہمارا دعویٰ صحیح ثابت ہوا۔

Marfat.com

ساتواں قول
ایمانِ میثاق کا بیان

چند نظریات

(۱) معتزلہ اور روافض نے کہا کہ جسموں سے عہد و پیمان لینا جائز نہیں اور نہ صحیح ثابت ہے' یہ ایسی بات ہے جسے عقلی طور پر قبول کرنا ضروری نہیں ہے۔

(۲) بعض کہتے ہیں: میثاق روحوں سے تھا۔

(۳) بعض کہتے ہیں: یہ میثاق بہ طریق حکمتِ عقلی ہے' اس لیے کہ شرک اور کفران (ناشکری) جائز نہیں اور شکر و ایمان واجب ہے۔

(۴) اہل سنت و جماعت کا مسلک اس بارے میں یہ ہے کہ میثاق جسموں سے لینا صحیح اور ثابت ہے' اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ''وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰی'' (الاعراف:۱۷۲) اور جب آپ کے رب نے اولادِ آدم کی پشت سے ان کی نسل نکالی اور انہیں اپنے آپ پر گواہ بنایا' کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ وہ بولے: کیوں نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اس نے بنی آدم سے عہد و پیمان لیا اور یہ خبر ماضی کی ہے اور میثاق اجساد پر تھا' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''من بنی ادم'' اور جسم کے بغیر صرف روح کو بنی آدم نہیں کہا جاتا۔

اور اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''من ظهورهم ذریتهم'' اور ذریت روح و جسم کے ساتھ اور یہ عہد و پیمان عیاں اور صریح تھا' محض عقلی اور حکمی نہ تھا' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''الست بربکم'' کیا میں تمہارا رب نہیں؟ ان کو خطاب کے لفظ سے خبر دی اور خطاب بغیر مشافہ کے درست نہیں۔

اور اس لیے بھی کہ حضور اقدس ﷺ سے مروی ہے' آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور پشتِ آدم علیہ

Marfat.com

السلام سے قیامت تک ہر مولود (پیدا ہونے والے) کو نکالا اور ان سے عہد و پیمان لیا کہ تم میری عبادت کرنا اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا' تو ثابت ہو گیا کہ میثاق صحیح ہے۔

بعض فقہاء کا مسلک

بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کو حکم دیا' انہوں نے اپنے دونوں بازو آدم علیہ السلام کی پشت پر رکھے تو اللہ تعالیٰ نے آدم کی اولاد کو نکالا اور ان کی ذریت کو ان کی پشتوں سے جو بھی قیامت تک پیدا ہونے والا تھا' روح و جسد کے ساتھ عاقل و بالغ' پھر ان سے خطاب فرمایا: ''الست بربکم'' (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) سب نے متفق اور یک زبان ہو کر عرض کی: ''بلیٰ'' کیوں نہیں' اور یہ ان کا ایمان تھا۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ میثاق آدم علیہ السلام میں روح ڈالنے سے پہلے لیا گیا تھا اور بعض اس کے قائل ہیں کہ میثاق اس وقت لیا گیا جب آدم علیہ السلام جنت کے دروازہ پر تھے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ میثاق اس وقت لیا گیا جب آدم علیہ السلام چوتھے آسمان میں تھے۔ بعض کہتے ہیں: میثاق لیا گیا جب آدم علیہ السلام دنیا میں اتارے گئے اور ادائے رسالت کے بعد۔ بہر حال میثاق پر ایمان لانا واجب ہے' اس کی کیفیت نامعلوم ہے۔

کیا میثاق کے بعد ان پر موت آ گئی تھی؟

اس پر اجماع ہے کہ نہ ان پر موت طاری ہوئی اور نہ ہی ابھی ان کی پیدائش ہوئی تھی اور ان کی پشتوں سے اجزاء کو نکالا تھا جو چیونٹی یا ذرے کی مثل تھے' بعض کو بعض کی پشتوں اور صلبوں سے نکال کر پھر میثاق لینے کے بعد پھر دوبارہ لوٹا دیا گیا تھا' جیسے پہلے تھے اسی طرح دوبارہ پشتوں میں رکھ دیا۔

کیا میثاق کا حکم اب بھی باقی ہے؟

رہا یہ امر کہ حکمِ میثاق اب بھی باقی ہے یا نہیں؟ تو بعض نے کہا کہ باقی ہے اور سب لوگ ایمانِ میثاق کے ساتھ ماسوائے ان لوگوں کے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا اور ایسے ہی مشرکین کے بچے (ان) بعض کے نزدیک مؤمن ہیں' مگر یہ صحیح نہیں ہے۔

بعض نے کہا کہ ان پر ایمانِ میثاق واجب نہ تھا اور یہ خطاب' خطاب تکلیف نہ تھا بلکہ استخبار و تفہیم کے لیے خطاب تھا اور استفہام کے معنیٰ میں تھا۔

Marfat.com

استفہام کے دو معنیٰ

اور استفہام کبھی بمعنیٰ نفی ہوتا ہے اور کبھی بمعنیٰ اثبات ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو سمجھا دیا اور انہوں نے پہچان لیا اور ان کے دلوں میں ایمان ڈال دیا یہاں تک کہ انہوں نے ''بلیٰ'' کہا۔

علاوہ ازیں وہ وقت، وقتِ تکلیف نہ تھا اور اس لیے کہ ابتلاء و آزمائش اور تکلیف، احکام و معاملات میں ثابت ہوتی ہے اور ان کو وہاں حاجت نہیں تھی کیونکہ سب اوّلین و آخرین (اگلوں پچھلوں) کو ایک ساعت میں جمع فرمایا اور ان کے درمیان نہ نکاح تھا، نہ سفاح (زنا)، نہ دعویٰ و شہادت، نہ ولادت، نہ حیض و نفاس، نہ موت، نہ وراثت، نہ عدت، نہ روزہ، نہ نماز، نہ حج، نہ زکوٰۃ تو وہ تمام احکام سے بے نیاز تھے اور نہ ہی ان کو کھانے پینے کی حاجت تھی اور مصالح و ابتلاء و آزمائش عبادات میں ہوتی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی شکر گزاری ہو اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اس وقت ان کے حق میں مکمل نہیں ہوئی تھیں۔ ثابت ہوا کہ خطاب، خطابِ تکلیف نہ تھا، اس معنیٰ کے لحاظ سے ہم نے کہا: اس ایمان پر جزاء واجب نہیں، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس ایمان کا حکم باقی نہیں، اس لیے کہ اگر ایمان کا حکم باقی ہوتا تو جزاء بھی واجب ہوتی اور جب جزاء واجب نہیں تو ثابت ہوا کہ وہ ایمان باقی نہیں، لیکن یہ صحیح نہیں اس لیے کہ ہر خطاب پر ایمان واجب ہے۔ پس ثابت ہو گیا کہ وہ خطاب کے اہل تھے تو ان پر واجب تھا کہ ایمان لائیں اور زیادہ صحیح وہ بات ہے، جو ہم کہتے ہیں کہ ایمان روح ڈالنے کے بعد اور آسمان پر چڑھنے سے پہلے واجب ہے اور خطاب، خطابِ تکلیف و الزام تھا، اس معنیٰ کے لحاظ سے کہ وہ ہمارا الٰہ (معبود) ہے اور ہم اس کے بندے ہیں بغیر کسی شک و شبہ کے۔ اس لیے کہ ایمان اللہ تعالیٰ کا حق ہونے کے باعث واجب ہے، معانی سے خالی، پھر اس ایمان پر جزاء اس لیے واجب نہیں کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا ان پر حق ہے۔

اسی معنیٰ کے لحاظ سے اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ ایمان والے اللہ تعالیٰ کے فضل سے جنت میں داخل ہوں گے۔ ایمان والوں کو جنت میں داخل کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں اور نہ یہ جزاء ایمان ہے اور اس لیے کہ جزاء کا ثبوت دو جوب اور اس کا پتا تو اللہ تعالیٰ کے خبر دینے سے معلوم ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ایمانِ میثاق کی جزاء و ثواب کی خبر نہیں دی تو ہم بھی

Marfat.com

نہیں کہتے کہ اس ایمان کی جزا ملے گی اور وہ باقی نہیں اس لیے کہ وہ ایک مدت تک کے لیے مشروع اور مقصود تھا' وہ مدت ختم ہو گئی۔

اگر کہا جائے کہ یہ بات نہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''کل مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ الخ'' کہ ہر مولود فطرتِ اسلامی پر پیدا ہوتا ہے۔ پس اس کے ماں باپ یہودی یا مجوسی یا نصرانی بنا لیتے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ اگر مشرکوں کے بچے بلوغ سے قبل مؤمن ہوں تو لائق یہ ہو گا کہ جب وہ بالغ ہو جائیں تو کافر قرار دیئے جائیں اور ان سے جزیہ قبول نہ کیا جائے بلکہ ان کو قتل کر دیا جائے۔ اس لیے کہ ان پر اسلام کا حکم ثابت ہے اور اب کفر کریں گے تو اولادِ مسلمین کی طرح مرتد قرار پائیں گے اور مرتد سے سوائے اسلام اور سیف (لڑائی) کے کچھ قبول نہیں کیا جاتا اور جب یہ شرط نہیں تو یہ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ اصل میں وہ کافر تھے اور اگر اسلام کا حکم ثابت ہوتا تو کفر کا حکم نہ کیا جاتا بلکہ ماں باپ کی تبعیّت میں یا اسلامی مملکت کی تبعیّت میں انہیں مسلمان قرار دیا جاتا' نیز ''اسلام بلند ہوتا ہے مغلوب نہیں ہوتا'' تو ہم نے اجماعی فیصلہ دیا کہ وہ تبعاً کافر ہیں' ان کا اسلام ثابت نہیں۔

اور اس لیے کہ یہ بچہ اپنے کافر والدین کی میراث کا وارث ہوتا ہے اور ولایت عصبیّت اس پر ثابت ہوتی ہے۔ ثابت ہوا کہ جو ہم نے کہا' وہی حق ہے۔

اور حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ ''کل مولود یولد علی الفطرۃ'' بعض نے کہا: ''علی'' بمعنیٰ ''ل'' ہے ''للفطرۃ'' اور ہم یہی کہتے ہیں اور اصح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا اپنے راستے پر اور اس کے لیے جائز و روا نہیں ہے کہ اس کے راستے کے سوا کوئی اور راستہ اختیار کرے اور دین کا نام فطرت رکھا کیونکہ شرعاً اس کا حکم ثابت اور ظاہر نہیں ہے' اس لیے کہ تخلیق تکلیف کو واجب نہیں کرتی۔ صحیح یہ ہے کہ ''یولد علی الفطرۃ' ای علی الدین'' (بچہ) فطرت پر پیدا ہوتا ہے یعنی دین پر' اس لیے کہ واجب نہیں کہ کوئی مولود بغیر کسی دین کے پیدا ہو۔ پھر دینِ اسلام اصل ہے تو ہر بچہ دینِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے' پیدائش کے وقت مگر ان کے تابع و زیرِ حکم ہونے کی وجہ سے والدین کا کفر بچے میں سرایت کرتا رہتا ہے' لیکن حقیقت میں اس کا کوئی دین نہیں' جب تک بالغ نہ ہو اور جب بالغ ہوا اور زبان سے تعبیر

Marfat.com

کرلیا تو ہو جائے گا' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اما شاکرًا و اما کفورًا'' کہ چاہے شکر گزار ہو یا ناشکرا۔ اصول صغار میں حضور علیہ السلام کے اس ارشاد کے متعلق فرمایا: ''کل مولود یولد علی الفطرۃ الایمان یوم المیثاق ام غیرہ'' کہ ہر بچہ فطرتِ ایمان پر پیدا کیا گیا' میثاق کا دن ہو یا اس کے علاوہ۔ روزِ میثاق کا ایمان مراد ہے یا کوئی دوسری چیز مراد ہے؟ فرمایا: حدیث میں مذکورہ فطرت سے مراد اتباعِ والدین ہے اور یہ دنیا میں احکام کے اعتبار سے نہ یہ کہ یومِ میثاق کا ایمان مراد ہے۔

بعض کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ذریّتِ آدم علیہ السلام کو نکالا اور بعض کو دائیں جانب کھڑا کیا اور بعض کو بائیں جانب اور فرمایا: ''الست بربکم'' تو جو آدم علیہ السلام کے داہنی جانب کھڑے تھے انہوں نے مثبت طور پر سمجھا اور کہا: ''بلٰی'' اور جو آدم علیہ السلام کے بائیں جانب تھے' انہوں نے نفی کے طور پر سنا اور سمجھا اور کہا: ''بلٰی'' تو دائیں جانب والے (اصحابِ یمین) اپنے جواب کی وجہ سے مؤمن ہیں اور اصحابِ شمال (بائیں جانب والے) اپنے جواب کے سبب کافر ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ھؤلاء فی الجنۃ ولا ابالی وھؤلاء فی النار ولا ابالی'' یہ لوگ جنتی ہیں اور میں اس کی پرواہ نہیں کرتا اور یہ دوزخ میں اور میں اس کی پرواہ نہیں کرتا اور صحیح وہ ہے جو ہم نے ذکر کیا۔

آٹھواں قول

ایمان اور اسلام میں کیا فرق ہے؟

بعض فقہاء کا نظریہ

بعض فقہاء نے کہا: اسلام اور ہے اور ایمان اور ہے۔ رافضیوں کا بھی یہی مسلک و نظریہ ہے اور اس بناء پر انہوں نے اپنا نام مؤمن رکھا۔ رافضی لوگ اپنے علاوہ دوسری امت کو مسلم اور جو ان کے مذہب کے موافق ہو اس کو مؤمن کہتے ہیں۔

رافضیوں کا نظریہ

ان حضرات کا کہنا ہے کہ جو شرائع اور احکام کو ادا کرتا ہے لیکن تاویل وتنزیل کے علوم کو

Marfat.com

نہیں جانتا وہ مسلم ہے اور جو علوم حقائق اور تاویل و تنزیل کو جانتا ہے وہ مؤمن ہے۔

معتزلہ کا نظریہ

معتزلہ کہتے ہیں کہ باطن کے لحاظ سے مؤمن اور ظاہر کے لحاظ سے مسلم ہے اور مرتکب کبیرہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے' اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ اس کو مسلمان کہیں گے' مؤمن نہیں کہیں گے۔ دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا'' (الحجرات:۱۴)۔

ایسے ہی حضور ﷺ سے جب کسی نے سوال کیا تو آپ نے اسلام اور ایمان کے درمیان فرق بیان فرمایا۔ حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ ''ما الایمان؟'' ایمان کیا ہے؟ جواب ارشاد فرمایا: ''ان تؤمن باللّٰہ وملئکتہ و کتبہ ورسلہ'' یہ کہ تو ایمان لائے اللہ پر' فرشتوں پر' کتابوں اور رسولوں پر۔ اور جب سوال کیا گیا: ''ما الاسلام؟'' اسلام کیا ہے؟ فرمایا: ''اقام الصلوٰۃ و ایتاء الزکوٰۃ'' نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا۔

اور عام فقہاء واہل سنت کہتے ہیں: ایمان و اسلام معرفت و توحید میں کوئی فرق نہیں ہے' اس لیے کہ ہر مؤمن مسلمان' عارف' مؤحد ہوتا ہے اور ہر مسلمان مؤمن عارف موحد ہوتا ہے اور ہر عارف مُوَحِّد' مؤمن' مسلم ہوتا ہے اور ہر مؤحد عارف' مؤمن' مسلم ہوتا ہے۔

اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کا قول ذکر فرمایا: ''وبذلک امرت وانا اوّل المسلمین'' (الانعام:۱۶۳) اور مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول ذکر فرمایا: ''تبت الیک وانا اوّل المؤمنین'' (الاعراف:۱۴۳) کہ میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں سب سے پہلا مؤمن ہوں۔

سب انبیاء کرام کا دین ایک ہے

سب انبیاء کرام کا دین ایک ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ''مسلم'' فرمایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ''مؤمن'' فرمایا تو ثابت ہوا کہ ایمان و اسلام میں کوئی فرق نہیں۔

خلاصۂ کلام

مطلب یہ ہے کہ ان چار چیزوں (اسلام' ایمان' معرفت' توحید) میں سے کسی ایک کا

Marfat.com

بھی انکار موجبِ کفر ہے‘ اہل سنت کے نزدیک‘ اس لیے کہ جو مسلمان مؤحد نہ ہوگا وہ کافر ہے اور جو عارف نہ ہوگا وہ بھی کافر ہے اور جو مؤمن و مسلمان نہ ہوگا کافر ہوگا۔

در حقیقت مسلمان اور مؤمن کا ایک مطلب ہے‘ اسلام اور ایمان میں صرف لفظی فرق ہے

ان الفاظ میں لغوی اور لفظی اعتبار سے فرق ہے اور از روئے حقیقت کچھ فرق نہیں۔

بظاہر دو آیتوں میں تعارض کا جواب

لیکن رہا اس قول کا جواب کہ ”قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا“ (الحجرات:۱۴) بدوؤں نے کہا کہ ہم ایمان لائے‘ آپ فرمائیں کہ تم ایمان تو لائے نہیں لیکن یہ کہو کہ ہم مطیع ہوئے۔ اس سے مراد سلامتی ہے اسلام نہیں۔

دلیل: اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام امت کو مؤمن بھی فرمایا اور ان کو مسلمان کے نام سے بھی موسوم فرمایا‘ تو ثابت ہوا وہی بات ٹھیک ہے جو ہم نے بیان کی ہے کہ ایمان و اسلام اور معرفت و توحید میں فرق لغوی اور لفظی طور پر ہے اور حقیقت میں سب ایک ہے۔

اور حضور ﷺ کے ارشادِ مبارک کے معنیٰ یہ ہیں کہ نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا مسلمان کے فعل اور علامت ہیں اور یہی ہم کہتے ہیں۔

نواں قول

ایمان کا بیان (ایمان مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟)

ایمان کے مخلوق یا غیر مخلوق ہونے کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ ایمان غیر مخلوق ہے۔

عام فقہاء کا مسلک ہے کہ ایمان مخلوق ہے۔

ایمان کو غیر مخلوق کہنے والوں کی دلیل

جو حضرات ایمان کو غیر مخلوق مانتے ہیں‘ وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں: ”شَهِدَ

Marfat.com

اَللّٰـهُ اَنَّهُ لَا اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ ''(آل عمران:۱۸)اللہ تعالیٰ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور دوسری آیت ''کَلِمَةُ اللّٰهِ هِیَ الْعُلْیَا''(التوبہ:۴۰)اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہی بلند ہے (یعنی اللہ ہی کا بول بالا ہے)۔اس سے مراد ایمان ہے۔

تیسری آیت:''اِلَیْـهِ یَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّیِّبُ ''(الفاطر:۱۰)اسی کی طرف پاکیزہ کلام چڑھتا ہے۔اس سے بھی ایمان مراد ہے۔

چوتھی آیت:''وَمَـنْ یَّـكْـفُـرْ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ''(المائدہ:۵)اور جو ایمان کے ساتھ کفر کرے تو اس کا عمل ضائع ہو گیا۔ان آیات سے ثابت ہوا کہ ایمان غیر مخلوق ہے۔

جواب:اس کا جواب یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں:اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں صفت ایمان بیان فرمائی ہے اور رہی یہ آیات تو یہ بعینہٖ ایمان نہیں۔

دلیل:اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی کافر تمام قرآن پاک اوّل سے آخر تک پڑھے' ان آیات سمیت اور ان کی تصدیق نہ کرے تو اس کے اسلام کا حکم نہیں کیا جائے گا۔ثابت ہوا کہ یہ ایمان نہیں' بلکہ یہ اللہ کا کلام ہے اور غیر مخلوق ہے یعنی کلام اللہ غیر مخلوق ہے۔

ایمان کے مخلوق ہونے پر دلیل

ایمان مخلوق ہے' اس پر دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:ایمان و کفر مخلوق ہیں اور یہ دونوں متضاد ہیں۔

اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:اللہ تعالیٰ نے ایمان کو پیدا فرمایا اور اس کو جواں مردی وحیاء کے پردہ میں ڈھانپ دیا اور کفر کو پیدا کیا اور اسے بخل و جفاء سے ڈھانپ دیا۔حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضورِ اقدس نے فرمایا:اللہ تعالیٰ نے عرش کے نیچے ایمان سے زیادہ محبوب کوئی چیز پیدا نہیں فرمائی۔ان دلائل سے ثابت ہوا کہ ایمان مخلوق ہے اور اس لیے کہ ایمان بندہ کی صفت ہے کیونکہ بندہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اور بندے کا خدا پر ایمان لانا اس کی صفت ہے اور صفتِ بندہ بالاتفاق مخلوق ہے۔

اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:''وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَكْتُمُ

Marfat.com

اِیْمَانَهٗ" (المؤمن: ۲۸) اور فرعون والوں میں سے ایک مسلمان مرد کہ اپنے ایمان کو چھپاتا تھا نے کہا، اور اگر ایمان مخلوق نہ ہوتا تو اس کا چھپانا اس کے فعل سے ناممکن تھا اور اصح یہ ہے جو ہم کہتے ہیں کہ بندہ کا ایمان اللہ تعالیٰ کی طرف طلب اور قبول و اقرار اور تصدیق و ثبات اور جو ہو اللہ کی طرف امر و ہدایت توفیق اور ثبات اور لیکن بندہ بلا خلاف بجمیع صفاتہ مخلوق (اور بندہ کی ساری صفتیں نو پیدا ہیں) اور اللہ تعالیٰ قدیم ہے اور اسی طرح اس کی ساری صفتیں قدیم ہیں اور اس پر حدوث طاری نہیں ہوتا۔

ایمان کی دو قسمیں ہیں

(۱) ایک ایمان مکتوب من اللہ تعالیٰ، وہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: "کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ" (المجادلہ: ۲۲) کہ ان کے دلوں میں ایمان لکھا۔

(۲) اور دوسرے ایمان محکوم، وہ بندے کا فعل ہے تو مکتوب اللہ غیر مخلوق ہے اور محکوم علیہ مخلوق ہے۔

مہتدی ابوشکور سالمی فرماتے ہیں: مجھ سے کسی نے پوچھا کہ ایمان مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟ میں نے کہا: ایمان کیا ہے؟ اس نے کہا: "لا الہ الا اللہ" اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں نے کہا: یہ غیر مخلوق ہے اور ایک اور شخص نے مجھ سے پوچھا: ایمان مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟ میں نے کہا: ایمان کیا ہے؟ اس نے کہا: اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب۔ میں نے کہا: یہ مخلوق ہے۔

دسواں قول

ایمان کے محل اور اس کی بقاء کا بیان

ایمان کہاں ہوتا ہے؟ اس بات پر اجماع ہے کہ ایمان کا محل اور مقام قلب و زبان ہے۔ قلب، محل اعتقاد ہے اور زبان، محل اقرار ہے اور یہ دونوں (اعتقاد و اقرار) ایمان کے رکن ہیں، یہ اہل سنت و جماعت کا مسلک ہے۔

اقرار و تصدیق عرض ہیں، اس لیے کہ یہ دونوں بندے کی صفت ہیں اور عرض دو زمانوں

Marfat.com

تک باقی نہیں رہتی، لیکن ایمان کا حکم ہمیشہ باقی رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ باقی رکھتا ہے۔ پھر یہ کہ عرض اگرچہ فنا ہو جائے کوئی شخص ایمان کے حکم سے خارج نہیں ہوتا۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ مثلاً نکاح ایجاب وقبول کا نام ہے اور ایجاب وقبول دو عرض ہیں' وہ دو زمانہ تک باقی نہیں رہتے ایجاب وقبول جب پائے جائیں گے تو نیست و نابود ہو کر رہ جائیں گے' مگر اس کا حکم باقی رہتا ہے (حکم یعنی نفع اٹھانا حلال رہتا ہے)' جب تک ایسی چیز نہ پائی جائے جو نکاح کو ختم کرنے والی ہو یا اس کے مناقض ہو جیسے طلاق وغیرہ تو ایسے ہی اقرار و تصدیق اگرچہ فنا ہو جائیں مگر حکمِ ایمان باقی رہتا ہے بلکہ حکمِ ایمان اقویٰ و مؤکد ہے۔

تو لفظ اقرار کی فناء اور تصدیق کی فناء جو بندہ کے دل کا عمل ہے اور عمل حکم ایمان کی فناء کا موجب و باعث نہیں ہو سکتا' جب تک ایمان کی ضد و نقیض عارض نہ ہو اور وہ (ضد) کفر ہے۔

تو ہم کہتے ہیں کہ مؤمن جب ایک بار ایمان لایا تو اس کے مؤمن ہونے کا حکم دیا جائے گا' اگرچہ اس کے بعد ہزار مرتبہ اقرار کرے کہ پہلا اقرار ہی ایمان ہے اور بعد کے اقرار اسی پہلے اقرار کی تکرار ہیں اور اگر ایک مرتبہ اقرار کرنے کے بعد پھر کبھی اقرار نہ کیا تو اگرچہ برسوں زندہ رہا تو اس کے کفر کا حکم نہیں دیا جائے گا' جب تک ایمان کی ضد ظاہر نہ ہو اور اگر اسی اقرار کے بعد مر جائے تو اس کو مؤمن قرار دیا جائے گا اور اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی' جب تک ایمان کے خلاف کوئی بات نہ پائی جائے۔ پس اگر کہا جائے کہ مؤمن جب مر جائے تو اس کا ایمان جسم کے ساتھ تھا یا روح کے ساتھ؟

ہم کہتے ہیں کہ اس کا ایمان اللہ تعالیٰ کے حکم میں ہے نہ جسم میں اور نہ روح کے ساتھ' ہاں! جسم و روح مؤمن ہیں بہ حکم ایمان' اللہ کے حکم میں جیسے حالتِ حیات میں کہ ایمان نہ روح کے ساتھ تھا اور نہ جسم کے ساتھ اور نہ دونوں کے ساتھ' لیکن ایمان روح و جسم سے (قائم) ہوتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ ایمان نہ بندہ میں اور نہ بندہ ایمان میں لیکن بندہ حکمِ ایمان میں ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور ایمان و عبد دونوں اللہ تعالیٰ کے حکم میں ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

Marfat.com

گیارہواں قول
نزع کے وقت ایمان کا زوال جائز ہے یا نہیں؟

اس پر ہمارا اجماع ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام سے ایمان کا زوال قطعاً جائز نہیں اور پہلے بھی اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

رہا صحابہ کرام کا ایمان کہ وقتِ نزع ان کا زوال جائز ہے یا نہیں؟

تو جاننا چاہیے کہ صحابہ کرام کے دو فریق ہیں۔ ایک فریق وہ ہے جن کے مامون ہونے کی حضورِ اقدس ﷺ نے پہلے ہی بشارت دے دی، وہ نقباء وعشرہ مبشرہ ہیں، یوں ہی حضرات حسنین کریمین کہ ان کے حق میں حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''هما سيدا شباب اهل الجنة'' وہ دونوں (حسنین کریمین علیہما السلام) اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کی مانند جس جس کو جنت کی بشارت وشہادت دی گئی ہے کہ یہ جنتی ہیں تو ان حضرات کے ایمان کے زائل ہونے کا امکان نہیں کہ حضور ﷺ کا فرمان حق ہے اور جیسا فرمایا: ایسا ہی ہوگا۔

رہے وہ صحابہ کرام جن کے حق میں حضورِ اقدس ﷺ نے جنت کی بشارت نہیں دی، ان کے متعلق حکم یہ ہے کہ ہم ان کا ذکر بھلائی کے ساتھ کریں گے لیکن ہمیں ان کے قطعی جنتی ہونے کا حکم کرنے کا حق نہیں پہنچتا اور نہ قطعی ناری ہونے کا حکم کریں لیکن غیر صحابہ کے لیے جس قدر ہم امید کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں داخل کرے گا، اس سے کئی درجات زیادہ ان کے جنتی ہونے کی امید رکھتے ہیں۔ اب رہے دیگر مؤمنین اور کافرین تو ان میں سے کسی کو متعیّن کر کے قطعی جنتی یا دوزخی نہیں کہہ سکتے۔ ہاں! یوں کہیں گے کہ جو ایمان کے ساتھ مرا وہ جنتی ہے اور جو کفر پر مرا وہ جہنمی ہے۔ ہاں! فی الجملہ یہ کہنا جائز ہے کہ مؤمنین سب جنت میں کفار سب جہنم میں ہوں گے۔

اور اہل سنت وجماعت کے نزدیک بداعمالی کے سبب بوقتِ معاینہ، ایمان کے سلب ہو جانے سے مامون ومحفوظ ہونا جائز نہیں، ہر عاصی کو سلب ایمان سے محفوظ کیونکر مانا جائے؟

Marfat.com

مرجیہ اور مسئلہ ایمان

مرجیہ کہتے ہیں کہ جب ایک مرتبہ ایمان حاصل ہو گیا تو پھر معاصی اس کو نقصان نہیں دیں گے۔

دلیل: اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ ایمان اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اور اس کی عطا میں تبدیل و خلع جائز نہیں اس لیے کہ یہ تو ایک نعمت دے کر واپس لینا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں کہ کسی کو نعمت عطا فرما کر واپس لے۔

اہل سنت کی طرف سے جواب

اہل سنت و جماعت مرجیہ کی اس دلیل کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ عطیہ میں رجوع نہیں، نہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرما کر (نعمت ایمان) واپس لے لیا بلکہ بندہ نے اس کی قدر نہیں کی اور اس کی نعمت کو ٹھکرا دیا اور اس کا حق ادا نہ کیا[1]۔

جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہوا: ''فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُوْنَ '' (الاعراف: ۹۹) اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے سوائے گھاٹے والوں کے کوئی بے خوف نہیں ہوتے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''سنستدرجهم من حيث لا يعلمون '' (الاعراف: ۱۸۲) ہم عنقریب انہیں آہستہ آہستہ (عذاب کی طرف) لے جائیں گے جہاں سے نکلنا وہ جانتے نہ ہوں۔

حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اکثر ایمان معاینۂ عذاب کے وقت سلب ہوتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ نزع (جان کنی) سے قبل ایسے اُمور کا مرتکب ہوا کہ حرام قطعی کو حلال جانا یا حلال کو حرام جانا یا از روئے جہالت کلمۂ کفر کہا یا کفریہ فعل کا مرتکب ہوا[2] یا بے علمی میں ایسی بات کی جس میں اسلام کا ردّ ہوتا ہے اور توبہ نہ کی اور

---

[1] ورنہ اس کی شان تو یہ ہے جو اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ایک شعر میں فرمایا

تو نے اسلام دیا تو نے جماعت میں لیا   تو کریم رب، کہیں پھرتا ہے عطیہ تیرا

تو اس نے اپنا انعام واپس نہیں لیا بلکہ بندہ نے اس کی جیسے چاہیے تھی قدر نہیں کی اور اپنی بداعمالیوں اور بُری کرتوتوں کے باعث اس کے عطیہ (ایمان) کو رد کر دیا۔

[2] جیسے بت کو سجدہ کیا، یا قشقہ لگایا اور جنیو پہنا وغیرہ شعار کفر استعمال کیے۔ ۱۲ سیدی ابوالبرکات

Marfat.com

جب عذابِ الٰہی کا معائنہ کیا تو اس وقت توبہ قبول نہیں اور اس وقت یہ توبہ نفع نہ دے گی۔

خاتمہ بالایمان کے لیے بہترین وظیفہ

اس لیے ہر مؤمن بندہ پر لازم ہے کہ وہ روزانہ یہ دعا پڑھ لیا کرے:

''اللھم انی اعوذ بک من ان اشرک بک شیئا و انا اعلم به واستغفرک بما لا اعلم به تبت عنه وتبرات من الکفر والشرک والمعاصی کلھا واقول لا اله الا اللّٰه محمد رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه و آله وصحبه وبارک وسلم'' الٰہی! میں پناہ مانگتا ہوں کہ میں تیرے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک کروں جسے میں جانتا ہوں اور معافی مانگتا ہوں جسے میں نہیں جانتا' میں کفر وشرک اور سب گناہوں سے توبہ کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مستحقِ عبادت نہیں اور محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں' اللہ تعالیٰ حضور ﷺ 'اُن کی آل اور اصحاب پر اپنی خاص رحمتیں نازل فرمائے۔ (آمین)

Marfat.com

آٹھواں باب
ایمان کی شرائط کا بیان

شرائط ایمان کے بیان میں انیس قول ہیں۔

مہتدی ابوشکور سالمی نے فرمایا: جاننا چاہیے کہ ایمان کی شرطیں وہ ہیں جو حضور اقدس ﷺ نے بیان فرمائی ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ پر ایمان (۲) اللہ تعالیٰ کے فرشتوں پر ایمان
(۳) اس کی کتابوں پر ایمان (۴) اس کے رسولوں پر ایمان
(۵) آخرت پر ایمان
(۶) خیر و شر کی تقدیر من اللہ پر ایمان (یہ ایمان لانا کہ اچھا بُرا اللہ کی تقدیر سے ہے)
(۷) موت کے بعد اٹھنے پر ایمان

اصل ایمان اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ہے اور اس کا وصف اور حکم ہم بیان کر چکے ہیں، پھر فرشتوں پر ایمان لانا ہے۔

تو اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہم کہتے ہیں: جاننا چاہیے کہ تمام فرشتے اللہ تعالیٰ کے بندے اور مخلوق ہیں اور کفر سے معصوم، پاک، صاف اور فرماں بردار و اطاعت کیش ہیں۔

ابلیس جن تھا یا فرشتہ

سوال: اگر کہا جائے کہ ابلیس نے کفر کیا حالانکہ وہ فرشتوں میں سے تھا؟ (پھر معصوم کیونکر ہوئے؟)

جواب: ہم کہتے ہیں کہ اس میں فرشتوں کے اوصاف در آئے تھے اور عبادت کے ذریعے وہ فرشتوں کے مرتبہ پر فائز تھا لیکن درحقیقت وہ فرشتہ نہ تھا۔

Marfat.com

ابلیس فرشتہ نہیں تھا

دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اِلَّا اِبْلِیْس کَانَ مِنَ الْجِنّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّہٖ '' (الکھف:۵۰) سوائے ابلیس کے کہ وہ جنوں سے تھا تو اپنے رب کے حکم سے نکل گیا، یعنی ابلیس جنوں سے تھا، اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ وہ شہوت سے پیدا ہوا اور اس پر شہوت سوار ہوگئی۔ تو ثابت ہوا کہ اصل خلقت میں فرشتوں میں سے نہ تھا، برائے نام فرشتہ ہونے سے فرشتوں میں شمار ہوا۔

ہاروت و ماروت فرشتے تھے یا آدمی؟

سوال: اگر یہ کہا جائے کہ ہاروت و ماروت کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟

جواب: ہم نے کہا: ان کے متعلق لوگوں کا اختلاف ہے۔

بعض نے کہا: یہ دو بادشاہ تھے (مَلِکَیْن لام کی زیر کے ساتھ پڑھیں تو) اور صحیح یہ ہے کہ وہ دونوں فرشتے تھے (یعنی ملکین کے لام پر زبر پڑھو تو) اور اس پر ہمارا اجماع ہے کہ ان سے کفر کا صدور نہیں ہوا اور ان کے حال کی کیفیت نص میں مذکور نہیں اور نہ ان کے دین کا حال معلوم اور جب نص میں ان کا حال اور دین مذکور نہیں تو ان کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ پھر یہ کہ ان کا عمل کبیرہ گناہ بھی نہیں، اس لیے کہ ان پر عقوبت واجب نہیں کیونکہ عقوبت آخرت میں واجب ہوتی ہے اور انہیں آخرت میں عذاب نہیں ہوگا اور دنیا میں عذاب کبھی بطور جزاء ہوتا ہے اور کبھی بطور معاتبت ہوتا ہے اور علی وجہ المعاتبۃ جائز ہے جیسے انبیاء کرام سے اگر لغزش و سہو واقع ہو تو ان کو سختی اور مشقت پہنچتی ہے۔

انبیاء کرام پر عتاب جائز ہے؟

اور ان پر عتاب جائز ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام پر عتاب ہوا کہ بے ہوش کر دیئے گئے جیسا کہ قرآن پاک میں ہے: ''خَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا'' (الاعراف:۱۴۳) موسیٰ (علیہ السلام) بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ''اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْکَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ'' (الاعراف:۱۴۳) میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔

Marfat.com

فرشتوں پر عتاب ہوسکتا ہے

اور ایسے ہی اگر فرشتوں سے کوئی لغزش ہو تو ان پر عتاب ہوسکتا ہے[1]۔

اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں (ہاروت و ماروت) کے بارے میں خبر دی: ''اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ'' (البقرہ:۱۰۲) ''ہم تو صرف آزمائش ہیں تو تم کفر مت کرو، پس وہ ان دونوں سے وہ سیکھتے جس کے ذریعہ وہ مرد اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی ڈالیں اور وہ کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور وہ سیکھتے ہیں جو ان کو نقصان دے اور نفع نہ دے''۔ ظاہری بات ہے کہ ضرر رسانی (نقصان پہنچانا) حرام ہے اور کفر کا ذریعہ و سبب بننا بھی حرام ہے۔

جواب: ان آیات کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ یہ دونوں فرشتے (ہاروت و ماروت) لوگوں کو ڈراتے ہیں، وعظ کرتے ہیں کہ ''اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ'' اور پھر یہ کہ لوگ ان سے جادو کو سمجھنے کی حد، علم سحر سیکھتے ہیں۔

اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ کچھ جادو سیکھنا حلال و جائز ہے، لیکن اس پر عمل کرنا حرام ہے اور یہ دونوں (ہاروت و ماروت) لوگوں کو اس پر عمل کرنے سے روکتے اور ڈراتے ہیں اور لوگوں کو بتاتے ہیں کہ جادو کو حلال جاننا باعث فتنہ اور نقصان ہے اور سبب کفر ہے اور مخلوق کا ان سے سیکھنا تو یہ کفر تعلّم سے حاصل ہوا نہ کہ تعلیم سے، لہٰذا اعتراض لازم نہیں آتا۔

بعض فرشتے رسول ہیں

فرشتوں میں سے بعض اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہوتے ہیں، جیسے کہ جبرائیل، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل علیہم السلام مخلوق کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے فرستادہ پیغمبر ہیں اور تمام ملائکہ نبوت و رسالت کے درجے پر ہوتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا'' (الانعام:۶۱) ہمارے رسل (فرشتے) اس کی روح قبض کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۝

---

[1] انبیاء کرام صغائر و کبائر سے معصوم ہوتے ہیں، ایسے ہی ملائکہ معصوم ہیں۔ لغزش: ذھول اور بھول ہے معصیت (گناہ) نہیں۔ ۱۲ اسیدی ابوالبرکات

Marfat.com

کِــرَامٍ بَــرَرَةٍ O'' (العبس:۱۵۔۱۶) ایسوں کے ہاتھ لکھے ہوئے O معزز اور نیکوکار O' اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ'' (التحریم:۶) وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے۔

دوسری بات یہ ہے کہ تمام فرشتے اللہ کے رسول ہیں' اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا'' اور رسولانِ کرام اللہ تعالیٰ کے امین اور سفیر ہوتے ہیں اور وہ نبوت کے مرتبے پر فائز ہیں۔ اس لیے کہ جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچاتے ہیں اور جسے جبرئیل کی زبان سے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچے وہ نبی اور رسول ہوتا ہے۔

اس پر دلیل یہ ہے کہ ان سے بغض رکھنا اور انہیں گالی دینا' سب وشتم کرنا جائز نہیں ہے اور جس شخص نے کسی فرشتے کو گالی دی یا اس سے بغض رکھا تو وہ کافر ہو گیا جیسا کہ نبیوں سے بغض رکھنے والا یا انہیں سب وشتم کرنے والا کافر ہو جاتا ہے۔

اور جو کسی نبی یا فرشتے کا حقارت کے ساتھ گھٹیا انداز میں ذکر کرتا ہے' وہ کافر ہے۔ اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ''مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ'' (البقرہ:۹۸) جو اللہ تعالیٰ' اس کے فرشتوں' اس کے رسولوں' جبرائیل اور میکائیل کا دشمن ہو تو بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کا دشمن ہے اور نبی مکرم ﷺ سے مروی ہے' آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے نبی کو گالی دی ہو اسے قتل کر دیا جائے اور جو نبی کے صحابہ کو گالی بکتا ہو اس پر حد جاری کی جائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اَللّٰهُ يَصْطَفِىْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ'' (الحج:۷۵) اللہ تعالیٰ فرشتوں اور لوگوں میں سے رسول چن لیتا ہے۔ اس کی تحقیق یہ ہے کہ فرشتوں پر ایمان لانا ایسے ہی واجب ہے جس طرح نبیوں پر اور اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر تو ضروری ہوا کہ فرشتے بھی انبیاء کرام علیہم السلام کے مرتبہ میں ہوں۔

دوسرا قول

اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر ایمان لانے کا بیان

یہ بات ذہن نشین رہے کہ اللہ تعالیٰ کی سب کتابیں اس کا کلام ہیں اور یہ کلام جو اللہ

Marfat.com

تعالیٰ کی طرف سے وحی کی صورت میں نازل ہوتا رہا' مخلوق نہیں ہے اور اس کا سب کلام واحد ہے۔

اللہ تعالیٰ کی کسی کتاب یا اس کے کسی فرمان کا انکار کرنے والا کافر ہے

جو شخص اللہ تعالیٰ کی کسی کتاب کا انکار کرتا ہے یا کسی ایک کلمے کا انکار کرتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے' وہ کافر ہے۔

کیا اللہ تعالیٰ کی سب کتابیں ایک درجے کی ہیں؟

اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں کلام ہونے کے پہلو سے کوئی فرق نہیں اور کتبِ الٰہیہ میں سے کسی کتاب کو دوسری کتاب پر کلامِ الٰہی ہونے کے حوالے سے کوئی فضیلت اور برتری حاصل نہیں' سب اس کا کلام ہے۔

ہاں! کتابت و تلاوت اور تنزیل کے لحاظ سے روا اور جائز ہے کہ ایک کو دوسری پر فضیلت ہو' جیسے ہم کہتے ہیں کہ قرآن مجید اوّل سے آخر تک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور بعض کو بعض پر فضیلت دینا ہے جائز نہیں۔ ہاں! کتابت و تلاوت اور قراءت میں فضیلت دینا جائز ہے' جیسے احادیثِ مبارکہ میں آتا ہے کہ سورت اِخلاص کے پڑھنے والے کو اتنا اتنا ثواب ملتا ہے جب کہ اس کے مقابل سورت تبّت کے پڑھنے والے کو اس کی نسبت اتنا ثواب نہیں ملتا۔

دراصل یہ فضیلت پڑھنے والے کے اس اعتقاد کی طرف لوٹتی ہے' جو اس نے اختیار کیا کہ اس میں مرے رب کی صفات ہیں اور اس کا خالص ذکر ہے تو اس کا پڑھنا بہ نسبت سورت تبّت وغیرہ کے افضل ہے' اسی طرح اس مقام کو سمجھنا چاہیے[1]۔

چار کتابیں سب سے افضل ہیں

چار کتابیں افضل الکتب ہیں: تورات' انجیل' زبور' قرآن مجید اور ان چاروں میں سے قرآن پاک افضل ہے۔

---

[1] کہ سب کتابیں اللہ تعالیٰ کا کلام ہیں اور اللہ تعالیٰ کا کلام ہونے کے اعتبار سے ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں۔۱۲ سیدی ابوالبرکات

Marfat.com

قرآن مجید نے سب کتابوں کو منسوخ کر دیا

اس پر ہم سب کا اجماع ہے کہ گزشتہ کتابوں کو پڑھنا اور لکھنا' قرآن کریم کی قراءت و کتابت اور نزول کے ساتھ منسوخ ہو گیا ہے۔

کیا سابقہ کتبِ الٰہیہ کے احکام' قرآن سے منسوخ ہو چکے ہیں؟

اب رہا یہ مسئلہ کہ قرآن پاک کے احکام کے ساتھ کتب ماضیہ کے احکام منسوخ ہو گئے ہیں یا نہیں؟

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہر وہ حکم جو سابقہ کتب میں تھا اس کا نسخ' قرآن پاک' احادیثِ رسول (ﷺ)' اجماعِ امت یا قیاس جلی جو نسخ پر دال اور اس کا مقتضی ہو' ان سے منسوخ ہو گا اور جس حکم کے منسوخ ہونے کا قرآن' حدیث' اجماع یا قیاس جلی تقاضا نہ کرتا ہو وہ بہ دستور سابق مشروع اور جائز ہوں گے تو ایسے احکام بحال اور باقی رہیں گے۔

تمام احکام سابقہ منسوخ نہیں

پس قرآن مجید تمام احکامِ سابقہ کا ناسخ نہیں ہے' اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا '' (الشوریٰ:۱۳) تمہارے لیے وہ دین شروع کیا جس کی وصیت اس نے نوح (علیہ السلام) کو کی اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ '' (الحج:۷۸) تمہارے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کا دین۔

امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم احکامِ سابقہ کا ناسخ ہے خواہ نسخ پایا جائے یا نہ پایا جائے اور اس مسئلہ کا اصل مقام اصول فقہ ہے۔

تیسرا قول

رسولوں پر ایمان

تمام فقہاء اہل سنت و جماعت کا اجماع ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور بنی آدم سے ہیں' تمام انبیاء کرام معصوم ہی پیدا کیے گئے ہیں' انہیں اللہ تعالیٰ کی

Marfat.com

طرف سے تائید وقوت حاصل ہوتی ہے اور عقل وعبادت میں کامل ہوتے ہیں۔ انبیاء کرام کے اعمال کو ناقص کہنا جائز نہیں اگر چہ ان کا عمل کم ہو مگر کامل، وافر اور تام ہوتا ہے۔ سب انبیاء کرام کا ایک دین، ایک ملت، ایک اسلام ہے اور تمام ملت حنیفہ پر ہوتے ہیں۔

تمام انبیاء کرام پر خواہ ان کے نام و تعداد معلوم ہو یا نہ ہو، ایمان لانا واجب ہے جو ان میں سے کسی کا انکار کرے وہ کافر ہے۔

سوال: اگر کسی سے پوچھا جائے کہ تو فلاں نبی پر ایمان لایا ہے حالانکہ یہ شخص اس نبی کا نام نہیں جانتا تو اس کا کیا جواب دینا چاہیے؟

جواب: اگر کوئی کہے کہ بتا کہ تو فلاں پیغمبر پر ایمان لایا ہے اور وہ اس کا نام نہیں جانتا تو مطلقاً نفی واثبات (ہاں یا نہ) میں جواب نہ دے کہ ممکن ہے کہ وہ نبی ہو اور ہوسکتا ہے کہ وہ نبی نہ ہو۔

صحیح جواب: یوں کہے کہ اگر وہ نبی ہے تو میں اس پر اور اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء ومرسلین پر ایمان لایا اور اگر وہ نبی نہیں ہے تو پھر میں غیر نبی کو نبی نہیں مانتا۔

انبیاء کرام کی صحیح تعداد کیا ہے؟

انبیاء کرام کی صحیح تعداد کے متعلق کوئی نص قطعی وارد نہیں ہوئی، البتہ نبی کریم ﷺ سے ایک روایت میں ایک لاکھ چوبیس ہزار اور ایک روایت میں دو لاکھ چوبیس ہزار اور جب تعداد کے بیان میں مختلف روایتیں بہ طریق آحاد مروی ہیں تو قطع ویقین کے ساتھ عدد کی تعیین نہیں کرسکتے۔ تو بغیر گنتی وشمار اور کسی حتمی تعداد کی حد اور تعین کے تمام انبیاء ومرسلین صلوات اللہ علیہم اجمعین پر ایمان لائے۔

کیا کوئی عورت نبی ہوئی ہے؟ عورتوں میں سے کوئی نبیہ ہوئی ہے یا نہیں؟ بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ کوئی عورت نبی نہیں اور بعض فقہاء کہتے ہیں کہ چار عورتوں کو نبوت ملی، جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ چار نبیات ہیں: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ، مریم، سارہ، حوا۔ بعض فقہاء نے اس روایت کو غیر صحیح قرار دیا ہے۔

پھر ہم یہ کہتے ہیں: اگر یہ روایت ثابت ہو تو ہم کہیں گے کہ ہمارا تمام انبیاء ومرسلین خواہ مذکر ہوں یا مؤنث ایمان ہے اور اگر ثابت نہیں ہے تو نہیں، لیکن عورت ہونا رسالت کے

Marfat.com

منافی ہے کیونکہ یہ تو پردے کی مقتضی ہے۔[1]

چوتھا قول

حضور پرنور سید المرسلین ﷺ پر ایمان لانے کا بیان

جاننا چاہیے کہ ہر عاقل پر واجب ہے کہ وہ حضور پرنور ﷺ پر اس طرح ایمان لائے کہ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول تھے اور اب بھی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نبی کو منصب نبوت سے معزول نہیں فرماتا (نبوت کا سلب ہو جانا یا اس سے معزول کر دینا جائز نہیں) اور یہ ایمان لائے کہ حضور خاتم النبیین ہیں اور آپ کے بعد کسی نبی کا آنا جائز نہیں' سوائے عیسیٰ علیہ السلام کے کہ وہ حضور کے بعد آسمان سے نزول فرمائیں گے اور ان کی ملت اور شریعت حضور سے پہلے تھی اور ان کی وفات' نزول کے بعد ہوگی اور حضور کے بعد کوئی پیدا نہیں ہوگا۔

روافض کا عقیدہ کفر ہے

روافض کہتے ہیں کہ کوئی زمانہ نبی سے خالی نہیں ہوسکتا' ہر زمانہ کا نبی ہوتا ہے' یہ کفر صریح ہے' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ'' (الاحزاب:۴۰) اور نبیوں کی نبوت ختم کرنے والا اور جو ہمارے زمانہ میں نبوت کا دعویٰ کرے وہ قطعی طور پر کافر ہے کہ اس نے نص قطعی میں شک کیا اور یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ حضور ﷺ کی نبوت میں کوئی شریک نہیں۔

اس کے برخلاف روافض یہ کہتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نبوت میں حضور ﷺ کے شریک تھے' یہ عقیدہ ان کا کفر ہے اور یہ اعتقاد کرنا واجب ہے کہ حضور اقدس ﷺ تمام مخلوق سے زیادہ علم رکھتے ہیں اور حضور تمام مخلوق سے افضل ہیں۔

عقیدۂ کفرا: اس کے خلاف رافضیوں نے کہا کہ حضرت علی حضور سے بھی افضل اور زیادہ علم والے تھے' یہ عقیدہ بھی ان کا کفر ہے۔

---

[1] جب کہ انبیاء کرام اور رسولوں کا کام کھلم کھلا اپنوں اور بیگانوں سے ملنا ہے۔ ۱۲ اشرف قادری

Marfat.com

عقیدۂ کفر۲: بعض رافضیوں نے کہا کہ نبوت درحقیقت حضرت علی کے لیے تھی اور جبریل امین نے غلطی سے حضور کو وحی کر دی' یہ عقیدہ بھی کفر ہے' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' (الفتح:۲۹) محمد اللہ کے رسول ہیں۔

اور اس لیے کہ رافضیوں نے اللہ تعالیٰ کو جہل کے ساتھ موصوف کیا' اس لیے کہ ملائکہ سے غلطی ناممکن ہے تو اللہ تعالیٰ سے غلطی کیسے ہوسکتی ہے؟

حشویہ کا عقیدہ

بعض حشویہ کہتے ہیں کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام نے فلاں کی روح قبض کرنے میں غلطی کی' مدینہ سے یا روم سے' اور یہ عقیدہ کفر ہے' اس لیے کہ زندگی اور موت کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہے۔ اگر بالفرض عزرائیل روح قبض کرنے میں غلطی کرے تو اللہ عزوجل کے ابطالِ حیات اور ایجادِ ممات میں کیسے غلطی ہوسکتی ہے؟ اور جب عزرائیل سے غلطی ہوسکتی ہے تو پھر جبریل سے بھی غلطی ہوسکتی ہے اور جب جبرئیل غلطی کر سکتے ہیں تو ہوسکتا یہ کہ وحی رسالت حضرتِ علی کو تھی اور وہ غلطی سے ''معاذ اللہ'' حضور کو دے گئے' تو ہوسکتا ہے کہ وحی ''معاذ اللہ'' فرعون کو تھی اور موسیٰ علیہ السلام کو دے دی گئی' لہٰذا جو وحی میں حضرت جبریل کی غلطی کا قائل ہو یا حضرت عزرائیل کے روح قبض کرنے میں غلطی کا قائل ہو وہ یقیناً کافر ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

حضرت علی حضور سے زیادہ علم رکھتے تھے؟

جو کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ سے زیادہ علم رکھتے تھے' جیسے حضرت خضر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ جانتے تھے اور حضرت علی کو کونین کا علم تھا جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی کو کونین کا علم تھا۔

ہم اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ حضرت علی کو حضورِ اقدس ﷺ کی تعلیم سے کونین کا علم حاصل تھا۔

دلیل یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ مجھ کو نبی کریم ﷺ نے یمن کا قاضی بنا کر بھیجنا چاہا تو میں نے عرض کی: حضور! میں قاضی کے فرائض انجام دینے کے قابل نہیں تو حضور ﷺ نے تبسّم فرمایا اور ارشاد ہوا کہ اپنا منہ کھول۔ میں نے اپنا منہ کھولا تو

Marfat.com

حضورِ اقدس ﷺ نے اپنا لعابِ دہن میرے مُنہ میں ڈال دیا' اس کی برکت سے کبھی کسی فیصلے میں اشتباہ نہیں ہوا' تو ثابت ہوا کہ حضرت علی جو کچھ جانتے تھے وہ حضورِ اقدس ﷺ کی تعلیم اور لعابِ دہن کی برکت تھی۔

اور ان کا یہ کہنا کہ حضرت علی بہ منزلہ حضرت خضر علیہ السلام کے تھے' موسیٰ علیہ السلام کے لیے تو ہم کہیں گے کہ موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر سے افضل اور زیادہ جاننے والے تھے کیونکہ وہ صاحبِ شریعت اور صاحبِ کتاب تھے۔

حضرت خضر کون تھے؟ ولی یا نبی؟

حضرت خضر کے متعلق اختلاف ہے' بعض نے کہا: نبی تھے اور بعض نے کہا: ولی تھے اور بعض نے کہا: رسول تھے۔

مگر اس میں سب کا اتفاق ہے کہ خضر نہ تو صاحبِ شریعت تھے اور نہ صاحبِ کتاب۔
پھر سرکارِ دوعالم محمد رسول اللہ ﷺ صاحبِ کتاب اور صاحبِ شریعت اور تمام انبیاء و مرسلین سے افضل' اعلیٰ' برتر و بالا ہیں صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین اور لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور پرنور کے دستِ حق پرست پر ایمان لائے تو حضور اقدس سے کس طرح افضل و اعلم ہو سکتے ہیں؟

حضرت علی کو حضور سے افضل ماننے والا کافر ہے

اور جو یہ عقیدہ رکھے کہ حضرت علی حضورِ اقدس سے افضل و اعلم تھے تو وہ قطعاً کافر ہو جائے گا۔

حضرت علی کو شریکِ نبوت ماننے والوں کی دلیل

جن لوگوں نے حضرت علی کو نبوت میں شریک مانا' انہوں نے اس سے حجت قائم کی کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ ''اما ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسیٰ'' کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ تو مجھ سے ایسے ہو جیسے ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے تھے اور ہارون علیہ السلام نبی تھے لہٰذا ضروری ہوا کہ مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم بھی نبی ہوں۔

اس کا جواب ہم یہ دیتے ہیں کہ پوری حدیث یہ ہے: ''الا انه لا نبی بعدی ''یعنی

Marfat.com

میرے بعد کوئی نہیں اور ''اما ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسیٰ ''اس سے مراد قرابت ورشتہ داری اور خلافت ہے نہ کہ نبوت[1]۔

پانچواں قول

معراج کا بیان

معتزلہ اور جہمیہ نے کہا کہ معراج بیت المقدس تک تھی اور اس کے آگے بیداری میں نہ تھی۔ ان میں سے بعض نے کہا: معراج روح کو تھی جسم کو نہ تھی۔

اور اہل سنت و جماعت کہتے ہیں: معراج حق ہے۔ حضور ﷺ کے درِ اقدس سے بیت المقدس تک' بیت المقدس سے ساتویں آسمان تک' ساتویں آسمان سے الی ماشاء اللہ جہاں تک اللہ نے چاہا۔

اور بعض فقہاء نے کہا کہ جنت تک۔ بعض نے کہا: عرش تک۔ بعض نے کہا: عرش کے اوپر تک۔ بعض نے کہا: طرف عالم تک' حضور ﷺ کا ایک قدم مبارک عالم کی طرف اور دوسرا قدم عدم میں۔

اور بعض نے کہا کہ حضور سید المرسلین ﷺ اس عالم سے ماورائے عالم تشریف لے گئے عدم میں اور یہ محال نہیں' اس لیے کہ کینونت عالم اور حدوثِ عالم عدم میں عدم سے اور جب وجود عالم عدم سے اور حدوثِ عالم عدم سے جائز ہوا تو نقل موجودات کا عالم موجودات سے

---

[1] حضرت ہارون علیہ السلام' حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حقیقی بھائی تھے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضور ﷺ کے چچا زاد بھائی ہیں اور حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عمر میں بڑے تھے اور حضرت علی حضور علیہ السلام سے عمر میں چھوٹے ہیں اور حضرت ہارون علیہ السلام کا انتقال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ہوا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور علیہ السلام کے بعد حیات رہے' حضرت ہارون علیہ السلام کی خلافت زندہ رہنے تک تھی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت بھی نبی اکرم ﷺ کی حیات تک تھی' اختلاف وفات کے بعد کی خلافت میں ہے نہ کہ حضور کی زندگی والی خلافت میں۔ ۱۲ سیدی ابوالبرکات رحمہ اللہ تعالیٰ

Marfat.com

عدم تک جائز ہے اور بعض نے کہا: ناجائز ہے' اس لیے کہ مخلوق کا وجود بغیر مکان کے جائز نہیں۔

مخلوق کا وجود بغیر مکان کے ممکن ہے؟

ہم نے کہا: کینونت شخصہ (اس کی شخص و ذات کا ہونا) اس کی ذات کے لیے مکان ہو گا۔

پھر جب وجودِ عالم جائز ہے کہ مکان ہو اپنی ذات کے لیے اور دوسرے مکان میں رکھنے کی ضرورت نہیں تو جائز ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے لیے یا دوسری مخلوق کے لیے کہ اس کی ذات کے لیے مکان ہو اور موضوع نہ ہو' مکانِ آخر میں۔

مکان کی دو قسمیں ہیں

(۱) مکانِ حقیقی (۲) مکانِ مجازی

مکان مجازی کسے کہتے ہیں؟ مکانِ مجازی وہ ہے کہ اس مکان کے بغیر شئی کا وجود ممکن ہو اور وہ مقام موضع جلوس ہو یعنی مکانِ مجازی کسی شئی کی نشست گاہ اور قرار گاہ کو کہا جاتا ہے اور یہ ایسے ہی ہے جیسے ہم کہتے ہیں کہ عالم کے لیے وہ مکانِ مجازی کے بغیر موجود ہے اس لیے کہ عالم کے نیچے منتہی الی العدم ہے اور اس کے نیچے اور کوئی چیز نہیں' جس پر وہ قرار پکڑے تو ہمارا کہنا درست ہے کہ اس کا وجود اور شکل و تشخص ہی اس کا مکان ہے۔

مکانِ حقیقی کسے کہتے ہیں؟

مکانِ حقیقی وہ ہے کہ جس کے بغیر شئی کا وجود نہ ہو اور اس مکان میں اور کوئی غیر نہ ہو اور اسے شئی کا شکل و دائرہ کہتے ہیں' اس لیے کہ مخلوق کو وجود بغیر شکل و دائرہ کے ممکن نہیں اور اس شکل و دائرہ میں دوسرے کا وجود ناممکن ہے تو جو کچھ ہم نے کہا: وہ صحیح ہوا۔

کیا عدم کی جانب انتقال ممکن ہے؟ بعض نے کہا کہ عدم کی طرف کسی کا منتقل ہونا ممکن نہیں ہے' اس لیے کہ نبی کریم ﷺ سانس لینے کے محتاج تھے اور عدم میں سانس لینا ناممکن ہے۔

ہم کہتے ہیں: تنفس بقائے حیات کے لیے علت نہیں' اس لیے کہ مچھلی اور اس کی مثل جاندار پانی میں زندہ موجود ہیں اور وہ سانس کے بغیر زندہ باقی ہیں اور زیادہ درست بات یہ

Marfat.com

ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ معراج حق ہے اور بیداری میں ہوئی جہاں تک اللہ تعالیٰ نے چاہا۔

معراج النبی ﷺ اور معتزلہ کا مسلک

معتزلہ کی دلیل وہ روایت ہے، جو ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ عفیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ "ما فقد جسد محمد (ﷺ) لیلۃ المعراج" نبی کریم ﷺ کا جسمِ اقدس معراج کی رات مفقود نہیں ہوا اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے معراج کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ سچا خواب تھا، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْ اَرَيْنَاكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ" (الاسراء:٦٠) اور ہم نے آپ کے خواب کو جو ہم نے دکھایا لوگوں کے لیے آزمائش اور فتنہ بنایا۔

اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ معراج نیند میں تھی اور یہ کہ معراج بیت المقدس تک نص سے ثابت ہے اور بیت المقدس سے آگے خبر واحد سے ثابت ہے اور خبر واحد سے جو چیز ثابت ہو اس سے عقیدہ نہیں بنتا تو جو ہم نے کہا: وہ صحیح ہے۔

ام المؤمنین کی روایت کا جواب

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا فرمانا کہ معراج کی رات حضور ﷺ کا جسمِ اقدس گم نہیں ہوا، اس کا مطلب اور مفہوم یہ ہے کہ "ما فقد جسدهٗ عن الروح بل کان روحه معه" یعنی حضور ﷺ کا جسم، روح سے جدا نہیں ہوا بلکہ روح مع الجسد (روح و جسم دونوں) معراج ہوئی اور معراج فقط روحانی نہیں بلکہ روح و جسد دونوں کو ہوئی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کا مفہوم

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ معراج بیداری میں ہوئی، خواب میں نہیں ہوئی اور حضور ﷺ نے سر کی آنکھوں سے عجائباتِ قدرت کو دیکھا۔

دوسری بات یہ کہ رؤیا مصدر ہے، کہا جاتا ہے: "رای رؤیا" تو مراد رؤیا بالعین ہے یعنی ظاہری آنکھوں سے دیکھا۔

علاوہ ازیں اگر معراج خواب ہوتا تو کوئی انکار نہ کرتا، خواب تو ہنود منکر، کافر، گبرو، ترسا مجوس اور عاصی و مطیع سب ہی دیکھتے ہیں تو اس میں نبی کریم ﷺ کی کوئی تخصیص اور فضیلت نہیں ہوئی، تو ثابت ہوا کہ یہ معراج جسمانی تھا اور بیداری میں ہوا، اسی طرح "وَمَا جَعَلْنَا

Marfat.com

الرُّؤْيَا الَّتِي اَرَيْنَاكَ '' سے مراد رؤیت عینی ہے' بیداری میں جیسا کہ ہم نے کہا اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''فِتْنَةً لِلنَّاسِ '' سے مراد ابوجہل اور اس کے متبعین ہیں' اس لیے کہ اس نے سب سے پہلے انکار کیا تھا۔ جب حضور علیہ السلام نے فرمایا: ''اِنَّ شَجَرَةَ الزَّقُّوْمِ فِي النَّارِ '' کہ تھور کا درخت جہنم میں ہے' یہ سن کر ابوجہل نے کہا تھا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ درخت اور جہنم میں (آگ میں درخت) کیونکر باقی رہ سکتا ہے؟ اور بہت سے ضعیف الایمان لوگ واقعۂ معراج سن کر مرتد ہو گئے۔

سب سے پہلے معراج کی تصدیق سیّدنا ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ نے کی اور بے شمار صحیح احادیث مبارکہ سے حضورِ اقدس کی معراج جسمانی ثابت ہے اور جماعت صحابہ سے مروی ہے' ان میں سے ابوسعید خدری' انس ابن مالک' مالک ابن صعصعۃ' عبداللہ ابن عباس اور ام ہانی رضوان اللہ علیہم اجمعین مگر یہ احادیث بہ طریق آحاد ثابت ہیں' لہٰذا ان سے اعتقاد واجب نہیں تو ہم کہیں گے' احادیث کے تین مرتبے ہیں:

(۱) ایک مرتبہ یہ ہے کہ فقہاء نے بالاتفاق ان کو قبول کیا تو وہ حدیث حدِ شہرت میں کثرت روایت کی وجہ سے متواتر کے قریب ہے کہ بہ کثرت صحابہ نے مختلف مجالس میں واقعۂ معراج بیان کیا اور معروف متقدمین صحابہ میں سے کسی نے انکار نہیں کیا تو یہ بہ منزلہ اجماع کے ہوگیا اور علم و عمل واجب ہو گیا اور جو منکر ہے وہ فاسق ہے' مبتدع زجر و تعزیر کا مستحق ہے اور بعض نے کہا کہ کافر ہو جائے گا۔

(۲) دوسری قسم آحاد کی وہ ہے کہ اس کا منکر فاسق ہوگا اور اس کو مبتدع نہ کہا جائے گا۔

(۳) تیسری قسم آحاد کی وہ ہے کہ اس کا منکر فاسق بھی نہیں۔ پھر کلام معراج میں ہے اور یہ حدِ شہرت کو پہنچا ہوا ہے' جو ''معراج الیٰ ماشاء اللہ'' کا انکار کرے گا' وہ فاسق و مبتدع قرار دیا جائے گا' اگرچہ کافر نہ ہوگا اور اس پر سب کا اجماع ہے کہ جو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کا انکار کرے وہ قطعاً کافر ہے' پھر یہاں تین چیزیں ہیں:

(۱) اسراء (۲) معراج (۳) اِعراج۔

(۱) لیکن اسراء مکہ سے بیت المقدس تک کا انکار تو معتزلہ بھی نہیں کرتے اور جو انکار کرے وہ قطعاً کافر ہے' اس لیے کہ بیت المقدس تک تشریف لے جانا نص قطعی

Marfat.com

''سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَهٗ ''(الاسراء:۱)''پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے (خاص) بندے کو رات کے مختصر حصے میں سیر کرائی مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے اردگرد ہم نے برکت رکھی ہے'' سے ثابت ہے۔

(۲) اور معراج زمین سے ساتویں آسمان تک۔

(۳) اور اعراج ساتویں آسمان سے عرش معلّٰی تک۔

اور حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے رات میرے ہاں گزاری[۱] صبح کے وقت حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا: اے ام ہانی! آپ سے ایک حیرت انگیز اور تعجب خیز بات نہ بیان کروں؟ فرماتی ہیں: میں نے عرض کیا: کیوں نہیں فرمایئے، حضور نے فرمایا: میری آنکھیں سوتی تھیں اور دل بیدار تھا کہ جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور مجھ کو جگایا، آخر تک حدیث بیان کی۔

اور دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''فَلَا اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ وَ الَّیْلِ وَمَا وَسَقَ وَ الْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ لَتَرْکَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ''(الانشقاق:۱۶) تو مجھے قسم ہے شام کے اجالے کی اور رات کی اور جو چیزیں اس میں جمع ہوتی ہیں اور چاند کی جب وہ پورا ہو، تم ضرور ضرور منزل بہ منزل چڑھو گے۔ اس آیت سے اللہ تعالیٰ نے چند چیزوں کی قسم یاد فرمائی اور فرمایا کہ نبی کریم آسمانوں پر تشریف لے جائیں گے اور طبق آسمان ہے۔

اس پر دلیل یہ ہے: ''لَقَدْ رَاٰی مِنْ آیَاتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی ''ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''هو الرفرف ''وہ رفرف۔ نیز فرمایا: ''ذو مرة فاستوی ''(النجم:۶) یعنی قوت والے تو اس نے قصد فرمایا۔ اس سے مراد حضور ﷺ ہیں اور ''فاستوی '' سے مراد رفرف ہے۔

پھر فرمایا: ''فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰی ''(النجم:۱۰) پس اپنے بندے کو وحی فرمائی جو وحی فرمائی، یعنی ساتوں آسمانوں سے گزر کر عرش بریں پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا، جو بھی

---

[۱] ام ہانی ابو طالب کی بیٹی، حضرت علی کی بہن اور حضور علیہ السلام کی رضاعی بہن بھی ہیں۔

۱۲ سیدی ابوالبرکات

Marfat.com

فرمایا' تو اس میں اعراج کا ثبوت ہے۔

پھر حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے رب کو دل سے دیکھا[1] آنکھ سے نہیں دیکھا۔

دلیل یہ ہے کہ حضور سے دریافت کیا کہ آپ نے رب کو سر کی آنکھوں سے دیکھا؟

فرمایا:

سبحان الله! سبحان الله! رایته بفوادی وما رایته بعینی. | سبحان اللہ! سبحان اللہ! میں نے رب کو دل کی آنکھوں سے دیکھا' آنکھوں سے نہیں دیکھا۔

اور حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا گیا کہ کعب احبار نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے رؤیت (دیدار) اور کلام کو دونبیوں میں تقسیم کر دیا۔ رؤیت حضور ﷺ کو اور کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کو' یہ سن کر ام المؤمنین نے فرمایا: تین چیزوں کے بارے میں جو کوئی تم سے کہے تو یہ اللہ تعالیٰ پر بڑا جھوٹ ہے:

(۱) جو یہ کہے کہ حضور ﷺ نے شبِ معراج میں رب کو سر کی آنکھوں سے دیکھا' پھر دلیل میں یہ آیت تلاوت کی: ''مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی'' (النجم:۱۱) دل نے جھوٹ نہ کہا جو آپ نے دیکھا۔ رؤیت کو قلب کی طرف مضاف کیا۔

(۲) اور یہ کہے کہ نبی کریم ﷺ ''یعلم القیامة'' قیامت کا علم رکھتے تھے' پھر یہ آیت پڑھی: ''اِنَّ اللّٰهَ عِندَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ'' (لقمان:۳۴) یعنی قیامت کا علم بے شک اللہ کے پاس ہے (جس کو چاہے عطا فرمائے)۔

(۳) اور جو یہ کہے کہ حضور ﷺ نے ''کتم بعض ما اوحی الیه'' بعض وحی کا حصہ چھپایا ہے' دلیل میں یہ آیت پڑھی: ''یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ'' (المائدہ:۶۷) اے نبی محترم! جو آپ پر اتارا گیا تمہارے رب کی طرف سے' اس کو تمام وکمال پہنچا دیجئے۔ دلائل معراج صحیح ہو گئے۔

نوٹ: یعنی جو حضور نے دیکھا دل نے اس کو نہیں جھٹلایا' آنکھوں نے دیکھا دل نے تصدیق کی۔

---

[1] دیگر محققین کا کہنا ہے کہ سر کی آنکھوں سے دیکھا۔۱۲ سیدی ابوالبرکات

Marfat.com

قیامت کا علم بے شک خدا کے پاس ہے لیکن جب فرمادیا کہ ''عَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ '' (النساء:۱۱۳) آپ کو سکھادیا جو کچھ بھی آپ نہیں جانتے تھے۔ تو اس عموم میں قیامت بھی داخل ہے۔

دوسرے ''فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی '' (الجن:۲۶) تو وہ اپنے غیب پر کسی سے اظہار نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ (رسولوں) کے۔ یا ''مَا کَانَ اللّٰهُ لِیُطْلِعَکُمْ عَلَی الْغَیْبِ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ یَّشَآءُ'' (آل عمران:۱۷۹) اللہ تعالیٰ کی شایانِ شان نہیں کہ وہ تمہیں غیب پر مطلع کرے لیکن اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے۔

چھٹا قول
آخرت پر ایمان

قرامطہ، زنادقہ، اباحیہ، منجمہ، تناسخیہ، فلاسفہ نے قیامت اور حشر کا انکار کیا ہے اور بعض رافضیوں سے شیعہ رجعیہ نے بھی انکار کیا۔

قیامت کا عجیب مطلب

اور ان سب نے کہا کہ قیامت کے معنیٰ یہ ہیں کہ روح جسم میں داخل کر کے ان عملوں کا بدلہ دیا جائے گا جو زمانہ سابقہ اور گذشتہ ایام میں کیے ہوں گے اور یہ ان سب کا عقیدۂ کفر ہے اور اس بات کا فساد کسی عقل مند پر پوشیدہ نہیں، اس لیے کہ انہوں نے نص قطعی کا انکار کیا ہے اور بہ طریق مناظرہ ان کافروں سے اثباتِ وحی و نبوت کے دلائل ہیں۔

اور قرآن و حدیث کے خلاف، کلام اللہ کی تاویل کرنا کفر ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں قیامت کے اوصاف ذکر فرمائے ہیں اور مثلاً وہ یہ ہیں کہ فرمایا: ''فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ '' (المعارج:۴) [1] ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار

[1] ''وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ ''یعنی جو بھی آپ نہیں جانتے تھے وہ آپ کو سکھادیا تو اس عموم میں قیامت کا علم بھی داخل ہے۔

Marfat.com

سال ہے۔

دوسری آیت میں ارشاد فرمایا: ''اِنَّ اللّٰہَ یَبۡعَثُ مَنۡ فِی الۡقُبُوۡرِ '' (الحج: ۷) بے شک اللہ انہیں اٹھائے گا جو قبروں میں ہیں[1]۔ اسی طرح ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''مِنۡہَا خَلَقۡنٰکُمۡ وَ فِیۡہَا نُعِیۡدُکُمۡ وَ مِنۡہَا نُخۡرِجُکُمۡ تَارَۃً اُخۡرٰی'' (طٰہٰ: ۵۵) اس سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور اس میں ہم تم کو لوٹائیں گے اور دوبارہ اس سے تم کو نکالیں گے[2] اور اس طرح کی بہت آیتیں ہیں جن سے قیامت کا ثبوت سورج کی طرح روشن ہے۔

ساتواں قول

میزان اور صراط و کتاب کا بیان

معتزلہ اور جہمیہ' میزان' صراط اور حساب و کتاب کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نیکیوں اور بُرائیوں کی مقدار کو جانتا ہے اور اسے ان (میزان وصراط اور حساب و کتاب) کی حاجت نہیں اور حقیقت میں یہ چیز صحیح اور ثابت نہیں بلکہ ان سے کچھ اور ہی مراد ہے اور ان کا یہ اعتقاد کفر ہے' اس لیے کہ یہ چیزیں نص سے ثابت ہیں۔

قرآن کریم میں ہے:

فَمَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِیۡنُہٗ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ۔ (الاعراف: ۸) جس کی تول بھاری ہوئی' وہی کامیاب ہیں۔

---

[1] ''فَلَا یُظۡہِرُ عَلٰی غَیۡبِہٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰی مِنۡ رَّسُوۡلٍ'' (الجن: ۲۶۔۲۷) یعنی اللہ تعالیٰ اپنے چنے ہوئے رسول کے علاوہ کسی کو بھی اپنے غیب خاص کی اطلاع نہیں دیتا۔

[2] ''وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُطۡلِعَکُمۡ عَلَی الۡغَیۡبِ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَجۡتَبِیۡ مِنۡ رُّسُلِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ'' (آل عمران: ۱۷۹) غیب پر مطلع فرمانا اللہ تعالیٰ کی شان نہیں ہے' ہاں! اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے اس کے لیے چن لے۔ ۱۲ سیدی ابوالبرکات

تفصیل کے لیے دیکھئے: ''الدولۃ المکیہ'' از امام احمد رضا بریلوی اور ''من عقائد اہل سنت'' از عبدالحکیم شرف قادری اور ''جاء الحق'' از مولانا مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

Marfat.com

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ. (الاعراف:۹) اور جس کی تول ہلکی ہوئی تو وہ وہی ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈالا۔

یہ میزان کے حق ہونے میں نص ہے۔

سیدنا ابن عباس نے فرمایا: ترازو کی ایک زبان ہے اور دو پلڑے ہیں، ایک پلڑا مشرق میں اور دوسرا مغرب میں۔ پھر اگر یہ کہا جائے کہ اعمال تو اعراض ہیں باقی رہنے والے نہیں وہ کس طرح تولے جائیں گے؟ اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ بندہ اپنے عمل سمیت تولا جائے گا۔

نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ حضور اقدس کسی غزوہ میں تھے۔ ابن عباس ایک درخت پر چڑھے، ان کی پنڈلیاں پتلی تھیں۔ صحابہ کرام مسکرانے لگے، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ان کی پتلی پنڈلیوں کو دیکھ کر تعجب کرتے ہو؟ یہ پنڈلیاں میزان میں آسمان وزمین سے بھی زیادہ وزنی ہیں۔

اور عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: بندہ کے اعمال صحیفوں میں لکھے جاتے ہیں، ایک صحیفہ میں نیکیاں اور دوسرے میں بُرائیاں۔ ایک پلڑے میں حسنات کا صحیفہ اور دوسرے پلڑے میں برائیوں کا صحیفہ رکھا جائے گا۔

اور محمد ابن علی ترمذی نے فرمایا: اعمال بغیر انسان کے تولے جائیں گے، ایک پلڑے میں نیکیاں رکھی جائیں گی وہ نور کی مانند نظر آئیں گی اور دوسرے میں بُرائیاں رکھی جائیں گے وہ تاریکی وظلمت کی طرح معلوم ہوں گی۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ○ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ. (الزلزال:۷۔۸) جس نے ذرہ برابر نیکی کی اس کو دیکھے گا○اور جس نے ذرہ برابر بدی کی اس کو دیکھے گا۔

اور ایسے حساب بھی نص سے ثابت ہے۔

''فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا'' (الانشقاق:۸) جلدی حساب لیا جائے گا آسانی سے۔

Marfat.com

دوسری نص ''اِنَّ اللّٰہَ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ'' (آل عمران: ۱۹۹) اللہ تعالیٰ جلدی حساب لے لے گا' یہ نص حساب کے بارے میں ہے۔

اور مروی ہے کہ ایک اعرابی نے حضور ﷺ سے عرض کی: قیامت کے دن حساب کون لے گا؟ حضورِ اقدس نے فرمایا: اللہ تعالیٰ۔ اعرابی نے عرض کیا: جب تو میں کامیاب ہوں۔ قسم ہے رب کعبہ کی! اپنے حق میں گرفت نہیں فرمائے گا اور اپنا حق چھوڑ دے گا (اور بندے کے حق کو نہیں چھوڑے گا)۔

ایسے ہی کتاب نص سے ثابت ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''کِتٰبٌ مَّرۡقُوۡمٌ یَّشۡهَدُهُ الۡمُقَرَّبُوۡنَ'' (المطففین: ۲۰-۲۱) وہ لکھی ہوئی کتاب ہے جس کی مقربین زیارت کرتے ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ''لَا یُغَادِرُ صَغِیۡرَةً وَّلَا كَبِیۡرَةً اِلَّاۤ اَحۡصٰهَا'' (الکہف: ۴۹) اس نے نہیں چھوڑا کوئی چھوٹا (گناہ) اور نہ بڑا مگر اس کا احاطہ کرلیا اور فرمایا: ''اِنَّ رُسُلَنَا یَكۡتُبُوۡنَ مَا تَمۡكُرُوۡنَ'' (یونس: ۲۱) بے شک ہمارے رسول لکھتے ہیں جو تم مکر کرتے ہو۔ اور بھی اسی طرح آیتیں ہیں' یہ نص ہے' جو انکار کرے کافر ہے۔

اگر کہا جائے کہ حساب و کتاب اور میزان و صراط میں کیا حکمت اور فائدہ ہے؟ جب کہ اللہ تعالیٰ سب کو جانتا ہے تو وہ حساب و کتاب اور میزان و سوال کا محتاج نہیں۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ بنی آدم پر ثابت کر دیا جائے اور ان پر حجت قائم کر دی جائے تا کہ بندہ اپنے اچھے اور بُرے عملوں کی مقدار کو جان لے اور اسے یقین ہو جائے کہ جو کچھ مجھے پہنچا ہے وہ عدل ہے اور بندہ اسی کا اہل ہے وہ جس کے قابل تھے وہ اسے مل گیا۔

اب اگر دریافت کیا جائے کہ ان میں سے سب سے پہلے کیا ہوگا؟

تو اس کے متعلق کوئی نص نہیں ہے' لیکن تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ سب کچھ صراط پر ہوگا اور یہ جائز نہیں کہ صراط سے پہلے ہو' اس لیے کہ میزان و حساب کے بعد مشقت جائز نہیں جس نے نجات پائی' اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''فَمَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِیۡنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ'' (الاعراف: ۸) پس جس کی تول بھاری ہوئی تو وہ لوگ کامیاب ہیں۔

اور صراط کے بعد (حساب و میزان) جائز نہیں' اس لیے کہ جب صراط سے گزر گیا تو

Marfat.com

کامیاب ہو گیا اور جہنم سے بچ گیا' پھر افعالِ قلوب فکر اور نیّت وغیرہ کا حساب ہو گا یا نہیں؟ بعض نے کہا: سب کا حساب ہو گا۔ بعض نے کہا: ان کا حساب نہیں ہو گا اور زیادہ درست بات یہ ہے کہ جب کبھی دل میں خطرہ گزرا (دل میں کسی بُرے کام کا خیال آیا) اگر اس کا عزم نہیں کیا اور نہ نیت کی تو اس کا حساب نہ ہو گا اگر چہ خطرہ (کھٹکا) کفر ہی کیوں نہ ہو[1]۔ اس لیے یہ خطرات ایسے ہیں جن سے بچنا ناممکن ہے' ہاں! اگر دل میں خطرہ پیدا ہوا اور اس کا اعتقاد کیا اور اس پر جمار ہا تو ضرور سوال ہو گا اور حساب لیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِیْ صُدُوْرِکُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ یَعْلَمْهُ اللّٰهُ'' (آل عمران: ۲۹) آپ فرما دیجئے اگر تم چھپاؤ جو تمہارے سینوں میں ہے یا اس کو ظاہر کرو تو اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے۔ اور فرمایا: ''اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا'' (الاسراء: ۳۶) بے شک کان' آنکھ اور دل سب کے بارے میں سوال ہو گا۔

---

[1] نوٹ: انسان کے ذہن میں جو بات' خیالات' ترغیبات اور عزائم پیدا ہوتے ہیں ان کی پانچ قسمیں ہیں:

(۱) ہاجس: اچانک کسی چیز کا خیال آئے (۲) خاطر: کسی چیز کا بار بار خیال آئے

(۳) حدیث نفس: جس چیز کا خیال آئے' ذہن اس کے حصول کے لیے پروگرام تیار کرنا شروع کر دے۔

(۴) ھَمّ: غالب جہت اس چیز کو حاصل کرنے کی ہو اور مغلوب سا خیال ہو کہ اس کو حاصل نہ کیا جائے۔

(۵) عزم: مغلوب سا خیال بھی زائل ہو جائے اور اس چیز کے حصول کا پختہ ارادہ ہو' اگر کسی شخص کے ذہن میں گناہ کا خیال آئے' ہاجس' خاطر' حدیث نفس اور ہم کے مرتبہ میں اس سے مواخذہ نہیں ہوتا' البتہ گناہ کا عزم کرے تو وہ مستحق مواخذہ ہے' خواہ اس کے بعد گناہ کا فعل نہ کرے' کیونکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے عزم سے روکا ہے' فرمایا: ''وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّکَاحِ'' (البقرہ: ۲۳۵) اور عورت کی عدت میں اس سے نکاح کرنے کا ارادہ نہ کرو۔ نماز میں جو خیالات ہاجس اور خاطر کی قسم سے ذہن میں آئیں ان سے نماز میں کوئی کمی نہیں ہوتی' کیونکہ وہ اس کے بس اور اختیار سے باہر ہے' البتہ حدیثِ نفس سے احتراز کرنا چاہیے اور یہ انسان کے بس میں ہے۔ (ماخوذ از: شرح مسلم شریف (علامہ غلام رسول سعیدی) ص ۲۳۲)

Marfat.com

آٹھواں قول

کراماً کاتبین اور حفاظت کرنے والے فرشتوں کا بیان

معتزلہ کا مسلک

معتزلہ کہتے ہیں کہ ہم پر کوئی حفاظت کرنے والے اور ہمارے عملوں کو لکھنے کے لیے فرشتے مقرر نہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اور ان کے اعمال کو جانتا ہے جس کو چاہے بخشے، جس کو چاہے عذاب دے۔

اہل سنت کا مذہب

اہل سنت فرماتے ہیں کہ حفظہ (حفاظت کرنے والے فرشتے) ہر کافر اور مؤمن پر مقرر ہیں، جو بندے کے شب و روز کے اعمال کا حساب و کتاب رکھتے ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ. (الانفطار:۱۱)

اور بے شک تم پر حفاظت کرنے والے ضرور مقرر ہیں جو کچھ تم کرتے ہو اسے لکھنے والے ہیں اور اس کو وہ جانتے ہیں۔

دوسری آیت:

مُعَقِّبٰتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ. (الرعد:۱۱)

یکے بعد دیگرے آنے والے فرشتے ہیں، آگے پیچھے اللہ کے حکم سے حفاظت کرتے ہیں۔

امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس آیت کے معنیٰ یہ ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ ان میں کسی رسول کو بھیجتا ہے تو اس رسول کی حفاظت کے لیے اللہ فرشتوں کو بھیجتا ہے جو رسول کی مکمل حفاظت کرتے ہیں۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ عفیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: جب قیامت کی سب سے پہلی نشانی اور علامت ظاہر ہو گی تو قلم ڈال دیئے جائیں گے اور فرشتے لائے

Marfat.com

جائیں گے اور تمام اعضاء گواہی دیں گے کہ بندوں نے فلاں فلاں اعمال کیے ہیں اور یہ اعمال صحیح ہیں اور یہ امر نص سے ثابت ہے جو انکار کرے' وہ کافر ہے۔

نواں قول

دوزخ میں داخل ہونے اور دوزخ سے نکلنے کا بیان

معتزلہ کہتے ہیں: مؤمنین دوزخ میں داخل نہیں ہوں گے' دوزخ میں کافر اور فاسق داخل ہوں گے اور جو دوزخ میں داخل ہو گیا وہ ہمیشہ اسی میں رہے گا' نکالا نہیں جائے گا۔

اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ دوزخ میں داخل ہونا تمام امتوں کے لیے ہے اور دوزخ سے خروج مؤمنوں کے لیے خاص ہے' یہ حق ہے' اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا O ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا (یعنی من الشرک) وَنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا'' (مریم: ۷۱-۷۲) تم میں سے کوئی ایسا نہیں جس کا گزر اس (دوزخ) پر نہ ہو' تمہارے رب کے ذمہ پر یہ ضرور ٹھہری ہوئی بات ہے' پھر ہم ڈرنے والوں کو نجات دیں گے (یعنی شرک سے) اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل گرے ہوئے چھوڑ دیں گے (یعنی کافروں کو)۔

علماء نے فرمایا: ورود اس جگہ داخل ہونے کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے' اس پر دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد ہے کہ سب سے آخر میں جہنم سے وہ نکلے گا جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہوگا۔ ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ سب سے آخر میں جہنم سے اس شخص کو نکالا جائے گا' جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہوگا اور یہ نص ہے۔

دخولِ جہنم سے مراد؟

پھر ہم کہتے ہیں کہ انبیاء اور مرسلین کے سوا سب امتوں کے لیے خواہ وہ مؤمن ہوں یا کافر دخولِ جہنم ثابت ہے' اس لیے کہ دخول سے مراد صراط سے گزرنا ہے اور یہ گزرنا جزاء و سزا' سوال و میزان اور حساب و کتاب کے لیے تمام امتوں سے ہوگا' سوائے نبیوں اور رسولوں کے' اس لیے کہ یہ چیزیں نیکی اور بدی کے اظہار کے لیے ہوں گی تا کہ نیکوں کو اچھا بدلہ

Marfat.com

دیا جائے اور بُروں کو سزا دی جائے اور انبیاء و مرسلین تو پیدا ہی پاک و معصوم ہوتے ہیں، وہ ہر چھوٹے بڑے گناہ سے معصوم ہوتے ہیں[1]۔ اس لیے کہ وہ تمام بندوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حجت ہیں اور حجت پر حجت قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔

علاوہ ازیں یہ امور اظہارِ تقصیر اور گناہ کے لیے ہیں اور انبیاء کرام مغفور اور فائز المرام ہوتے ہیں، وہاں گناہ اور تقصیر و کوتاہی کا امکان ہی نہیں بلکہ ان سے گناہ و تقصیر کا وہم بھی نہیں کیا جا سکتا، اس لیے ان سے حساب بھی نہ ہوگا۔

قرآن پاک میں ہے: ''فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِکْ بِغَیْرِ حِسَابٍ'' (ص: ۳۹) پس تو احسان کر یا روک لے تجھ پر کچھ حساب نہیں۔ اور حساب حاصل و محصول کا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان سے حساب اٹھا لیا ہے، اس لیے وہ مدعیٔ نبوت ہیں اور شریعت کو بیان کرنے والے ہیں اور اگر انبیاء و مرسلین علیہم السلام ان اُمور سے محفوظ نہ ہوں، یعنی ان سے بھی سوال و جواب اور حساب و کتاب ہو اور سزا دیئے جائیں تو مخلوق کو نجات کی دعوت کس طرح دیں گے؟ جب وہ خود نجات یافتہ نہیں تو دوسروں کو نجات کا مژدہ کس طرح دے سکتے ہیں؟ جو خود خوف زدہ ہوں وہ دوسروں کو کیسے نجات دلا سکتا ہے؟ اور جب دوسروں کو نجات دلا سکتا ہے تو خود بہ طریقِ اولیٰ نجات یافتہ ہوگا۔

پس ثابت ہوا کہ انبیاء کرام نجات یافتہ ہیں اور ہلاکت کے خوف سے محفوظ ہیں اور ان سے سوال ہوگا اور نہ انہیں عذاب ہوگا[2]، لہٰذا جو ہم نے کہا وہ صحیح ثابت ہوا۔

بعض کہتے ہیں: یہ (حساب و کتاب، سوال و جواب) انبیاء کرام سے بطور عرض اور ان کے فضل و کمال کے اظہار کے لیے ہوگا۔

اہل سنت و جماعت کے نزدیک اہل ایمان ہمیشہ جہنم میں نہ رہیں گے۔

معتزلہ کے نزدیک مرتکب کبیرہ اگر بغیر توبہ کیے مر جائے تو وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور انہوں نے یہ کیوں کہا؟ دراصل اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے زعم میں مرتکبِ کبیرہ ایمان دار نہیں رہتا اور جب توبہ کیے بغیر مر گیا تو وہ بے ایمان ہونے کی وجہ سے جنت و ثواب کا مستحق نہیں۔

---

[1] اس لیے ان سے نہ سوال ہوگا، نہ حساب و کتاب وہ بالکل مامون ہوں گے۔ ۱۲ سیدی ابوالبرکات

[2] بلکہ وہ تو دوسروں کو شفاعت کر کے نجات دلائیں گے۔ ۱۲ سیدی ابوالبرکات

Marfat.com

معتزلہ اس آیت سے دلیل دیتے ہیں کہ "مَنْ یَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَآءُہٗ جَھَنَّمُ خَالِدًا فِیْھَا" (النساء:۹۳) جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی جزاء جہنم ہے' اس میں ہمیشہ رہے گا۔

ہم (اہل سنت) کہتے ہیں: مرتکبِ کبیرہ اسلام سے خارج نہیں تو جب وہ ایمان دار ہے تو کافروں کے ساتھ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا۔ حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے' دوسری بات یہ ہے کہ مشرکوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے تأبید (ہمیشہ) کا لفظ فرمایا ہے: "وَالْمُشْرِکِیْنَ فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ خَالِدِیْنَ فِیْھَا اَبَدًا" (البینۃ:٦) اور مشرکین جہنم کی آگ میں ہوں گے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور اسی طرح جنتیوں کے لیے "ابداً" (ہمیشہ) کا لفظ فرمایا "تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھَارُ خَالِدِیْنَ فِیْھَا اَبَدًا" (البینۃ:۸) جس کے نیچے سے نہریں جاری ہیں جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

خلود اور تأبید میں فرق؟

اور قاتل کے لیے خلود کا ذکر ہے' تأبید کا ذکر نہیں اور خلود سے مراد مکث طویل (مدتِ دراز تک ٹھہرنا) مراد ہے' اس بات کو ہم بھی مانتے ہیں کہ جہنم میں طویل مدت تک رہے گا' پھر نکال لیا جائے گا۔

ایک کی دوسری توجیہ

اور بعض نے کہا کہ یہ آیت اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ جس نے مسلمانوں کو قتل کیا اور پھر مرتد ہو گیا تو ہم بھی کہتے ہیں کہ بوجہ ارتداد ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

لیکن مسلمان مرتکبِ کبیرہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا' اس لیے کہ ایمان کے ساتھ خلود بمعنیٰ تأبید نا جائز ہے۔

دسواں قول

شفاعت اور فدیہ کا بیان

شفاعت کے مسئلہ میں معتزلہ کے دو گروہ ہیں: ایک گروہ تو بالکل سرے سے ہی

Marfat.com

شفاعت کا منکر ہے۔ دوسرا تین قسم کے لوگوں کے لیے شفاعت ثابت مانتا ہے:

(۱) ایک وہ لوگ جو کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرتے تھے اور صغیرہ گناہوں کے مرتکب ہوئے تو وہ صغیرہ گناہوں سے بخشش کے لیے نبی یا فرشتے کی شفاعت کے محتاج ہوں گے۔

(۲) دوسرا وہ جو مرتکبِ کبیرہ ہے، پھر توبہ کر لی تو وہ قبولِ توبہ کے لیے شفاعتِ انبیاء کرام کا محتاج ہوگا۔

(۳) تیسرا وہ کہ چھوٹے بڑے گناہوں سے بچتا رہا ہے لیکن وہ درجات کی بلندی کے لیے انبیاء کرام اور فرشتوں کی شفاعت کا محتاج ہے۔

شفاعت کون کرسکتا ہے؟

معتزلہ کے نزدیک شفاعت صرف انبیاء کرام اور فرشتے کرسکتے ہیں۔

معتزلہ کے نزدیک اور اہل سنت کی جوابی کارروائی

مسئلہ شفاعت میں معتزلہ نے اپنے عقائد و نظریات بیان کرتے ہوئے جو چند سوال اٹھائے ہیں، ان کا جواب دیتے ہوئے اہل سنت فرماتے ہیں کہ جواب یہ ہے کہ جو شخص کبیرہ گناہوں سے بچتا رہا اور صغیرہ کا مرتکب ہوا تو ان کے نزدیک وہ شفاعت کا محتاج ہی نہیں، اس لیے کہ ان کا مذہب یہ ہے کہ جو کبیرہ گناہوں سے بچتا رہا اور صغیرہ کا ارتکاب کرتا رہا تو خدا پر واجب ہے کہ اس کو بخش دے۔

اس پر دلیل کے طور پر یہ آیت پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ'' (النساء:۳۱) اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچو جن سے تم کو منع کیا گیا ہے تو ہم تمہاری برائیوں کو مٹا دیں گے۔

تو جب ان (معتزلہ) کے نزدیک جیسا کہ ان کا زعم ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایسے بندے کی مغفرت کرنا واجب ہے تو وہ شفاعت کا محتاج ہی نہیں ہے اور ان کا یہ کہنا کہ جو شخص صغائر کا مرتکب اور کبائر سے اجتناب کرتا رہا تو اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ اس کو بخش دے، یہ صحیح نہیں، اس لیے کہ جب وہ صغیرہ گناہ کرتا رہا اور اس کو ہلکا جانا تو کبیرہ ہوگیا اور ہم کہتے ہیں کہ بندوں کی طرف سے اللہ عزوجل پر کوئی شئی واجب نہیں اور اس کو اپنی جگہ بیان کریں گے۔

Marfat.com

ردّ

اوران کا یہ کہنا کہ جو شخص کبائر کا مرتکب ہو کر تائب ہو گیا تو اس کے لیے بھی شفاعت ہے، یہ بھی صحیح نہیں کہ ان کا مذہب یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اور اچھے کام کیے تو وہ محتاجِ شفاعت نہیں، پھر اثبات شفاعت اس فرق کے ساتھ ان کے مذہب میں کفر ہے، اس لیے کہ ان کے مذہب میں جب بخشنا واجب ہے تو پھر مغفرت کے لیے شفاعت کرنا، اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ نے اس کو نہیں بخشا تو جو چیز اللہ پر واجب تھی وہ نہیں کی۔ واجب کو ترک کر دیا تو ظلم وستم ہوا اور جو اللہ تعالیٰ کو ظلم و جور کے ساتھ موصوف کرے وہ کافر ہو جائے گا۔

اہل سنت و جماعت اور مسئلہ شفاعت

اہل سنت و جماعت کے نزدیک شفاعت کا ثابت کرنا بالکل صحیح ہے، اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ مرتکب صغیرہ وکبیرہ جب بغیر توبہ کیے مر جائے تو اللہ تعالیٰ کی مشیّت پر موقوف ہے۔ اگر بخشے تو اس کا فعل ہے اور اگر نہ بخشے اور عذاب دے تو عدل ہے اور ایسے ہی اگر توبہ کر کے مرے تو اس کی مشیّت پر موقوف ہے، اگر چاہے اپنے فضل سے توبہ قبول کر لے اور اگر چاہے تو تقاضائے عدل کے مطابق بندہ کی کوتاہیوں کی وجہ سے عذاب دے اور نہ بخشے۔

شفاعت کن کے لیے ہوگی؟

شفاعت ہر مؤمن کے لیے ثابت ہے خواہ مرتکبِ کبیرہ ہو خواہ مرتکبِ صغیرہ ہو، جب کہ وہ ایمان پر مرے، مستحقِ شفاعت ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

شفاعتی لاهل الکبائر من امتی ومن انکرها لم ینلها یوم القیامة اترونها للمصلین اترونها للصائمین لا ولکنها للمتلوثین والخطائین.

یعنی میری شفاعت میری امت کے مرتکبِ کبائر کے لیے ہے اور جو انکار کرے وہ قیامت کے دن شفاعت سے محروم ہوگا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ شفاعت نمازیوں کے لیے ہے؟ کیا تم سمجھتے ہو روزہ داروں کے لیے ہے؟ نہیں! شفاعت گناہوں میں ڈوبے ہوؤں اور خطا کاروں کے لیے ہے۔

Marfat.com

اشکال: اگر یہ دریافت کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی یعنی الا لمن ارتضٰی عمله وهذا غیر مرضی العمل" (الانبیاء:۲۸) وہ شفاعت نہیں کرتے مگر جس کو وہ پسند کرے یعنی مگر اس کی جس کے عمل کو وہ پسند کرے اور یہ غیر پسندیدہ عمل ہے۔ شفاعت صرف ان لوگوں کی' کی جائے گی جن کے اعمال اچھے ہوں اور مرتکبِ کبیرہ وصغیرہ کے عمل اچھے نہیں ہیں' پھر ان کے لیے شفاعت کیسے ثابت ہوئی؟

اس اشکال کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ اس سے مراد "لمن ارتضی دینه" یعنی جس کا دین اچھا ہو اس کی شفاعت کی جائے گی۔ دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "ورضی له قولا" (طٰہٰ:۱۱۹) اور جس کے قول کو وہ پسند کرے۔ اور جو کبیرہ کا مرتکب ہے اس کا دین تو اچھا ہے اور اسی طرح اس کا عمل (دین دار ہونا) بھی پسندیدہ ہی ہے اس لیے کہ وہ نماز پڑھتا ہے' روزہ رکھتا ہے لہٰذا عمل بھی اچھا ہوا۔

اشکال: پھر اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ وَّلَا شَفِیْعٍ یُّطَاعُ" (الغافر:۱۸) ظالموں کے لیے کوئی دوست اور شفیع نہیں جس کی پیروی کی جاتی ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ ظالموں کے لیے کوئی دوست اور شفیع جس کی بات مانی جائے نہ ہوگا تو مرتکبِ کبیرہ ظالم ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ" (الفاطر:۳۲) پس ان میں سے کوئی اپنے آپ پر ظلم کرنے والا ہے۔

ہم جواباً یہ کہتے ہیں کہ پہلی آیت میں ظالم سے مراد کافر ہے اور اس پر دلیل وہ آیتِ کریمہ ہے جو پہلے گزری کہ "وَاَنْذِرْهُمْ یَوْمَ الْاٰزِفَةِ" (الغافر:۱۹) اور ان کو ڈرایئے قیامت کے دن سے۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ" (لقمان:۱۳) بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ اگر کہا جائے حدیث میں ہے' حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لا ینال شفاعتی اهل الکبائر من امتی" میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرنے والوں کو نہیں حاصل ہوگی۔

حدیث کا صحیح مفہوم

اس حدیث کی دو توجیہات بیان کی جاتی ہیں:

(۱) یہ حدیث ثابت نہیں ہے' صحیح حدیث یہ ہے: "شفاعتی لا هل الکبائر من

Marfat.com

امتی ''میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ والوں کے لیے ہے۔

(۲) اور اگر بالفرض صحیح ہوتو اس کے معنیٰ یہ ہوں گے جو کبیرہ گناہوں کو حلال جان کر ان کا مرتکب ہوا وہ میری شفاعت سے بہرہ ور نہ ہوگا۔

پھر یہ مسئلہ راجع ہے' ایک حرف کی طرف' وہ یہ ہے کہ مرتکبِ کبیرہ معتزلہ کے نزدیک مؤمن نہیں تو وہ اہلِ شفاعت سے نہ ہوا اور اہل سنت کے نزدیک مرتکبِ کبیرہ مؤمن ہے لہٰذا وہ اہل شفاعت سے ہے اور اس کا ہم ذکر کر آئے ہیں۔

معتزلہ کی طرف سے اہل سنت پر اعتراض

اگر (معتزلہ) کہیں کہ حدیث میں آتا ہے کہ ''مدمن الخمر لا یدخل الجنة'' شراب کا رسیا جنت میں داخل نہ ہوگا۔ اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ اس سے مراد عذاب سے پہلے اوّل ریلہ میں جنت میں نہ جائے گا۔

اشکال: اگر کہا جائے کہ حدیث میں ہے: ''من غشنا فلیس منا'' جو ہمیں دھوکا دے وہ ہم میں سے نہیں۔

جواب: اہل سنت معتزلہ کے اس اشکال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اس کے معنیٰ بھی یہی ہیں کہ جو دجل وفریب' دھوکا دہی کو حلال سمجھے (وہ ہمارے طریقہ پر نہیں)۔ دوسرے معنیٰ یہ ہیں کہ ''لیس من سننا'' کہ وہ ہمارے طریقے پر نہیں۔

شفاعت کے ثبوت پر دلیل

اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو صحابہ کرام کی جماعت نے روایت کیا ہے' بعض کی حدیث بعض کی حدیث میں داخل ہوگئی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ''اذا کان یوم القیامة الخ'' جب قیامت ہوگی' بعض لوگ بعض کے پاس آئیں گے۔ پہلے آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے: آپ ہماری شفاعت کیجئے' آدم علیہ السلام فرمائیں گے: ''لست لها'' میں شفاعت کے لیے نہیں' نوح علیہ السلام کے پاس حاضر ہوں۔ حضرت نوح علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کریں گے: آپ ہماری شفاعت فرمایئے۔ آپ بھی یہی فرمائیں گے: میں شفاعت کے لیے نہیں' ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں۔ ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کریں گے: اے ابراہیم!

Marfat.com

آپ ہماری سفارش کیجئے' آپ فرمائیں گے: یہ کام میرے بس کا نہیں' موسیٰ علیہ السلام کا دامن پکڑو۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر کہیں گے: اے موسیٰ! آپ ہماری شفاعت کریں' موسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے: میرا یہ منصب نہیں' عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ جب عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کریں گے کہ آپ ہماری شفاعت کیجئے' عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے: میرا یہ کام نہیں' حضور سیّد المرسلین شفیع المذنبین محمد رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ عرش جاہ میں حاضر ہو کر شفاعت کی درخواست کرو۔ پھر یہ سب بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو کر عرض کریں گے: حضور! ہماری شفاعت فرمایئے۔ حضور رحمۃ للعالمین ﷺ اپنی زبان حق ترجمان سے ارشاد فرمائیں گے: ہاں! ہم شفاعت کے مالک ہیں۔ حضور فرماتے ہیں کہ میں وہاں سے کھڑے ہو کر مقامِ محمود میں زیر عرش اللہ عزوجل کو سجدہ کروں گا اور اللہ عزوجل کی حمد و ثناء کروں گا اور اس وقت میری زبان پر وہ کلمات جاری ہوں گے جو کسی حمد کرنے والے کی زبان پر جاری نہیں ہوئے' اللہ عزوجل ارشاد فرمائے گا: اے محمد (ﷺ)! اپنا سر مبارک اٹھایئے اور شفاعت کیجئے' آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی' اور سوال کیجئے' جو مانگو گے دیا جائے گا' تو میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور عرض کروں گا: اے رب کریم! تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ میں اپنی امت کے اہل کبائر کی شفاعت کروں' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جایئے! اور جہنم سے ہر اس شخص کو نکال لیجئے جس کے دل میں رائی کے دانہ برابر بھی ایمان ہو' پھر میں دوبارہ سجدہ کروں گا' پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اپنا سر اٹھایئے' شفاعت کیجئے' شفاعت قبول کی جائے گی' مانگئے! جو مانگو گے عطا کیا جائے گا' تو میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جایئے! اور جہنم سے ہر اس شخص کو نکال لیجئے جس کے دل میں رائی کے دانہ برابر ایمان ہو۔

پھر میں تیسری مرتبہ سجدہ کروں گا' پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اپنا سر اقدس اٹھایئے اور شفاعت کیجئے' شفاعت قبول کی جائے گی' مانگئے! دیئے جاؤ گے۔ پھر میں سر اٹھاؤں گا اور عرض کروں گا: اے میرے رب! ہر اس شخص کے حق میں میری شفاعت قبول فرما' جس نے ساری عمر میں ایک مرتبہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ '' پڑھا ہو تو اللہ عزوجل فرمائے گا: مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم! میرا حکم ہے جایئے اور جہنم سے ہر اس شخص کو نکال لیجئے کہ جس نے عمر بھر میں ایک مرتبہ کلمہ ''لا الہ الا اللہ'' پڑھا ہو (حدیث آخر تک)۔

Marfat.com

اور اس کا ثبوت اس آیت سے ملتا ہے: ''ولسوف یعطیک ربک فترضی'' (الضحیٰ: ۵) اے محبوب (ﷺ)! ہم تمہیں اتنا دیں کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔ یہ نص قطعی ہے' کسی کو انکار کی گنجائش نہیں اور جو انکار کرے گا' کافر ہو جائے گا' پھر کافر مسلمانوں کی طرف سے فدیہ ہو کر جہنم میں جائیں گے۔ دلیل یہ ہے: ''وَلَیَحۡمِلُنَّ اَثۡقَالَهُمۡ وَاَثۡقَالًا مَّعَ اَثۡقَالِهِمۡ'' (العنکبوت: ۱۳) اور وہ ضرور اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھ کے ساتھ ایک دوسرا بوجھ۔

اور معتزلہ نے اس کا بھی انکار کیا' اس دلیل سے کہ ''لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰی'' کوئی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

ہم نے کہا: کیوں نہیں؟ ان پر مسلمانوں کے گناہ لاد دیے جائیں گے' اس وجہ سے کہ کافر مسلمان سے بغض رکھتا ہے' گالیاں دیتا ہے' غیبت کرتا ہے اور جنگ کرتا ہے' اس لیے وہ مستحق ہے کہ صدقہ کا بکرا بنایا جائے۔

گیارہواں قول

اس کا بیان کہ کیا موت کے بعد بعینہٖ یہی اجسام اٹھائے جائیں گے؟

معتزلہ نے کہا کہ اجساد فنا و معدوم ہو جاتے ہیں' پھر اللہ تعالیٰ قیامت کو دوسرا جسم پیدا فرما کر اس میں روح ڈالے گا اور اسے عذاب و ثواب دے گا اور یہ عقیدہ کفریہ ہے۔

اہل سنت و جماعت کہتے ہیں: بعینہٖ یعنی جسم اٹھایا جائے گا' دلیل یہ ہے: ''کُلُّ نَفۡسٍ بِمَا کَسَبَتۡ رَهِیۡنَةٌ'' (المدثر: ۳۸) ہر جان اپنے اعمال میں گروی ہے' نیز فرمایا: ''جَزَآءً بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ''۔ اور اس لیے کہ عمل اس جسم سے ہوتا ہے' اگر اللہ تعالیٰ دوسرا جسم پیدا کر کے اس میں روح ڈال کر عذاب دے تو یہ عدل کے خلاف ہے' اللہ تعالیٰ جل وعلا فرماتا ہے: ''لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰی'' (الانعام: ۱۶۴) کوئی بوجھ اٹھانے والی (جان) دوسری کا بوجھ نہیں اٹھائے گی۔

تو یہی واجب ہے کہ اسی جسم کو اٹھا کر اس کے اچھے برے کاموں کا بدلہ دیا جائے۔

Marfat.com

اجساد کے بعینہٖ زندہ کرنے پر اشکال

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر اسی جسم کو بعینہٖ اٹھایا جائے گا اور اسی جسم کو سزا دی جائے گی تو یہ شخص مرنے کے بعد گل سڑ گیا' مٹی ہو گیا' معدوم ہو گیا تو بعینہٖ اس کا اٹھانا متصور نہیں ہو سکتا بلکہ عدم سے دوبارہ وجود میں لایا جائے گا تو ازسرِ نو تخلیق ہو گی' تو ثابت ہوا کہ دوسرا جسم پیدا کیا جائے گا' بعینہٖ ہو بہو یہی جسم تو نہ ہوا۔

رفع اشکال کی تقریر

اس اشکال کو اٹھانے کے لیے ہم نے کہا کہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی جسم کو بعینہٖ عدم سے وجود میں لائے اور اللہ تعالیٰ اسی جسم کو بعینہٖ اٹھائے' اس طرح کہ اس مٹی کو گوشت اور ہڈی بنا دے' جیسی پہلی تھی۔ یہ تشخص بالکل وہی تشخص ہو اور یہ جوہر بعینہٖ وہی جوہر ہو گا لیکن اس صفت کو بدل کر دوسری صفت عطا فرمائے گا اور صفت کی تبدیلی سے دوسرے شخص کا پیدا کرنا لازم نہیں آتا' بلکہ وہی شخص ہے پہلی صفت سے بدلا ہوا۔ یہودیوں نے کہا کہ روح مع الجسد بعینہٖ اٹھائی جائے گی' لیکن وہ نہ کھائے گی' نہ پیئے گی اور نہ کسی چیز سے انتفاع حاصل کرے گی' یہ مسئلہ اپنی جگہ بیان کیا جائے گا۔ بتوفیق اللہ تعالیٰ

بارھواں قول

سوالِ منکر و نکیر اور عذابِ قبر کا بیان

جہمیہ' معتزلہ اور نجاریہ ان تینوں فرقوں نے عذابِ قبر اور منکر و نکیر کے سوال کا انکار کیا ہے۔ انہوں نے کہا: اس کی چند صورتیں ہیں: (۱) جسم کو عذاب ہو گا بغیر روح کے (۲) یا یہ کہ روح جسم میں ڈالی جائے گی اور عذاب ہو گا (۳) یا صرف روح کو عذاب ہو گا جسم کو نہ ہو گا۔ یہ تینوں باتیں جائز نہیں اس لیے کہ جسم کو بغیر روح کے تکلیف نہیں ہوتی اور اگر جسم میں روح داخل کی جائے تو دوبارہ موت کا محتاج ہو گا اور یہ جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ'' انسان ایک ہی مرتبہ مرتا ہے۔

دوسری صورت ''روح بغیر جسم کے'' یعنی روح کو بغیر جسم کے عذاب نہیں دیا جاتا۔

Marfat.com

اہل سنت و جماعت فرماتے ہیں کہ عذابِ قبر حق ہے اور منکر ونکیر کا سوال بھی حق ہے اور ثابت ہے۔

اس کی دلیل حضور اقدس ﷺ کی وہ حدیث ہے جس میں آپ نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اے عائشہ! جب قبر دبائے گی اور منکر نکیر سوال کریں گے تو اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: میں قبر کے عذاب اور منکر ونکیر کے سوٴال سے ڈرتی ہوں۔ حضور شفیع یوم النشور نے ارشاد فرمایا: اے حمیرہ! (ام المؤمنین کا لقب ہے) مؤمن کے حق میں قبر کا دبانا ایسا ہے جیسے ماں اپنے بچے کا ہاتھ پاؤں دباتی ہے اور سوالِ منکر ونکیر مؤمن کے لیے ایسے ہے جیسے آشوبِ چشم یعنی دکھتی ہوئی آنکھوں میں سرمہ لگایا تو اس کو تکلیف ہو۔ حضورِ اقدس سے مروی ہے' آپ نے فرمایا: اے عمر! اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تمہارے پاس قبر میں منکر ونکیر آئیں گے؟ عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! میں حال پر ہوں اور عقل میرے ساتھ ہوگی؟ فرمایا: ہاں' تو حضرت عمر نے کہا: اب مجھے پرواہ نہیں اور اس کے علاوہ یہ امر معقول ومشروع ہے کہ سونے والے کی روح اس کے جسم سے نکل جاتی ہے' قرآن کریم میں ارشاد ہے: ''اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا'' (الزمر:۴۲) اللہ تعالیٰ روح کو قبض کرتا ہے' مرنے کے وقت اور سونے کے وقت' پھر خواب میں رنج والم اور راحت وآرام پاتا ہے' جانتا ہے' کلام کرتا ہے' روتا ہے' ہنستا ہے' سنتا ہے' اس لیے کہ اس کی روح کا جسم کے ساتھ تعلق رہتا ہے اور جب روح شخص کے ساتھ متصل ہے تو اس اتصال و تعلق کی وجہ سے درد محسوس ہوگا' خواہ ہڈی ہو' گوشت ہو' یا مٹی ہو' وہ رنج والم کا احساس کرتی ہے۔

(۱) اس پر دلیل یہ ہے کہ حضور سے پوچھا گیا: یارسول اللہ! قبروں میں گوشت کو کیسے تکلیف ہوگی' حالانکہ اس میں روح نہیں ہوگی؟ فرمایا: جیسے تیرا دانت درد کرتا ہے اور اس میں روح نہیں اور دانت درد اس لیے کرتا ہے کہ دانت گوشت کے ساتھ متصل ہوتا ہے اور گوشت متصل ہے دانت کے ساتھ تو درد و تکلیف محسوس کرتا ہے۔

(۲) اور نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ قبرستان میں تشریف لے گئے' دو نئی قبروں کے پاس سے آپ کا گزر ہوا' فرمایا: ان دونوں میں ہلکا عذاب ہے۔ تو آپ

Marfat.com

نے کھجور کی ایک ہری بھری ٹہنی لے کر اس کے دو ٹکڑے کئے اور دونوں قبروں پر اس شاخ کے ٹکڑوں کو گاڑ دیا اور فرمایا کہ جب تک یہ خشک نہیں ہو گی، قبروں والوں کا عذاب ہلکا ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "سَنُعَذِّبُهُمْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ" (التوبہ: ۱۰۱) ہم انہیں عذاب دیں گے دو مرتبہ، پھر وہ بڑے عذاب کو دیکھیں گے یعنی جہنم کو دیکھیں گے اور دو مرتبہ کے عذاب سے مراد، عذاب دنیا اور عذابِ قبر ہے۔

عذاب قبر پر دلائل منقول از حماد ابن ابی حنیفہ رضی اللہ عنہما

اور حماد ابن ابی حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے والد (امام اعظم رضی اللہ عنہ) سے اس بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: عذابِ قبر حق، عذابِ قبر حق۔ حماد پھر پوچھتے ہیں: والدِ گرامی! اس پر کوئی دلیل؟ ارشاد ہوتا ہے: اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ "وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ" (الطور: ۴۷) اور بے شک ظالموں کے لیے اس کے علاوہ بھی عذاب ہے یعنی جہنم کے علاوہ "یعنی دون جهنم" اور اس سے مراد عذاب قبر ہے۔

عذابِ قبر کے تین حصے ہیں

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: عذاب قبر کے تین اجزاء ہیں:

(۱) ۱/۳ (ایک تہائی) غیبت کرنے والے کو غیبت سے۔

(۲) ۱/۳ (ایک تہائی) چغل خور کو چغلی کھانے سے۔

(۳) ۱/۳ (ایک تہائی) پیشاب کی وجہ سے ہو گا۔

مؤمنوں اور کافروں کے عذابِ قبر میں فرق

مؤمنوں کے لیے قبر کا عذاب جائزات سے ہے اور کافروں کے لیے عذابِ قبر واجبات سے ہے یعنی لازمی طور پر ہو گا۔ کافروں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا" (الغافر: ۴۶) یعنی فرعون اور اس کی قوم پر صبح و شام آگ پیش کی جاتی ہے۔

یہ آیت عذاب قبر کے ثبوت پر واضح دلیل ہے، بہر حال عذابِ قبر حق ہے کسی جگہ ہو، کسی حال میں ہو، جو اس کا انکار کرے وہ کافر ہے۔ واللہ اعلم

Marfat.com

تیرھواں قول
جنت اور دوزخ کی تخلیق کا بیان

جنت ودوزخ ابھی پیدا نہیں ہوئے؟

معتزلہ اور جہمیہ کہتے ہیں کہ جنت اور دوزخ ابھی تک پیدا نہیں ہوئے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن پیدا کرے گا، اس لیے کہ حکمت کا تقاضا نہیں ہے کہ ثواب وعتاب کو ان کے مستحقین سے پہلے ہی پیدا کر دیا جائے۔ علاوہ ازیں یہ وجہ بھی ہے کہ اگر یہ دونوں مخلوق ہیں تو زمین و آسمان کے ساتھ ان کا فنا ہونا بھی ضروری ہوگا۔

مسئلہ تخلیق جنت ودوزخ اور اہل سنت

اہل سنت و جماعت فرماتے ہیں: جنت اور دوزخ دونوں مخلوق (پیدا شدہ) ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ.

آسمان وزمین میں جو کچھ ہے سب بے ہوش ہو جائیں گے مگر جس کو اللہ چاہے گا۔ (الزمر:۶۸)

اور استثناء سے مراد اہل جنت اور اہل نار ہیں۔ ثواب وعتاب کو ان کے اہل سے پہلے پیدا کرنے میں یہ حکمت بھی ملحوظ ہے کہ اس طرح بندہ اللہ کی اطاعت پر زیادہ حریص ہوگا اور معصیت ونافرمانی سے زیادہ اجتناب وگریز کرے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ.

کہ جنت کا عرض آسمان وزمین کے برابر ہے، جو پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ (آل عمران:۱۳۳)

اور دوزخ کے بارے میں فرمایا: ''اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ'' (البقرہ:۲۴) کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ اگر وہ دونوں مخلوق نہ ہوں تو اللہ کی خبروں میں جھوٹ لازم آئے گا۔

Marfat.com

جنت پیدا ہو چکی ہے کی تیسری دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''خلق الجنة فوق السموت'' اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کے اوپر جنت کو پیدا فرمایا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''عِندَ سِدْرَةِ الْمُنتَهٰى عِندَهَا جَنَّةُ الْمَأْوٰى'' (النجم: ۱۴۔۱۵) سدرۃ المنتہیٰ کے پاس جنت الماویٰ ہے' تو آسمان و زمین کے فنا ہونے سے جنت کا فنا ہونا لازم نہیں آتا۔

اشکال: اگر کہا جائے کہ ''جَنَّة'' سے مراد ''جَنَّه'' ہے ''ها'' کے ساتھ ہے اور یہ جبریل سے کنایہ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ لفظ ''جُنَّة'' ہے ''جَنَّ یجَنُّ'' کے باب سے اس کے معنیٰ ''سُتْرَة'' یعنی پردہ' آڑ مراد ہے۔

جواب: جواباً اس سلسلے میں گزارش یہ ہے کہ یہ لفظ ساتوں قراءتوں میں موجود نہیں' کسی قراءت میں اس کی تلاوت نہیں ہوتی' لہٰذا اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے' بلکہ لطف کی بات تو یہ ہے کہ اس کے خلاف دلیل میں ابن عباس کی حدیث موجود ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: جس نے جُنَّہ ''ها'' کے ساتھ پڑھا' اللہ تعالیٰ اسے مجنون (دیوانہ) کر دے گا' لہٰذا یہ جائز نہیں۔ پس جو کچھ ہم نے کہا وہ صحیح ثابت ہوا۔

جہنم کہاں ہے؟

جہنم پیدا ہو چکی ہے اور وہ زمین کے نیچے ہے' اس کی دلیل یہ ہے کہ ''اِنَّ کِتَابَ الْفُجَّارِ لَفِیْ سِجِّیْنٍ'' (المطففین: ۷) بے شک گنہگاروں کی کتاب (نامۂ اعمال) سجین میں ہوگی۔ اور یہ نص ہے اس باب میں' جو انکار کرے وہ کافر ہو جائے گا۔

چودھواں قول

جنت و دوزخ باقی رہیں گے یا نہیں؟

معتزلہ اور جہمیہ کہتے ہیں: عذاب چکھانے اور ثواب پہنچانے کے بعد جنت و دوزخ فنا ہو جائیں گے' ہمیشہ باقی نہیں رہیں گے۔

جنت اور دوزخ کے فنا ہونے پر دلیل

اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ وہی (اللہ تعالیٰ) اوّل اور وہی آخر ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ

Marfat.com

مخلوقات سے اوّل ہے اور ایسے ہی آخر ہے کہ اس کے بعد کوئی مخلوق نہیں آئے گی تو ضروری ہوا کہ اللہ تعالیٰ بغیر مخلوق باقی رہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''فَاَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّۃِ خَالِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّکَ '' (ھود:۱۰۸) پس خوش نصیب جنت میں ہیں' اس میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان و زمین رہیں مگر جتنا تمہارے رب نے چاہا۔ اور جہنمیوں کے بارے میں فرمایا: ''مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ''۔

اس استثناء کا فائدہ یہی ہے کہ جنت و دوزخ دونوں ہمیشہ باقی نہیں رہیں گے۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ جہنم پر ایک دن آئے گا کہ ہوا اس کے دروازے بجائے گی کہ اس میں کوئی نہ ہوگا۔

جنت و دوزخ ہمیشہ باقی رہیں گے

اہل سنت و جماعت کے دلائل: اہل سنت و جماعت فرماتے ہیں کہ ''جنت و دوزخ ہمیشہ باقی رہیں گے' ان کو فنا نہیں'' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّۃَ'' (التوبہ:۱۱۱) بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور مال خرید لیے ہیں (اس کے بدلے) کہ ان کے لیے جنت ہے۔ جو چیز خریدی گئی ہے وہ دائمی طور پر باقی رہتی ہے یعنی خریدار نے جو (سودا) خریدا ہے' وہ اس کے پاس رہے گا' تو ثابت ہوا کہ اس کا بدل بھی علی سبیل الدوام (یعنی ہمیشہ کے لیے) ہوگا[1]۔

---

[1] نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ایک رات مسجد میں تشریف لے جانے کے ارادے سے نکلے تا کہ معلوم کرسکیں کہ آپ کے غلاموں میں سے کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہے۔ جب آپ مسجد شریف کے دروازے کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز سنائی دی' وہ قرآن پاک کی تلاوت میں مصروف تھے۔ جب وہ اس آیت کریمہ پر پہنچے: ''اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّۃَ'' تو وہ بڑے شدید انداز میں رونے لگے اور اس بات سے بے خبر تھے کہ حضور نبی اکرم ﷺ مسجد کے دروازے پر تشریف فرما ہیں۔ جب صبح ہوئی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کی اقتداء میں نمازِ صبح ادا فرمائی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ''اُولٰٓئِکَ اَصۡحَابُ الۡجَنَّۃِ ھُمۡ فِیۡھَا خَالِدُوۡنَ'' (الاعراف:۴۲) وہی لوگ جنتی ہیں اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور جہنم کے بارے میں فرمایا: ''اُولٰٓئِکَ اَصۡحَابُ النَّارِ ھُمۡ فِیۡھَا خَالِدُوۡنَ''۔ ''اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّکَ'' کی تشریح فراء سے مروی ہے' انہوں نے کہا کہ اس کے معنیٰ ہیں: ''وقد شاء ربک''۔

عرب اسی قسم کا محاورہ بولتے ہیں کہ مثلاً وہ کہتے ہیں: ''فعلت کذا و کذا الا ما شئت'' میں ایسا ایسا کیا یعنی 'قد شئت'' کے معنیٰ میں ہے۔

اور دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت ضحاک نے حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہم) سے روایت ہے کہ نبی کریم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ ''وَاَمَّا الَّذِیۡنَ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) تو نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہوئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: تم ''اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی'' (الآیۃ) والی آیت پڑھ کر کیوں رو رہے تھے؟ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! میں کیسے نہ روتا؟ اللہ تعالیٰ نے بندے کی جان خرید لی ہے' اب اگر بندہ عیب دار نکلا تو مشتری اس خریداری کو رد کر دے گا' لہٰذا مجھے خوف ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے میرے عیب کے سبب کہیں رد نہ فرما دے پس میں جہنم والوں میں سے ہو جاؤں' حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اے محبوب ﷺ! آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرما دیجئے کہ جب خریدار بندے کے عیب سے واقف ہو اور اس کے باوجود اسے خرید لیں تو اس کو ادا کرنے کا حق نہیں رہتا اور میں اپنے بندے کے عیب اس کے پیدا کرنے سے پہلے ہی جانتا تھا' لہٰذا میں اس کو رد نہیں کروں گا' اسی طرح اگر عیب خریداری کے بعد پیدا ہوا تو نئے عیب کی وجہ سے خریدار کو رد کرنے کا حق نہیں ہوگا۔

اسی طرح اگر کسی نے دس اونٹ خریدے اور ان میں سے نو عیب دار ہیں اور ایک صحیح سلامت ہے تو اب اگر اس نے عیب دار اونٹوں کو لوٹانے کا ارادہ کیا تاکہ بدلے میں صحیح اونٹ لے سکے تو شریعت اسے اس کام سے منع کرتی ہے اور تمام کو قبول کرنے کا حکم دیتی ہے یا پھر تمام کو لوٹانے کا حکم دیتی ہے' نہ کہ صرف عیب داروں کو اور میں نے تمام مؤمنوں کو خرید لیا ہے' پس ہماری اس خریداری میں انبیاء کرام' اولیاء' نافرمان' فرمانبردار سب شامل ہیں اور ان میں کوئی عیب نہیں ہے کیونکہ میں نے تمام کو ایک خریداری سے خریدا ہے۔

Marfat.com

شَقُوْا فَفِی النَّارِ لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّ شَهِیْقٌ خَالِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّکَ ''(هود:۱۰۶) اور وہ لوگ جو بد بخت ہیں وہ دوزخ میں ہیں' وہ اس میں گدھے کی طرح رینکیں گے جب تک آسمان وزمین رہیں مگر جتنا تمہارا رب چاہے۔

یعنی وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے مگر ''اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّکَ'' اور اس سے مراد اہل کبائر ہیں کہ وہ ہمیشہ نہیں رہیں گے یعنی آخر جنت کی طرف نکالے جائیں گے۔ ''وَاَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّةِ خَالِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّکَ ''(هود:۱۰۸) اور وہ لوگ جو خوش نصیب ہوئے وہ جنت میں ہیں' اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان وزمین رہیں مگر جتنا تمہارا رب چاہے' یعنی اہل کبائر کہ وہ پہلے مرحلہ میں جنت میں نہیں جائیں گے' سزا بھگت کر بعد میں جنت میں داخل ہوں گے۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ ''ماشاء ربک'' کے معنیٰ ہیں: ''ماشاء من المدة'' جتنی مدت وہ چاہے اور یہ کہ اس سے مراد دنیا کی مدت' قبر کی مدت اور قیامت کے دن کی مدت مراد ہے۔

یعنی جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں نہیں ہوں گے جب تک وہ دنیا میں ہیں۔

''هو الاوّل هو الاخر'' کا مفہوم' اس قول کے متعلق ہم کہتے ہیں کہ آیت میں ''آخر'' ہے مگر یہ نہیں ہے کہ اس کا غیر نہیں' یعنی اس کے سوا کچھ نہیں۔ پھر ایک شئی کا ذکر دوسری چیز کی نفی کرنا۔

علاوہ ازیں ہم کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ ایک ہے' اثباتِ وجود کے ساتھ اوّل ہے اور آخر ہے بالبقاء یعنی وہی باقی رہے گا۔ جنت و دوزخ اور اس کے اہل یہ اللہ تعالیٰ کے باقی رکھنے سے آخر ہیں' لہٰذا دونوں (اللہ اور بندوں) کے درمیان فرق ہو گیا۔

ایک حدیث شریف کی تشریح

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث شریف ''سیاتی علی جهنم یوم تصفق الریح ابوابها لیس فیها احد'' ''ای لیس فیها احد من المؤمنین'' کا مفہوم یہ ہے کہ جہنم میں کوئی مؤمن باقی نہیں رہے گا اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ کوئی مؤمن جہنم میں نہیں رہے گا' جہنم مؤمنوں کے رہنے کی جگہ نہیں' اہل کبائر سزا بھگت کر آخر جنت میں جائیں گے اور وہ

Marfat.com

ہمیشہ جہنم میں نہیں رہیں گے۔

جنت و دوزخ کے بارے میں بعض لوگوں کے جداگانہ نظریہ کی تردید

بعض لوگوں کا نظریہ یہ ہے کہ جنت فنا نہیں ہوگی اور جہنم فنا ہو جائے گا اور جہنمی بھی فنا ہو جائیں گے' اس لیے کہ عقل و حکمت کا یہ تقاضا نہیں کہ انہیں ایک محدود وقت تک کفر میں مبتلا رہنے کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے عذاب میں رکھا جائے۔

لیکن یہ درست نہیں ہے' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''خَالِدِيْنَ فِيهَا اَبَدًا'' اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور فرمایا کہ ''كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ '' (النساء:۵٦) جب کبھی ان کی کھالیں پک جائیں گی ہم ان کی کھالیں بدل دیں گے ان کے علاوہ تا کہ وہ عذاب چکھیں۔ اور ''کلما'' کا لفظ اس معنیٰ کا تقاضا کرتا ہے کہ یہ تکرار دائمی طور پر ہو (یعنی ''کلما'' کا لفظ چاہتا ہے کہ یہ ان کی کھالوں کا بار بار بدلنا ابدی ہو اور ہمیشہ کے لیے ہو)۔

دوسری بات یہ ہے کہ کافر کا کفر ابدی ہے کہ اگر وہ ہمیشہ زندہ رہتا تو کفر پر قائم رہتا کہ اس کا ہمیشہ کے لیے اعتقاد ہی کفر تھا' اس لیے عقوبت و سزا بھی ہمیشہ ہوگی۔ اسی لیے اہل جنت ہمیشہ جنت میں ہوں گے کہ اگر وہ ہمیشہ زندہ رہتے تو ان کا اعتقاد ایمان پر ہوتا تو وہ اپنے اعتقاد کے مطابق ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔

جہنمیوں کے بارے میں بعض مرجیہ کا نظریہ

بعض مرجیہ کہتے ہیں کہ جہنم فنا نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سب جہنمیوں کو جہنم میں داخل فرمائے گا' لیکن عذاب نہیں دے گا اور وہ جہنم میں بغیر عذاب کے رہیں گے۔ انہوں نے کہا کہ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کافروں کو نعمتیں دیتا ہے' عذاب نہیں دیتا؟ یونہی آخرت میں ہوگا اور اہل سنت و جماعت کے نزدیک ان کو شدید عذاب ہوگا۔ قرآن پاک میں فرمایا: ''فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا '' (الطلاق:۹۔۱۰) تو انہوں نے اپنے عمل کا وبال چکھا اور ان کے کام کا انجام گھاٹا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور فرمایا: ''لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ '' (آل عمران:۴) علاوہ ازیں اور بھی آیتیں ہیں جو اس مسئلہ میں بطور دلیل پیش کی جاسکتی ہیں۔

Marfat.com

معتزلہ اور جہمیہ کا نظریہ (عقیدہ)

معتزلہ اور جہمیہ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ پہلی بار صور پھونکنے کا حکم دے گا تو (پہلے نفخ سے) تمام اشیاء معدوم ہو جائیں گی، سوائے چند ان چیزوں کے جو یہ ہیں: عرش، کرسی، لوح و قلم اور ارواح وغیرہ۔

ان حضرات کے نزدیک جنت و دوزخ ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے، ان کو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ پیدا فرمائے گا اور یہ مذہب صحیح نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ'' (الزمر:٦٨) تو آسمان اور زمین میں رہنے والے بے ہوش ہو جائیں گے۔ پھر بعض چیزیں باقی رہیں گی، جنہیں اللہ تعالیٰ باقی رکھنا چاہے گا، مثل جنت، دوزخ اور جو کچھ ان میں ہے اور عرش و کرسی، لوح و قلم اور روح، یہ سب باقی اللہ تعالیٰ کے اذن سے باقی رہیں گے۔

عرش سے کیا مراد ہے؟

معتزلہ کہتے ہیں کہ عرش سے مراد مُلک ہے اور کرسی سے مراد قلم ہے اور یہ صحیح نہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ'' (الحاقۃ:١٧) اور اس دن تمہارے رب کا عرش آٹھ فرشتے اپنے اوپر اٹھائیں گے۔ اور ظاہری بات ہے کہ مُلک کو اٹھایا نہیں جاتا ہے تو ان کا کلام درست نہیں اور پھر یہ کہنا جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ تھا اور کوئی شے نہ تھی، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ بھی شے ہے۔

اور صحیح یہ ہے کہ یوں کہے کہ اللہ تعالیٰ تھا اور اس کے ساتھ کوئی شے نہ تھی اور یہ کہنا بھی جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہوگا اور کوئی شے نہ ہوگی، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ باقی ہے اور وہ شئی ہے، پھر (اسی طرح) جنت و دوزخ، عرش و کرسی، لوح و قلم اور روحیں باقی رہیں گے، اللہ تعالیٰ کے باقی رکھنے سے اور یہ سب بلا اختلاف شے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

پندرھواں قول

جنت کی نعمتوں سے نفع اٹھانے کا بیان

اہل سنت و جماعت فرماتے ہیں کہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو جنت کی بے حساب

Marfat.com

اور بے شمار نعمتیں عطا فرمائے اور ایک مؤمن کو پوری دنیا کے برابر عطا ہو بلکہ سات گنا زیادہ عطا ہو اور معتزلہ نے اس کا انکار کیا اور کہا کہ ایک مؤمن کیسے دیکھے گا اور نفع اٹھائے گا اور کہاں بیٹھے گا؟ جب کہ اس کو دنیا کے برابر باغات اور نعمتیں اور خادم وغیرہ ملیں گے اور جب اس کو اس قدر چیزوں کی حاجت نہ ہو گی تو ان میں تصرف کیسے کرے گا اور نفع کیسے اٹھائے گا؟ تو اس میں نعمتوں کا ضائع کرنا ہے اور نعمتوں کا ضیاع نادانی اور بیوقوفی ہے اور اللہ تعالیٰ سبحانہٗ ہر عیب سے پاک ومنزہ ہے۔

معتزلہ کے مذہب کی تردید

ہم کہتے ہیں: جنت کی نعمتوں کو بے کار اور ضائع ہونے کے وصف سے موصوف نہیں کیا جاسکتا' اس لیے کہ جنت کی نعمتیں نہ گلیں سڑیں گی اور نہ فنا ہوں گی اور اس لیے کہ وہ نعمتیں اس وقت بھی اپنی حالت میں موجود ہیں' اس پر دلائل پوری تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکے ہیں اور وہ ضائع ہونے والی نہیں ہیں۔

پھر یہ ضروری ہوا کہ جنت کی نعمتیں اور اَملاک دنیا کی نعمتوں اور یہاں کی املاک سے زیادہ ہوں اور پھر جب دنیا کی نعمتوں میں جائز ہے کہ مشرق سے مغرب تک ہو' جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام اور ذوالقرنین اور بخت نصر اور نمرود کہ باوجود اس وسعت اور فراوانی کے ان کو حاجت نہ تھی اور سب چیزوں سے انتفاع حاصل کرتے تھے اور ایسے ہی جائز ہے کہ جنت میں شمار سے بھی زیادہ نعمتیں ہوں اور اللہ تعالیٰ کے مقدر کر دینے سے ان نعمتوں سے نفع اٹھانا بھی ممکن ہے اور اس لیے کہ سلیمان علیہ السلام اگر اپنا ملک دوسرے کو دے دیں تو کیا وہ جزاء کے مستحق نہیں ہیں؟ اور جب جزاء میں شک نہیں تو جائز ہے کہ اس کی جزاء دس گنا ہو' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا '' (الانعام:۱۶۰) جو نیکی کرے تو اس کے لیے اس جیسی دس ہیں۔ تو پھر جزائے دنیا سے دس گنا ہو گی' جب ایک کے لیے جائز ہے تو دوسرے تیسرے کے لیے بھی جائز ہو گی اور یہ کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ کہے کہ بادشاہ کے لیے مفت کسی دوسرے کو ملک وحکومت دے دینا جائز نہیں' لہٰذا جزا بھی واجب نہیں' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ '' (ص:۳۹) پس تو چاہے تو احسان کر یا روک لے۔ جب جنت اس پر واجب ہے تو جزا بھی واجب ہے۔

Marfat.com

اگر کہا جائے کہ تمام دنیا حضرت سلیمان علیہ السلام کی مِلک نہ تھی اور ہاں بادشاہی تھی اور بذل ملک جزا کو واجب نہیں کرتا۔ میں کہتا ہوں: جیسے تمام دنیا سلیمان علیہ السلام کی ملک تھی تو جائز ہے کہ ان کے سوا کسی اور کی بھی ملک ہو جیسے ہمارے نبی مکرم ﷺ کے لیے مالِ غنیمت حلال تھا تو اگر تمام دنیا یا بعض دنیا غنیمت کے سبب اپنے نفس اور ذات کے لیے ملکیت ہو سکتی ہے تو کیا پھر یہ بات جائز نہیں؟ تو جو ہم نے کہا وہ صحیح ہے اور ثابت ہے۔

ایک اور دلیل

اور نبی کریم ﷺ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ ''لقاب قوسین احدکم فی الجنة خیر مما طلعت علیه الشمس و مما غربت'' قاب قوسین کے برابر جنت میں جگہ دنیا سے بہتر ہے تو ثابت ہوا کہ جنت اور اس کی نعمتیں دنیا سے زیادہ ہوں یہاں تک کہ وہ دنیا سے بہتر ہو تو ہمارا کہنا صحیح ثابت ہوا۔

جنت اور اس کی نعمتوں سے نفع اٹھانے کی اباحت پر دلیل

جنت میں کھانا' پینا اور نفع حاصل کرنا مباح ہے۔ دلیل یہ ہے کہ قرآن پاک میں فرمایا: ''اُکُلُهَا دَائِمٌ'' (الرعد:۳۵) اس کے پھل ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اور فرمایا: ''وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا'' (الدھر:۲۱) اور انہیں ان کے رب نے پاکیزہ شراب پلائی' اور فرمایا: ''وَفِیْهَا مَا تَشْتَهِیْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْیُنُ'' (الزخرف:۷۱) اور اس میں وہ چیزیں ہیں جنہیں دل پسند کریں اور آنکھیں لذت حاصل کریں۔ اور یہود و نصاریٰ اس کے منکر تھے انہوں نے کہا کہ کھانا' پینا وغیرہ حاجت کے لیے ہوتا ہے اور اہل جنت' جنت کی نعمتوں کے محتاج نہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ دنیا میں تو کھانا پینا وغیرہ کبھی حاجت کے لیے ہوتا ہے اور کبھی لذت حاصل کرنے اور خواہش و شوق کے پورا کرنے کے لیے ہوتا ہے' لیکن جنت میں کھانا پینا اور نفع اٹھانا حاجت سے نہیں ہوگا بلکہ جنت میں یہ سب کچھ تلذذ اور خواہش سے ہوگا۔

کیا جنّ بھی جنت میں جائیں گے؟

یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ مسلمان جن جنت میں داخل ہوں گے۔ اب رہا یہ مسئلہ کہ ان کو ثواب بھی ملے گا یا نہیں؟ تو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: مؤمن جن جنت

Marfat.com

میں جائیں گے' ان کو ثواب نہیں ملے گا' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جنّوں کے قول کی خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ "یَا قَوْمَنَا اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰہِ وَاٰمِنُوْا بِہٖ یَغْفِرْلَکُمْ مِنْ ذُنُوْبِکُمْ وَیُجِرْکُمْ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ" (الاحقاف:۳۱) اے ہماری قوم! اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کو لبیک کہو اور اس پر ایمان لاؤ' وہ تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے گا۔ مغفرت ونجات کا ذکر فرمایا ثواب کا ذکر نہیں فرمایا۔

اور قاضی ابو یوسف و امام محمد اور امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جنّات کو بھی ثواب ہوگا' جس طرح عقوبت ہوگی۔ صحیح ترین بات یہ ہے کہ ان کے لیے کھانا پینا نہیں ہوگا' لیکن تمتّع حاصل کریں گے دیکھ کر' سُن کر جیسے دنیا میں تھا۔ لیکن استمتاع تو بعض فقہاء نے فرمایا کہ ان کے لیے جنت میں اہل جنت کے ساتھ استمتاع نہیں ہے۔

بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ جنات کے لیے استمتاع بھی ہے' جیسے دنیا میں تھا' حسبِ طبیعت اور حسب عادت اور متقدمین سے اس بارے میں کوئی قول مروی نہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "لَمْ یَطْمِثْھُنَّ اِنْسٌ قَبْلَھُمْ وَلَا جَانٌّ" (الرحمٰن:۷۴) ان سے پہلے کسی انسان اور جن نے انہیں ہاتھ نہیں لگایا۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ جنات جنتی اہل طمث میں سے ہیں اور یہ خبر نہیں دی کہ ان کو طمث بھی ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ اگر ان میں اشتہاء ہے تو طمث بھی ہوگا اور یہ محال نہیں' جیسے انسان کے حق میں ہے اور اگر ان میں اشتہاء نہیں تو طمث بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَفِیْھَا مَا تَشْتَھِیْہِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْیُنُ" (الزخرف:۷۲) اور اس میں وہ چیزیں ہیں جنہیں دل پسند کریں اور آنکھیں لذت حاصل کریں۔ اور جب ان میں طمث کے ساتھ تلذذ دنیا میں تھا تو جائز ہے کہ آخرت میں بھی ہو' جیسے انسان کے حق میں ہے۔

اصح یہ ہے کہ ان کے لیے جنت والوں سے طمث ہے اور اہل جنت کے ساتھ نہ ہوں گے۔ پھر ہم کہتے ہیں: ان کو اشتہاء نہ ہوگی مگر جائز چیزوں کی اور ممنوع ومخظور چیزوں کی خواہش نہ ہوگی برخلاف دنیا کے۔ اس لیے کہ دنیا میں کبھی خواہش حرام کی ہوتی ہے اور کبھی حلال کی اشتہاء ہوتی ہے' لیکن جنت میں نہ خطرہ گزرے گا اور نہ خواہش ہوگی' مگر ان چیزوں کی خواہش ہوگی جو جائز ہیں اور ممنوعات کی خواہش نہ ہوگی' جیسے زنا' لواطت وغیرہ۔

Marfat.com

اگر کہا جائے کہ شیطان جنت میں جا سکتا ہے یا نہیں؟

ہم کہیں گے کہ کافر جنت میں نہیں جائیں گے خواہ انس ہوں یا جن یا شیاطین' ہاں! جو مسلمان ہو گیا وہ جنت میں جائے گا۔

کیا شیطانوں میں سے کوئی مسلمان ہوا ہے یا نہیں؟

بعض نے کہا کہ شیاطین میں سے ایک شیطان اسلام لایا' یہ وہ شیاطن تھا جو حضور ﷺ کے ساتھ پیدا ہوا جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''ان شیطانی قد اسلم'' بے شک میرا ہم زاد اسلام لے آیا۔

اگر یہ صحیح ہو کہ وہ اسلام لایا تو وہ بھی جنت میں ہوگا اور بعض نے کہا کہ شیطان میں سے کوئی مسلمان نہیں ہوا اور حضور کی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ میں اس کے وسوسہ سے سلامت رہتا ہوں' اس لیے کہ شیطان کسی نبی پر قادر نہیں' خصوصاً حضور پرنور سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر۔

پھر فرشتوں کو جنت سے روکا نہیں جائے گا۔ اللہ کے حکم سے جنت میں جا سکتے ہیں' لیکن فرشتے جنت میں وہاں کی نعمتوں سے استراحت حاصل نہ کر سکیں گے' اس لیے کہ بغیر اشتہاء و تلذذ کے استراحت ناممکن ہے اور تلذذ و اشتہاء طبیعت و شہوت سے ہوتی ہے اور ملائکہ ان چیزوں سے پاک ہیں' ان کو طبیعت و شہوت سے پاک و منزہ پیدا کیا گیا ہے تو ان میں تلذذ و اشتہاء نہ ہوگی اور اسی وجہ سے ہم نے کہا کہ وہ طاعت و عبادت کرنے سے ثواب کے مستحق نہیں' یعنی جنت اور اس کی نعمتوں سے وہ راحت حاصل نہیں کرتے' مگر ہاں! ان کو جنت سے روکا نہیں جائے گا' جیسے اب بھی وہ جنت میں جاتے ہیں۔

پھر فرشتوں کی طاعت و عبادت کا بہترین بدلا انہیں عطا کر دیا اور وہ نعیم اصلیہ ہیں' ان کی پیدائش میں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مقدس اور معصوم پیدا فرمایا کہ وہ نہ بھولیں' نہ لہو و بیہودگی میں مبتلا ہوں' نہ عبث و فضول کام کریں' نہ کھائیں' نہ پئیں' نہ نکاح کریں' نہ ان میں خواہش ہے' نہ شہوت' اس لیے وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں' اس نعمتِ عظمیٰ کا شکر ادا کرتے رہتے ہیں' اس کے سوا ان پر کوئی شئی واجب نہیں ہے جیسے انسانوں میں' مگر اللہ تعالیٰ نے بندوں سے وعدہ کیا ہے ثواب کا ان کے افعال کی مزیت کی وجہ سے' اس معنیٰ کے

Marfat.com

لحاظ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے خمیر میں بلاء خواہشات اور شہوت کو جمع کر دیا اور گوندھ دیا ہے جیسا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بلا و شہوت آدم علیہ السلام کے خمیر میں گوندھی گئی ہے۔ پھر شیطان ان کو وسوسہ ڈالتا ہے اور معاصی کی طرف بلاتا ہے اور ترغیب دیتا ہے اور ان سب چیزوں کے باوجود انسان اللہ تعالیٰ کی طاعت و بندگی میں لگے رہتے ہیں اور خواہشاتِ نفسانی اور شہوات و وساوس شیطان کے ساتھ مقابلہ ومحاربہ کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ثواب کا وعدہ دیا ہے، پھر استحاقِ ثواب ترکِ عادت کا سبب ہے کہ خلافِ عادت و جبلت خدا کی عبادت میں مشغول ہیں اور ثواب ترکِ عادت کے سبب سے ہے کہ بندے عادت و جبلت کے خلاف خدا کی عبادت کرتے ہیں اور فرشتے اپنی عادت کے خلاف عمل نہیں کرتے بلکہ وہ پیدا ہی عبادت کے لیے کیے گئے ہیں، اس لیے کہ کھانا، پینا، نفع گیری ان کی عادت نہیں کہ عادت کو وہ ترک کر کے خدا کی عبادت کرتے ہوں بلکہ وہ تو پیدا ہی عبادت کے لیے کیے گئے ہیں، اس لیے وہ ثواب کے مستحق نہیں بخلاف جن و انس کے کہ وہ اپنی عادت و خصلت کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں تو مستحق ثواب ہوئے۔

بعض معتزلہ نے کہا کہ انسان پر شیطان کا کوئی عمل دخل نہیں اور نہ یہ ممکن ہے کہ شیطان وسوسہ پیدا کرے بلکہ انسان کی ہوئی و خواہش نفسانی ہی وسوسہ ہے اور اس طرح جنات میں معتزلہ کا خلاف ہے۔

اہل سنت و جماعت کے نزدیک، نفع، نقصان، خبر دینا، ایجاد کرنا، وسوسہ ڈالنا جن و شیطان سے جائز و ممکن ہے۔ دلیل وہی ہے جو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ''ان الشیطن یجری من ابن آدم مجری الدم فی العروق '' کہ شیطان انسان کے دل میں اس طرح سرایت کرتا ہے جیسے رگوں میں خون رواں دواں ہوتا ہے، یعنی شیطان انسان میں وسوسہ پیدا کرتا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا '' (الفاطر:۶) شیطان تمہارا دشمن ہے، اس کو اپنا دشمن سمجھو۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اَلْخَنَّاسِ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ '' (الناس:۴۔۵) شیطان جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا رہتا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے شیطان کی خبر دی کہ وہ جہنم میں کہے گا: ''وَمَا کَانَ لِیَ عَلَیْکُمْ مِّنْ سُلْطَانٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُکُمْ

Marfat.com

فَاسْتَجَبْتُمْ لِیْ فَلَاتَلُوْمُوْنِیْ وَلُوْمُوْا اَنْفُسَكُمْ ''(ابراہیم:۲۲)(شیطان آدمیوں سے کہے گا) کہ میری تم پر کوئی حکومت نہیں، میں تم کو بلاتا تھا اور تم میری آواز پر ''لبیک'' (حاضر جناب) کہتے تھے تو مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو۔ ثابت ہو گیا کہ شیطان وسوسہ ڈالتا ہے۔

سولھواں قول

جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو گا یا نہیں؟

اہل سنت و جماعت نے فرمایا کہ جنت میں دیدارِ الٰہی جائز ہے۔

معتزلہ، جہمیہ اور یہود کہتے ہیں کہ رؤیت الٰہی جائز نہیں۔

ہماری (اہل سنت و جماعت کی) دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا: ''رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْكَ قَالَ لَنْ تَرَانِیْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرَانِیْ ''(الاعراف:۱۴۳) اے میرے رب! مجھے دکھا کہ میں تیری طرف دیکھوں، فرمایا: تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا لیکن پہاڑ کی طرف دیکھ، اگر وہ اپنی جگہ ٹھہرا رہے تو عنقریب تو مجھے دیکھ سکتا ہے۔

اس آیت سے استدلال یوں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے رؤیت کی درخواست کی اور اگر وہ رؤیت کو ناممکن جانتے ہوتے تو ہرگز اس کی طلب اور درخواست نہ کرتے، اس لیے کہ وہ دوسروں کی بہ نسبت زیادہ جانتے تھے کہ (دیدارِ الٰہی) جائز ہے یا ناجائز اور یہ کہنا بالکل بے معنیٰ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو اس کا علم نہ تھا۔ اگر علم ہوتا تو ہرگز رؤیت کی طلب نہ کرتے تو اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علم کی نفی ہے کہ وہ اپنے خالق کی معرفت نہیں رکھتے، اپنے صانع کو نہیں جانتے تھے۔

اور جب معتزلہ وغیرہ جانتے ہیں کہ رؤیت باری تعالیٰ ممکن نہیں تو موسیٰ علیہ السلام کو تو ضرور علم ہونا چاہیے تھا کہ یہ طلب نہیں کرنی چاہیے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ جانتے تھے کہ یہ امر طلب کے لائق نہیں، پھر انہوں نے باوجود

Marfat.com

علم کے طلب کیا تو یہ طلب' طلبِ محال ہے اور موسیٰ علیہ السلام سے محال کا طلب کرنا محال ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے سوال کو رد کر دیا اور فرمایا: ''لن ترانی'' تو جواباً ہم کہتے ہیں کہ یہ فرمایا کہ دنیا میں تم نہیں دیکھ سکتے اور یہ نہیں فرمایا کہ آخرت میں بھی تم نہیں دیکھ سکتے' گویا کہ دنیا میں رؤیت کی نفی فرمائی نہ کہ آخرت میں۔

''لن'' کے معانی

اگر کہا جائے کہ لفظ ''لن'' تابید کے لیے ہے (یعنی ہیشگی پر دلالت کرتا ہے) تو ہمیشہ کے لیے دنیا میں بھی اور آخرت میں رؤیت ممکن نہیں تو ہم کہیں گے: لفظ ''لن'' دو معنوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ کبھی ہیشگی کے لیے اور کبھی اس سے دوام و ہیشگی کے معنیٰ مراد نہیں ہوتے' بلکہ مدت دنیا مراد ہوتی ہے۔

''لن'' کے ہمیشہ کے معنیٰ پر دلالت نہ کرنے پر دلیل

دیکھیں! جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا'' (البقرہ:۹۵) وہ اس کی ہرگز کبھی بھی تمنا نہیں کریں گے۔ اس جگہ لفظ ''لن'' بیان فرمایا' مگر مراد یہاں دوام و ہیشگی نہیں بلکہ مدتِ دنیا مراد ہے۔

دلیل یہ ہے کہ فرمایا: ''وَنَادَوْا يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ'' (الزخرف:۷۷) اور وہ پکاریں گے: اے مالک! تمہارا رب ہمارا فیصلہ کر دے۔ اور کفار کے متعلق خبر دی: ''يَا لَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ'' (الحاقۃ:۲۷) ہائے کاش! موت ہی آ جاتی۔ تو کلمہ ''لن'' ذکر کیا اور مراد اس سے مدت دنیا ہے' ایسے ہی اس مقام میں لفظ ''لن'' سے مدت دنیا مراد ہے' آخرت مراد نہیں۔

رؤیت باری پر دلائل

رؤیت باری تعالیٰ جائز ہے' دلائل یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ'' (القیامۃ:۲۲) اس دن بعض چہرے تر و تازہ ہوں گے اور اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے' یعنی قیامت کے دن مؤمنین اللہ تعالیٰ کو بلا کیف اور بلا حجاب دیکھیں گے۔

Marfat.com

اعتراض: اگر کہا جائے کہ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اپنے رب کے ثواب کی طرف دیکھیں گے؟
جواب: ہم کہتے ہیں کہ یہ تاویل صحیح نہیں' اس لیے کہ جب مؤمن جنت میں پہنچے گا تو اس نے ثواب پالیا اور جنت میں سکونت پذیر ہو گیا تو اب اس کی طرف کیا دیکھنا ہے؟ جنت میں پہنچ گیا اور وہاں کی نعمتیں حاصل ہو گئیں' جنت میں سکونت پذیر ہو گئے اور سب کچھ ان کو مل گیا' ثواب کیا کریں گے؟ دوسری دلیل یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: ''وَلٰکِنِ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَکَانَہٗ فَسَوْفَ تَرَانِیْ'' (الاعراف:۱۴۳) لیکن پہاڑ کی طرف دیکھ اگر وہ اپنی جگہ ٹھہرا رہے تو عنقریب تو مجھے دیکھ سکے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے سوال کو شرط کے ساتھ معلق کیا اور وہ استقرارِ جبل ہے اور جب یہ شرط جائز ہے تو جس چیز کو معلق کیا وہ بھی جائز ہے۔
اعتراض: اگر کہا جائے کہ موسیٰ علیہ السلام کا نظر کرنا اگر جائز ہوتا تو ان پر توبہ واجب نہ ہوتی۔
جواب: ہم کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کا توبہ کرنا اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے بلا اجازت سوال کیا تھا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ نے بتقاضائے طبیعت توبہ کی (یعنی توبہ طبیعہ) کہ جب ہول و وحشت کو دیکھا تو تجدید توبہ کی اور انسانی تقاضا یہی ہے کہ جزع' فزع اور ہول و وحشت کے وقت توحید و توبہ کی تجدید کرتے ہیں' کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ فرمایا: ''وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ'' (الاعراف:۱۴۳) اور میں سب سے پہلا مؤمن ہوں۔ حالانکہ معلوم ہے کہ آپ اوّل المؤمنین ہیں؟ تو ثابت ہوا کہ آپ نے توبہ اور تجدید توحید طبعی طور پر کی تھی۔
سوال: اگر کہا جائے کہ سوال رؤیت جائز ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام کی قوم مستحق عتاب نہ ہوتی' حالانکہ وہ مستحق عقوبت ہوئی' تو ثابت ہوا کہ رؤیت کا سوال کرنا جائز نہیں۔

مستحقِ عقوبت ہونے کی دلیل

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''فَاَخَذَتْہُمُ الصَّاعِقَۃُ بِظُلْمِہِمْ'' (النساء:۱۵۳) پس انہیں کڑک نے پکڑ لیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے رؤیت کا سوال استہزاء اور تمسخر

Marfat.com

کے طور پر کیا تھا اور موسیٰ علیہ السلام نے حقیقت کے طور پر سوال کیا تھا' وہ مستحقِ عقوبت نہ ہوئے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ تکذیب کی وجہ سے مستحق عقوبت ہوئے' اس لیے کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا۔

رؤیت کے ثبوت پر دلیل

یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سے کسی نے اس آیت کی تفسیر دریافت کی: ''لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَزِیَادَۃٌ'' (یونس:۲۶) اور نیکی کرنے والے کے لیے نیکی ہے اور (اس سے) زائد۔ تو حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا: ''حسنٰی'' سے مراد جنت اور ''زیادۃ'' سے اللہ تعالیٰ کی ذات کریمہ کو دیکھنا مراد ہے یعنی دیدارِ الٰہی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: ''وَلَدَیْنَا مَزِیْدٌ'' (قٓ:۳۵) اور ہمارے پاس (اس سے بھی) زائد ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ''یتجلی لھم الرب'' رب تعالیٰ جل شانہٗ مؤمنوں کے لیے تجلی فرمائے گا۔

نیز مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''انکم سترون ربکم یوم القیامۃ کما ترون القمر لیلۃ البدر'' بے شک تم عنقریب اپنے رب کو دیکھو گے جیسے چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہو۔ ''لا تضامون'' بغیر دکھادھونی (یعنی بغیر کسی مزاحمت وغیرہ کے) اور لا تضارون کا لفظ بھی آیا ہے کہ اس کے دیکھنے میں تمہیں ایک دوسرے کو تکلیف وزحمت نہ ہوگی یعنی بے تکلف خدا کا دیدار ہوگا۔

تو جب حضور نے فرمایا: ''سترون ربکم'' (یعنی سوف ترون ربکم) تو ثابت ہوا کہ حضورِ اقدس ﷺ کو خوب علم تھا کہ رب کریم کا دیدار حق ہے[1]۔

اگر یہ کہا جائے کہ یہ حدیث صحیح نہیں اس لیے کہ اس میں تشبیہ ہے؟

جواب یہ ہے کہ تشبیہ رؤیت کی رؤیت کے ساتھ دی ہے' مرئی (نظر آنے والی) کو مرئی کے ساتھ نہیں دی یعنی ''ترون کما ترون القمر'' یہ کہ جیسے چاند کا دیکھنا جائز ہے' رب کا

---

[1] تو ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار حق ہے اور تم اس کے دیدار سے بے کیف' بے حجاب اور تکلیف کے بغیر مشرف کیے جاؤ گے۔۱۲ سیدی ابوالبرکات رحمہ اللہ تعالیٰ

Marfat.com

دیکھنا بھی جائز ہے' نیز جیسے چاند کے دیکھنے میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی' یونہی بلا تکلیف اپنے رب کو بے کیف دیکھو گے اور ''لا تضامون'' کے قول کا معنیٰ ہے: دیکھنے میں مزاحمت نہیں کرو گے اور رب کے دیدار سے تمہیں کوئی تکلیف نہ ہوگی جیسے سورج کی طرف دیکھنے میں تکلیف ہوتی ہے۔

سوال: اگر یہ کہا جائے کہ دیکھنے والا جب مکان میں ہوگا تو مرئی بھی مکان میں ہوگا۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہوگا' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کو ان کے مکان میں دیکھتا ہے اور خود مکان میں نہیں' اسی طرح وہ نظر آئے گا اور مکان میں نہ ہوگا۔

سوال: اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مدح فرمائی ''لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ'' (الانعام:۱۰۳) اور آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور سب آنکھیں اس کے احاطہ میں ہیں۔ یہ کہ کوئی حِسّ بصر اس کا ادراک (احاطہ) نہیں کر سکتی اور وہ سب ابصار کا ادراک (احاطہ) کرتا ہے۔

سوال: دریافت طلب امر یہ ہے کہ جب اللہ عزوجل کا دیدار ہوگا اور مشاہدہ ہوگا تو لازمی امر ہے کہ وہ ''منظور الیہ'' ہو اور ناظر (دیکھنے والا) جب کسی چیز کو دیکھتا ہے تو وہ چیز یا چہرہ کے مقابل سامنے ہوگی یا داہنی یا بائیں جانب ہوگی۔ بہر حال کسی نہ کسی جہت (سمت) میں ہوگی تو ضروری بات ہے کہ منظور الیہ (جس کی طرف نظر کی جائے) جہت میں ہو اور جب جہت میں ہوگا تو کیفیت اور مکان وغیرہ کی حد میں محدود ہوتا کہ دیکھنے والے کو معلوم ہو کہ میں کس کو دیکھ رہا ہوں اور کیسے دیکھ رہا ہوں تو اللہ تعالیٰ مدرَک ہوا (احاطہ میں آنے والا) اور یہ جائز نہیں' جیسا کہ آیت میں گزرا کہ ''لا تدرکه الابصار''۔

جواب: ہم کہتے ہیں: (بے شک) باری تعالیٰ جل شانہٗ کو دیکھا جائے گا' اس کا مشاہدہ ہوگا' دیدار ہوگا۔ پھر کیفیت اور جہت و مکان ضروری نہیں اس چیز کے لیے جو دیکھی جائے اور یا مشاہدہ کیا جائے' اس لیے کہ رؤیت مبنی ہے کہ وہ چیز یا ذات موجود ہو اور جب موجود ہوگی تو جائز ہے کہ مرئی ہو' نظر آئے۔

Marfat.com

دیدار کے لیے چیز کا موجود ہونا ضروری ہے

لیکن شئی مرئی ومشاہد اسی حیثیت سے ہوگی' جس صفت سے وہ موصوف ہے اور ہر شئی اسی صفت کے ساتھ نظر آئے گی' جس صفت کے بغیر وہ شئی موجود نہ ہو اور اس کو ثابت کرنا اس کی صفت کے بغیر محال ہو۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ صانع جل شانہٗ شے ہے' موجود ہے' محدث ہے' مبدع (ایجاد کرنے والا' پیدا کرنے والا) ہے اور عالم اور ہر وہ شے جو جنس عالم سے ہے وہ شئی ہے' محدث ہے' مبدع ہے اور محدث کی صفات سے یہ ہیں کہ جوہر اور جوہر کے لیے جنس ونوع کا ہونا ضروری ہے۔

جوہر کے لیے جنس ونوع ضروری ہے

اور جس کے لیے جنس ونوع ہوگی اس کے لیے قطع وفصل کا ہونا ضروری ہے اور جس کے لیے قطع وفصل ہو اس کے لیے حد ونہایت ہوگی اور جس کے لیے حد ونہایت ہوگی تو ضروری ہے کہ اس کے لیے طول وعرض اور عمق ہو اور جس میں طول' عرض' عمق ہو ضروری ہے کہ اس کے لیے کم (مقدار) اور لون (رنگ) ہو اور ان تمام صفات کے معنیٰ کیفیت ہے اور جب یہ معانی کسی چیز میں پائے جائیں گے تو اس کے لیے جہت ضروری ہے اور جب وہ جہت (سمت) میں نظر آئے گا اور جہت میں مشاہدہ کیا جائے گا اور اس کا ادراک جمیع صفاتِ مذکورہ کے ساتھ ہوگا اور ہر محدث میں یہ صفات ضروری ہیں' ان صفات سے خالی نہیں ہوسکتا اور جب بہ طریق ضرورت یہ بات جان لی کہ کوئی محدث (مخلوق) ان صفاتِ مذکورہ بالا کے بغیر نہیں پایا جا سکتا' ہر محدث ان صفات کے ساتھ جانا جاتا ہے' اس لیے رؤیت خلاف نہ ہو گی۔

پھر صانع جل مجدہٗ نہ جسم ہے' نہ جوہر اور جب وہ جسم و جوہر نہیں تو اس کے لیے جنس و نوع بھی نہیں اور جنس ونوع نہیں تو قطع وفصل بھی نہ ہوا اور جب قطع وفصل نہیں تو اس کے لیے حد ونہایت بھی نہیں اور جب حد ونہایت نہیں تو اس کے لیے طول وعرض وعمق بھی نہیں ہوگا اور جب طول وعرض وعمق نہ ہوگا تو اس کے لیے لون وکیف نہ ہوگا اور جب لون وکیف نہ ہوگا تو رؤیت کے ساتھ مدرَک نہ ہوگا' اس لیے کہ ادراک ماہیت وکیفیت اور مقدار کا ہوتا ہے اور اللہ

Marfat.com

تعالیٰ ان صفات سے منزہ و پاک ہے' اس لیے فرمایا: "لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ" (الانعام: ۱۰۳) آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کرسکتیں اور سب آنکھیں اس کے احاطہ میں ہیں۔

مگر وہ شے ہے' موجود قائم بذاتہٖ ہے' قدیم بصفاتہٖ ہے اور رؤیت جائز و صحیح ہے اور رؤیت ہوگی شے موجود قائم بذاتہٖ موصوف بصفاتہٖ۔

پھر جب ہم نے جانا اور پہچانا اس کی صفات سے تو وہ نظر آئے گا اسی صفت کے ساتھ' جس صفت سے ہم نے پہچانا ہے اور جس صفت سے جانا ہے[1]۔

جنات کو اللہ کا دیدار ہوگا؟

جنات کو دیدارِ الٰہی ہوگا یا نہیں؟ اس باب میں کوئی نص نہیں پائی گئی' لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ دیدارِ الٰہی کی سعادت و کرامت انسانوں کو ایمان کی وجہ سے حاصل ہوگی تو پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ ایمان کی برکت سے مؤمن جنات کو دیدار نہ ہو' مؤمن جنات کو بھی دیار ہوگا' اور اگر یہ شرفِ رؤیت انبیاء و مرسلین صلوات اللہ علیہم اجمعین کے بدولت ہے تو پھر ان کو رؤیت نہیں ہوگی اس لیے کہ جنوں میں سے کوئی نبی اور رسول نہیں ہوا۔

فرشتوں کو دیدار ہوگا؟

فرشتوں کو دیدارِ الٰہی ہوگا کیونکہ وہ اہل نبوت و رسالت سے ہیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اَللّٰهُ يَصْطَفِىْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا" (الحج: ۷۵) اللہ تعالیٰ ملائکہ اور انسانوں میں رسولوں کو چنتا ہے۔

اور فرمایا: "تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا" (الانعام: ۶۱) ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کرتے ہیں۔

اور فرمایا: "سَفَرَةٍ كِرَامٍ بَرَرَةٍ" (العبس: ۱۶) لکھے ہوئے' وہ معزز ہیں اور نیکوکار۔ پھر حضرت جبریل و میکائیل و عزرائیل' اسرافیل علیہم السلام سب اللہ کی طرف سے مقرر ہیں' انبیاء و مرسلین صلوات اللہ علیہم اجمعین کی طرف اور انہوں نے وحی سے رؤیت کی خبر دی۔

---

[1] تو ثابت ہوگیا کہ اس کا دیدار بے کیف ہوگا یعنی مکان' زمان اور جہات سے پاک ہوگا۔

۱۲ سیدی ابوالبرکات

Marfat.com

مؤمنوں کی قسمیں

پھر مؤمنوں میں بعض تو عاصی و گنہگار اور کبائر کے مرتکب ہیں اور بعض وہ ہیں جو کافر ہو کر پھر اسلام لے آئے اور بعض وہ جو مبتدع ہیں اور ان میں ایمان نہیں ہوگا مگر ذرہ برابر' پھر جب یہ لوگ جنت میں جائیں گے تو وہ اللہ عزوجل کا دیدار کریں گے' بے کیف اور بلا کیفیت۔

اور وہ جو وحی لے کر تشریف لائے وہ رسول ہیں (یعنی جبریل علیہ السلام) آپ نے سب مؤمنوں کو دیدارِ الٰہی کی خبر دی اور دیدار کی بشارت دی تو ملائکہ بہ طریقِ اولیٰ مستحق ہیں کہ دیدار کریں اور دیدار سے محروم نہ کیے جائیں' اس لیے کہ اگر یہ دیدار سے محروم ہوتے ہیں تو پھر عاصی و معاقب کو رسول پر فضیلت دینا لازم آتا ہے اور یہ قطعاً جائز نہیں' تو پھر رؤیت یعنی دیدارِ الٰہی ثابت ہے۔ جبرئیل و میکائیل و اسرافیل و عزرائیل اور ایسے ہی تمام ملائکہ کے لیے صلوات اللہ علیہم اجمعین' اس لیے کہ سب اللہ تعالیٰ کے رُسل و انبیاء ہیں۔

فرشتوں کے لیے دیدارِ الٰہی کے ثبوت یا عدمِ ثبوت میں ------

بعض فقہاء کا مذہب

بعض فقہاء نے کہا: توقف (خاموشی اختیار) کرنا چاہیے کیونکہ فرشتوں کے حق میں کوئی نص موجود نہیں اور منع و انکار بھی جائز نہیں تو توقف کرنا چاہیے۔

کیا حور و غلمان دیدارِ الٰہی سے مشرف ہوں گے؟

حور و غلمان چونکہ اہل جنت سے ہیں' لہٰذا اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے۔ بعض کہتے ہیں: ہر جنتی اللہ تعالیٰ کو دیکھے گا اور بعض نے کہا کہ ہر وہ شخص جو جانتا ہے کہ مؤمنوں کو دیدار ہوگا اور وہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کی تمنا و آرزو کرتا ہے اور دیدارِ الٰہی کا مشتاق ہے' اس کو بھی رؤیت ہوگی' منع و انکار جائز نہیں' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ'' (القیامہ:۲۲) اس دن بعض چہرے تر و تازہ ہوں گے اور اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔ مطلقاً ارشاد فرمایا تو جن و انس اور ملائکہ وغیرہ سب (دیدار کرنے میں) برابر ہیں جب کہ ایمان ثابت ہو۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ جو مؤمن نہیں ان کے لیے ارشاد ہوا: ''وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ'' (القیامہ:۲۵) اس دن بعض چہرے بگڑے ہوئے

Marfat.com

ہوں گے اور یہ خیال کریں گے کہ ان کے ساتھ وہ کیا جائے گا جو کمر توڑ دے۔ اس میں جن و انس و شیاطین برابر ہیں جب کہ مؤمن نہ ہوں اور اگر وہ اس بات کو نہ جانیں اور نہ ان کو رؤیت کی خبر ہے تو ان کے لیے رؤیت نہیں اور اصح یہ ہے کہ حور و غلمان کو دیدار ہوگا' اس لیے کہ ان سے تکلیف اٹھالی گئی ہے یعنی وہ مکلّف بالشرائع نہیں اور طاعت واطاعتِ شرعیہ ان پر واجب نہیں تو ثوابِ آخرت سے ان کو نہیں نوازا جائے گا اور اس کرامت سے ان کا اکرام نہ کیا جائے گا۔

سترھواں قول
خیر وشر' اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہیں

اہل سنت وجماعت فرماتے ہیں کہ خیر وشر' نیک و بد' میٹھا کڑوا سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہے۔

معتزلہ اور قدریہ کہتے ہیں: خیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور شر بندوں کی طرف سے ہوتا ہے۔

ہمارا اہل سنت کا اجماع ہے کہ خیر وشر سب اللہ کی تقدیر سے اور اس کے علم سے ہے۔

بعض کا مذہب

بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو پیدا کیا اور ابلیس نے شر کو پیدا کیا۔

بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو پیدا کیا اور بندوں نے شر کو پیدا کیا۔

شیطان کو کس نے پیدا کیا؟

بعض (قدریہ) کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے (شر کی طرح) ابلیس کو بھی پیدا نہیں کیا' اس لیے کہ اگر خدا نے ابلیس کو پیدا کیا تو بات پھر وہیں جا پہنچی کہ شر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو پیدا کیا اور ابلیس نے شر کو پیدا کیا۔ (نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ) گویا اللہ نے شر کو پیدا کیا' کیونکہ ابلیس کفر اور شر پیدا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو پیدا کیا تو گویا خدا نے کفر وشر پیدا کیا اور اس کا ارادہ فرمایا اور یہ ہرگز جائز نہیں کہ خدا کفر اور شر کو پیدا کرے

Marfat.com

اور اس کا ارادہ کرے۔

قدریہ فرقہ کا دوسرا نام شیطانیہ ہے۔ یہ (عقائد رکھنے والی) قوم قدریہ فرقہ سے ہے' اس کا نام شیطانیہ ہے اور یہی (مذکورہ بالا) مذہب آتش پرستوں کا ہے اور یہ بالکل کفر ہے' اسی معنیٰ کے لحاظ سے حضور نے ارشاد فرمایا: ''القدرية مجوس هذه الامة '' کہ قدریہ اس امت کے مجوسی ہیں اور اگر ابلیس مخلوق نہ ہوتو پھر قدیم اور خالق ہوگا اور اس عقیدہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرکت ثابت ہوگی اور یہ صریح کفر ہے۔

پھر ''قدر'' کے معنیٰ ایجاد واحداث (پیدا کرنے) کے ہیں اور حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی سب کا خالق ہے۔

اہل سنت کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ '' (الدھر:۳۰) اور تم نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے' یعنی اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے' تمہارے چاہے سے کچھ نہیں ہوتا' سب کچھ اس کی مشیت سے ہوتا ہے' اس میں خیر وشر کی تفصیل اور فرق نہیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ خیر ہماری مشیت سے اور شر ہماری مشیت سے نہیں بلکہ مطلقاً فرمایا۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ'' (النساء:۷۸) اے محبوب! تم فرمادو ہر خیر وشر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ فرمایا: ''كُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ '' (القمر:۵۳) یعنی ''مکتب''. ہر چھوٹی بڑی چیز لکھی ہوئی ہے' اور اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے: ''وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ '' (الدخان:۳۲) اور تحقیق ہم نے انہیں زمانہ والوں سے دانستہ چن لیا' یعنی اللہ تعالیٰ نے اہل اختیار کو جان لیا تو ان کو اختیار دیا اور فرمایا: ''وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ '' (الجاثیہ:۲۳) اور اللہ تعالیٰ نے اسے دانستہ گمراہ کیا' یعنی اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ یہ اہل ضلالت ہیں تو ان کو گمراہ کیا اور نیز نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ سے مروی ہے' حضور نے فرمایا: ''بعثت داعيا ومبلغا والله يهدى من يشاء ويضل من يشاء '' یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے داعی اور مبلغ بنا کر بھیجا ہے' اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے۔

Marfat.com

اور اللہ تعالیٰ نے شیطان کو وسوسے ڈالنے والا اور دنیا کو مزین کر کے دکھانے والا ''ولیس فی یدہ من الضلالة شئی'' اور وہ گمراہی پیدا کرنے والا نہیں اس کے ہاتھ میں کچھ نہیں۔ سوائے وسوسہ ڈالنے اور بنا سجا کر دکھانے کے اس کے پاس کچھ نہیں۔

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبی کریم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: قیامت کے دن ابلیس سے کہا جائے گا' آدم علیہ السلام کو سجدہ کر لے اور جنت میں داخل ہو جا اور تیرے عمل جو تو نے کفر سے پہلے کئے تھے' اس کا درجہ ملے گا تو شیطان سجدہ کرنے سے باز رہے گا اور اہل قیامت میں سے جو عاصی و گنہگار ہیں' ابلیس سے کہیں گے: سجدہ کر لے' جہنم سے نجات مل جائے گی۔ ابلیس کہے گا: اے اہل قیامت! رک جاؤ اور مجھے کچھ نہ کہو۔ اللہ تعالیٰ اگر چاہتا کہ میں آدم کو سجدہ کروں تو میری مجال نہ تھی کہ میں سجدہ نہ کرتا لیکن خدا نے نہ چاہا تو میں نے بھی سجدہ نہ کیا۔

اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو پیدا کیا' یہ جانتے ہوئے کہ ان سے شر واقع ہوگا اور اگر وہ ارادہ نہ کرتا اور شر مقدر نہ کرتا تو از روئے حکمت نا جائز ہے کہ بندہ شر پیدا کرے اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ'' (الصافات: ۹۶) اللہ تعالیٰ نے تم کو اور تمہارے اعمال کو پیدا فرمایا یعنی خیر و شر کا خالق اللہ ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ ابوجہل سے کفر سرزد ہوگا تو اگر ہم یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابوجہل کے کفر کا ارادہ بھی کیا تو ابوجہل کا کفر کو چاہنا علم الٰہی کے موافق ہوگا۔

اللہ کا ارادہ اس کے علم کے خلاف نہیں ہوسکتا

اور اگر ہم کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابوجہل کے کفر کا ارادہ نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس کے علم کے خلاف ہوگا اور یہ جائز نہیں اور اگر ہم کہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے کفر کو جانتا تھا اور اس کے کفر کا ارادہ نہیں کیا بلکہ ارادہ اس کے ایمان کا کیا' تو یہ ایسی ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ نے ابوجہل سے ایسی چیز کا ارادہ کیا جسے وہ جانتا ہے کہ یہ چیز نہ ہوگی تو یہ بات علم و ارادہ کے بطلان کی طرف پہنچاتی ہے' بخلاف امر کے کہ یہ جائز ہے کہ کسی شئی کا امر کرے اور اس کے خلاف ارادہ فرمائے' جیسے ابراہیم علیہ السلام کو فرزند کے ذبح کا حکم کیا اور ارادہ کیا کہ ذبح نہ کریں ایسے ہی اس جگہ ہے۔

Marfat.com

پھر اللہ کا کافر کے کفر کو جاننا اس کو کفر پر مجبور نہیں کرتا' ایسے ہی اس کی مشیت و ارادہ اس کو مجبور نہیں کرتے کہ وہ کفر ہی کرے' لیکن امر الٰہی علمِ الٰہی کے خلاف ہو سکتا ہے یہ جائز ہے۔ اس لیے کہ امر حجت و بیان کے لیے ہے اور اس کا ارادہ اس کے علم کے خلاف ہو یہ جائز نہیں' یہ سفاہت (بے وقوفی) ہوگا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ'' (القمر:۴۹) ہم نے ہر چیز ایک اندازے سے پیدا کی۔ اور فرمایا: ''فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا'' (الفرقان:۲) پس اسے (شے کو) درست اندازہ پر رکھا اور فرمایا: ''وَکَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا'' (النساء:۴۷) اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہو کر رہتا ہے۔

جس کا تقدیر پر ایمان نہیں اس کی کوئی عبادت قبول نہیں

روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اگر تیرے پاس اُحد پہاڑ کے برابر سونا ہو اور تو خدا کی راہ میں خرچ کرے تو جب تک قدر پر ایمان نہ لائے گا' اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرمائے گا اور جب تک یہ جانے کہ جو کچھ تجھ کو تکلیف یا راحت پہنچی ہے' وہ تجھ سے ٹل نہیں سکتی اور جو تکلیف و راحت تجھ کو نہیں پہنچی وہ پہنچنے والی نہ تھی' یعنی خیر اور شر اللہ کی طرف سے مقدر ہے' اس کے خلاف عقیدہ پر مرا تو جہنم میں جائے گا۔

اور اسی حدیث میں یہ بھی مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کی تمام مخلوق کو عذاب دے تو وہ ظالم نہیں اور اگر وہ سب پر رحم فرمائے تو ان کے لیے اس کی رحمت ان کے اعمال سے بہتر ہے۔

اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ شر کی قضا فرمائے اور پھر ان کو عذاب دے تو یہ جور ہے' ہم کہیں گے کہ ہرگز ظلم و جور نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی قضاء نے اس کو مجبور نہیں کیا کہ وہ شر کرے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قضاء بالشر کو اپنے بندہ سے مخفی رکھا اور اس کو خیر کا حکم دیا' اس پر حجت ظاہر کر دی اور پھر بندہ نے خیر کو ترک کیا باجودیکہ اس کو خیر کا حکم تھا اور اس پر حجت ظاہر کر دی گئی تھی اور شر کا ارتکاب کیا بغیر حجت کے اور اللہ تعالیٰ کی قضاء کو جانے بغیر' اس لیے کہ بندہ ارتکاب شر سے پہلے نہیں جانتا تھا کہ قضاء الٰہی کیا ہے؟ شر ہے یا خیر؟ جب اس نے شر کا ارتکاب کر لیا تو جانا کہ قضاء الٰہی یہی تھی' لیکن اس کی مباشرت (کرنا) اور شر کا

Marfat.com

ارتکاب بغیر حجت کے تھا' لہٰذا مستحق عقوبت وسزا ہوا۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ جب قضاء الٰہی شر کی تھی تو بندہ کے لیے ناممکن ہے کہ اس سے راہِ فرار اختیار کرے تو یہ جبر کی طرف پہنچانے والا ہے۔ ہم کہتے ہیں: قضاء الٰہی (قدرت کا فیصلہ) نے بندے کی قدرت واختیار کو سلب نہیں کر دیا' جیسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے بندے کے شر کو تو یہ جبر نہیں' اسی طرح اللہ کی قضا بندہ کو مجبور نہیں کرتی۔ بندے سے مواخذہ و پکڑ اس کے اختیار اور قدرت کی بناء پر ہے اور اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر اور علم اس کے قدرت واختیار کو سلب نہیں کرتا' اس لیے کہ قضاء الٰہی کے خلاف ہونا جبر کو واجب نہیں کرتا۔

اگر کہا جائے کہ کیا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ روایت نہیں ہے کہ آپ نے حج کے موقع پر فرمایا: ''لبیک والرغبة الیک والخیر فی یدیک والشر لیس الیک'' کہ ہم حاضر ہیں اور ہماری رغبتیں تیری جانب ہیں اور خیر تیرے دستِ قدرت میں ہے اور شر تیری طرف سے نہیں؟

جواب: ہم کہیں گے کہ ہم شر کو تیری طرف نسبت نہیں کرتے اور نیز یہ حُسن ادب سے نہیں کہ شر اور قبح کو خدا کی طرف نسبت کریں۔

دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کا اکیلا خالق ہے مگر یہ کہنا خلافِ ادب ہے کہ ''یا خالق البعوضة والحیة والعقرب'' اے مچھر کے اور سانپ کے' بچھو کے پیدا کرنے والے!' یوں کہا جائے: ''یا خالق السموات والارض'' اے آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے!۔

اگر یہ دریافت کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وَمَا اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ'' (آل عمران: ۱۸۲) ہم بندوں پر ظلم نہیں کرتے۔ ''وَمَا اللّٰہُ یُرِیْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ'' اللہ تعالیٰ بندوں کے لیے ظلم کا ارادہ نہیں فرماتا۔

جواب: اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے کا ارادہ نہیں فرماتا' آیت میں یہ تو نہیں کہ اللہ تعالیٰ ارادہ نہیں کرتا کہ بندہ بندہ پر ظلم نہ کرے۔

اگر دریافت کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''مَا اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰہِ وَمَا اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ'' (النساء: ۷۹) جو تجھ کو بھلائی پہنچے وہ اللہ کی

Marfat.com

طرف سے ہے اور جو تجھ کو بُرائی پہنچے تو وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے۔
جواب: ہم کہتے ہیں کہ جو بندہ کو پہنچائی جائے وہ اس کے نفس کی طرف سے ہے اور اس کے لیے ''اُصِیبَ'' کا لفظ بولتے ہیں اور جو غیر کی طرف سے پہنچائی جائے تو اس کے لیے ''اَصَابَ'' کہتے ہیں اور یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اصابک من سیئۃ فمن نفسک'' تو ثابت ہوا کہ غیر کی طرف سے ہے' پھر کلام اس مسئلہ میں اور مسئلہ ارادہ واستطاعت میں برابر ہے۔

اٹھارہواں قول

عبادات واحکام کا بیان

مرجیہ کا مسلک

مرجیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خلق کو پیدا کیا اور ان کو کسی چیز کا حکم دیا نہ کسی چیز سے منع فرمایا۔ اگر اچھا کام کرے گا تو اللہ تعالیٰ ثواب عطا فرمائے گا' اگر اس نے بُرا کام کیا تو اس پر کوئی عذاب نہیں اور قرآنِ کریم میں جس قدر امر و نہی ہیں وہ ندب واستحباب پر محمول ہیں اور یہ ان کا (عقیدہ) کفر صریح ہے۔

فرقۂ اباحیہ کا مذہب

فرقۂ اباحیہ والے یہ کہتے ہیں کہ جب بندہ محبت کی انتہاء کو پہنچتا ہے' پھر کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے' زنا و چوری کرتا ہے تو خدا اس کو جہنم میں نہیں ڈالے گا' یہ عقیدہ ان کا کفر ہے۔

بعض لوگوں کا مذہب

اور بعض نے کہا کہ بندہ جب غایت محبت کو پہنچتا ہے تو اس سے امر و نہی ساقط ہو جاتے ہیں اور محبت کی غایت یہ ہے کہ کفر پر ایمان کو اختیار کرے اور پھر منافق نہ ہو تو وہ محب اللہ ہے' غایت محبت کو پہنچا ہوا۔

Marfat.com

بعض دوسرے حضرات کا مذہب

بعض نے کہا کہ بندہ جب انتہائی محبت کو پہنچتا ہے تو اس سے ظاہری عبادت ساقط ہو جاتی ہے اور اس کی عبادت صرف اور صرف تفکر ہوتی ہے جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''تفکر ساعة خیر من عبادة سنة ''ایک ساعت تفکر کرنا برس دن کی عبادت سے بہتر ہے اور یہ عقیدہ ان کا کافر ہے۔

اور بعض نے کہا کہ جب بندہ غایت محبت کو پہنچتا ہے تو اس کے لیے دوسروں کی لونڈیاں اور عورتیں جائز ہو جاتی ہیں۔

اور بعض نے کہا کہ مالِ دنیا سب مباح ہے' اولادِ آدم علیہ السلام کے لیے اور یہ کسی کو حق نہیں کہ اپنے لیے مالک ہو' اس لیے کہ آدم وحوا علیہما السلام کا جب انتقال ہوا تو ان کا مال میراث ہے ان کی اولاد کے لیے۔ یہ عقیدہ کفر ہے۔

امر ونہی کسی حال میں ساقط نہیں ہوتے

یہ عقیدہ کفر ہے' اس لیے کہ امر ونہی انبیاء کرام کے حق میں ثابت ہیں اور کسی حال میں ان سے امر ونہی ساقط نہیں ہوتے اور حالانکہ وہ محبت میں کامل و اکمل ہیں (تو غیر انبیاء سے کیونکر ساقط ہو سکتے ہیں جب کہ وہ اس درجۂ محبت میں بھی نہیں ہوتے)؟

نیز یہ بھی دلیل ہے: اللہ تعالیٰ جل شانہٗ فرماتا ہے: ''وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ'' (الحجر:۹۹) اپنے رب کی عبادت کرو مرتے دم تک۔

نیز فرمایا: ''قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ'' (الاعراف:۲۹) آپ فرمادیجئے میرے رب نے انصاف کا حکم دیا ہے اور (یہ کہ) اپنے منہ سیدھے رکھو ہر نماز کے وقت۔

فرمایا: ''اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ'' (الاعراف:۲۸) بے شک اللہ تعالیٰ بے حیائی کا حکم نہیں فرماتا۔ اللہ تعالیٰ فحاشی کا حکم نہیں دیتا (یعنی چوری' زنا' بدفعلی' قتل و غارت اور غصب و لوٹ کھسوٹ وغیرہ) اس قسم کی اور بھی آیات ہیں اور جس نے امر کو ترک کیا اور نہی کا مرتکب ہوا تو اس سے عذاب ساقط نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ'' (آل عمران:۱۲۹) جس کو

Marfat.com

چاہے بخش دے اور جس کو چاہے عذاب دے' اور ان باتوں کا اعتقاد کفر ہے (جو اس سے پہلے ذکر ہوئیں)۔

اموال مشترکہ نہیں ہیں

اگر اموال لوگوں کی ملک ہوتے تو کسی کو منع کرنا حلال و جائز نہ ہوتا' حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ" (البقرہ:۱۸۸) اور اپنے اموال آپس میں باطل طریقے سے نہ کھاؤ۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا" (المائدہ:۳۸) چور مرد و عورت کا ہاتھ کاٹو یہ بدلہ ہے ان کے کیے کا اور ایسے ہی رجم و جلد (یعنی مرتکب زنا کو سنگسار کرنا اور کوڑے لگانا)۔

نیز حضور ﷺ نے فرمایا: میں غیور ہوں اور میرے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی غیور تھے اور ہم سے زیادہ غیور اللہ تعالیٰ ہے۔

جنت نے کیا کہا؟

حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا کیا تو اس سے فرمایا: کلام کر۔ اس نے کہا: کامیاب ہوا وہ جو مجھ میں داخل ہوا۔ پھر فرمایا: "تکلمی" بول۔ اس نے کہا: "قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ" مسلمان کامیاب ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "حرمتک علی کل بخیل و مدمن و عاق و دیوث" کہ میں نے تجھ کو حرام کیا بخیل پر' ہمیشہ شراب پینے والے پر' ماں باپ کے نافرمان پر' دیوث پر جو بے غیرت و بے حیا ہو۔

انیسواں قول

اس بارے میں کہ اللہ عزوجل پر بندوں کی جانب سے کوئی شئی واجب نہیں

اہل سنت و جماعت کہتے ہیں: ایجاب محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور کسی کی طرف

Marfat.com

سے نہیں۔

معتزلہ نے کہا کہ ایجاب بہ طریق عقل و حکمت (یعنی جو چیز عقل و حکمت سے واجب ہوئی ہے) ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور یہ کفر ہے۔

متکلمین اور اصولیوں کی اصطلاح

اہل اصول اور متکلمین جو لفظ' جواز' وجوب اور محال استعمال کرتے ہیں' اسی طرح "وجوب من الحکمۃ" کا لفظ جو ان کے نزدیک استعمال ہوتا ہے یہ بہ طریق مجاز ہے۔ اور اہل سنت کے نزدیک غرض اس سے اللہ تعالیٰ جل شانہٗ سے قبح کی نفی کرنا ہے۔

وجوب کی از روئے حکمت کیا تعریف ہے؟

از روئے حکمت وجوب کی تعریف یہ ہے کہ اگر اس کو ترک کر دے تو مستقبح (برا) ہے۔

جواز از روئے حکمت کسے کہتے ہیں؟

از روئے حکمت جواز کی تعریف یہ ہے کہ اگر کرے تو "سفہ" بیوقوفی نہیں۔

محال کسے کہتے ہیں؟

محال کی تعریف یہ ہے کہ اس کا ثابت کرنا نہ حکمت ہے اور نہ وہ جائز ہے۔

پھر معتزلہ کے نزدیک بندوں کے حقوق اور ان کے مصالح اللہ تعالیٰ پر واجب ہیں اور خدا پر وہ چیز واجب ہے جو بندوں کے لیے اصلح ہو بہ طریق حکمت جیسے رزق اور صغیرہ گناہوں پر گنہگاروں پر رحمت اور گناہ کبیرہ پر توبہ قبول کرنا اور اس کی مثل اور یہ سب معتزلہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ پر واجب ہیں اور اسی طرح خدا پر واجب ہے کہ بندوں کو مستوی القامۃ' سلیم الجوارح یعنی اس کے اعضاء درست ہوں' توانا و مضبوط ہو' دیکھے' سننے والا ہو غرضیکہ اس میں کوئی نقص نہ ہو اور اگر اس کے خلاف کرے تو عدل نہ ہوگا' یہ عقیدہ کفر ہے۔ اس لیے کہ وجوب سے مراد تکلیف و الزام ہے اور لامحالہ الزام جبر کو مستلزم ہے تو ملزوم علیہ مجبور ہوگا اور جو اللہ تعالیٰ کو اس صفت سے موصوف کرے وہ کافر ہے کیونکہ بندوں میں بعض بیمار ہیں اور بعض نابینا ہیں اور بعض گونگے اور بعض بہرے اور بعض بالکل معذور و دائم المرض وغیرہ اور ظاہر ہے ان عوارض میں بندوں کی مصلحت نہیں۔

Marfat.com

پھر (دریافت طلب امر یہ بھی ہے کہ) یہ عوارض یا تو اللہ تعالیٰ کی قضاء (فیصلہ) اور قدر (تقدیر) سے ہوں گے یا نہیں؟

اگر بقضاء اللہ (یعنی اللہ کے فیصلہ سے ایسا ہونا ٹھہرا) مانیں تو معاذ اللہ خدا ظالم ٹھہرا' اپنی قضاء وقدر میں اور اگر بقضاء اللہ نہیں تو دوسرے خالق کی احتیاج ہوگی تاکہ وہ یہ احوال و عوارض پیدا کرے اور جو اللہ کے سوا دوسرے کو خالق ومحدث اور موجد تجویز کرے وہ کافر ہے تو ان چیزوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ عزوجل پر بندوں کی طرف سے کسی وجہ سے کوئی شئی واجب نہیں' مگر ہم یہ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کی حوائج وضروریاتِ زندگی اپنے ذمۂ کرم پر لے لی ہیں جیسے رزق وغیرہ۔

اور ایسے ہی نیکوکاروں کے لیے رحمت وبخشش کا وعدہ فرمایا ہے اور بدکاروں کو عذاب اور عقوبت سے ڈرایا ہے اور اس کے وعد و وعید میں خلف جائز نہیں' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ ''اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادُ '' (آل عمران:9) اور عدم خلف کی وجہ سے اس سے قبح منفی ہے' لیکن وفاء وعد خدا پر واجب نہیں لیکن ہم یقیناً جانتے ہیں کہ وہ وعدہ خلافی نہیں کرے گا' نہ وعدہ خلافی اس کی صفت ہے اور نہ اس کے ساتھ اسے متصف کرنا جائز۔ پھر جب بندہ کو بھوک' پیاس' رنج ومحن' درد والم بقضائے الٰہی اور بارادۃ اللہ ہوتے ہیں اور یہ مصلحت وحکمت سے خالی نہیں اور حکمت جلدی (ظاہر ہو) یا دیر سے' یہ اس کے عمل کا کفارہ اور بدلا و جزاء ہے اور ثواب وکرامت ہے اس کی محبت کی وجہ سے اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہماری مصلحتوں اور انجام کو جانتا ہے تو وہ ہمیں بیماری وغیرہ پہنچا کر ارادہ کرتا ہے کہ ہمارا انجام اچھا ہو' یہ ایسے ہی ہے جیسے ہم فصد کھلواتے ہیں (نشتر لگانا)' پچھنے لگواتے ہیں اور داغ دے کر علاج کرتے ہیں کہ یہ مصلحتاً مباح ہے (ثانی حال میں) اگرچہ فی الحال درد اور دکھ محسوس ہوتا ہے۔

معتزلہ کا مسلک

مگر معتزلہ نے ان سب باتوں کا انکار کیا اور انہوں نے کہا: یہ عوارض بقضائے الٰہی نہیں ہوتے بلکہ باقتضائے طبع ہوتے ہیں یا غذا خراب ہونے سے' یا ہوا خراب ہونے سے یا تبدیلی ایام سے اور جو کسی فعل کو غیر اللہ کی طرف بہ طریق ایجاد وخلق منسوب کرے وہ کافر ہے۔

Marfat.com

پھر اگر کہا جائے کہ اس میں کون سی حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں سے کفر کا ارادہ کرے؟ ہم کہیں گے کہ بے شک اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ شروع سے اخیر تک ان کو مطیع اور مؤمن پیدا کرے بلکہ معصوم پیدا کرے' لیکن اس نے بندوں کو تفاوت احوال کی وجہ سے اپنے ارادہ سے چھوڑا' بعد اس کے کہ وہ جانتا ہے ان سے اظہارِ عفو و مغفرت و رحمت کے لیے جس کو وہ بخشنا چاہے اور اپنی صفات کے لیے قہر انتقام و مجازات جس پر اس کا عقاب ہو اور ان صفات حمیدہ کی تاثیر ظاہر ہوگی' کفر و معاصی کے ساتھ اس سے بڑھ کر کیا حکمت ہوگی کہ اپنی صفات قہریہ کا اظہار فرماتا ہے اور اپنے دشمنوں سے انتقام لیتا ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ ان سے کفر و معصیت کو جانتا ہے تو اگر ارادہ کرے اس کے خلاف اور نہ ہو وہ جس کا ارادہ کیا تو وصف کیا جائے گا عجز و حقارت سے اور یہ جائز نہیں' اس لیے کہ تمام مخلوق اللہ کے بندے اور غلام ہیں اور مولیٰ کو حق ہے کہ اپنے بندوں میں جو چاہے تصرف کرے اور جب چاہے کرے۔

حشویہ

اور بعض حشویہ نے کہا: رزق اور مصالح عباد بندوں پر ہیں' اللہ کے ذمے کچھ نہیں' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت بندوں پر واجب ہے تو مصالح بہ طریق اولیٰ ان پر واجب ہونے چاہئیں اور یہ قول فاسد ہے' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ'' (الذاریات:۵۸) بے شک اللہ تعالیٰ رزاق ہے اور زبردست قوت والا' اور فرمایا: ''وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا'' (ھود:۶) زمین پر چلنے والا کوئی ایسا جانور نہیں کہ جس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر نہ ہو۔ زمین میں جتنی مخلوق ہے اس کا رزق ہمارے ذمہ کرم پر ہے۔

حضور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: ''الرزق مقسوم و مفروع یاتی ابن آدم علی ای میسرة سارها'' رزق مقسوم و مفروع ہے آدمی جہاں بھی ہوا سے ملے گا۔ بعض نے کہا: کسب اور مصالح کی طلب فرض ہے بندوں پر کسی وجہ سے ہو اور بعض نے کہا: کسب اور طلب مصالح حرام ہے اور مال حلال کا رکھنا حرام ہے۔

صحیح تر یہ ہے کہ بہ وقت ضرورت کسب فرض ہے اور جب ضرورت نہ ہو تو رخصت ہے

Marfat.com

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَانْتَشِرُوْا فِى الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ.

جب تم نماز ادا کر چکو تو پھر زمین میں منتشر ہو جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔

(النساء: ۱۰۳)

اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ فرض کی ہے اور اس کا سبب اموال ہیں اور اگر مال حلال کا رکھنا حرام ہوتا تو پھر ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوتی' تو ثابت ہوا کہ جو ہم نے کہا وہ صحیح ہے۔

Marfat.com

نواں باب
دین اور شرائع کا بیان

اس میں تین قول ہیں۔

پہلا قول

مہتدی ابوشکور سالمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قول اوّل اصول دین اور ہر اس چیز کے بیان میں جس پر اعتقاد واجب ہے۔

ابوشکور سالمی فرماتے ہیں: جاننا چاہیے کہ اصول دین وہ اعتقاد اور شرائط ایمان کو قبول کرنا' احکام وغیرہ اور ہر وہ شئی کہ جس پر اعتقاد واجب ہے اور ہر وہ شئی کہ جو اللہ تعالیٰ کے دین کے موافق اور محبوب ومرضی (پسندیدہ) ہو یہاں تک کہ اگر بندہ خلافِ دین کسی چیز کا ذکر کرے یا اس پر اعتقاد رکھے جو اللہ کی رضا ومحبت کے خلاف ہوتو وہ کافر ہو جائے گا اور ایسے ہی اشارہ اس مسئلہ میں بہ منزلہ عبادت کے ہے' بیان اس اجمال کا یہ ہے کہ اگر کسی کے سامنے ذکر کیا جائے کہ فلاں شخص کو یا فلاں چیز کو اللہ پسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے محبت فرماتا ہے اور وہ سن کر کہے: میں پسند نہیں کرتا یا محبت نہیں کرتا تو وہ کافر ہے اور ایسے ہی اگر سر کے اشارہ سے یا ہاتھ کے اشارہ سے یا ڈاڑھی کے اشارہ سے یا کسی اور چیز سے اشارہ کرے یا استہزاء یا مخالفت کے طور پر کرے تو کافر ہو جائے گا اور ایسے مبغوضات الٰہی کو اگر کہے: میں مبغوض نہیں رکھتا کافر ہو جائے گا اور ایسے ہی محبوبات ومرضیات نبی کریم ﷺ میں اعتقاد وموافقت واجب ہے' جیسے اوّل میں ہے اور اگر حضور ﷺ کی مرضیات ومحبوبات (مرضی وپسند) کے خلاف اعتقاد رکھتا ہے خواہ قولاً ہو یا فعلاً جب کہ استخفاف (ہلکا جاننا) اور تحقیر کے طور پر ہوتو کافر ہو جائے گا۔ تو واجب ہے کہ مرضیاتِ الٰہی اور مرضیاتِ رسول کریم ﷺ کو دینا

Marfat.com

اور اعتقاداً پسند کرے، اگرچہ طبیعت کے خلاف ہو اور اسی طرح مبغوضاتِ الٰہی اور مبغوضاتِ نبی کریم ﷺ کو دیناً و اعتقاداً مبغوض سمجھے اگرچہ طبیعت اس کو پسند کرتی ہو اس لیے کہ اللہ و رسول جل جلالہ و ﷺ کی پسندیدہ اور محبوب اشیاء کو پسند کرنا اس کی موافقت اعتقاداً و دیناً واجب ہے، اگرچہ طبعاً وہ چیز پسند نہ ہو تو طبیعت کا مقابلہ طبیعت پر جبر کر کے مرضیاتِ اللہ اور مرضیاتِ رسول اللہ ﷺ کو پسند کرے اور اللہ و رسول کے ناپسندیدہ اشیاء کو مبغوض و ناپسندیدہ کرے۔

اس لیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے عبادات و احکام و شرائع میں محنت اور آزمائش کو رکھا ہے کہ کون اوامر و نواہی الٰہی اور سنتِ رسول کریم ﷺ کی موافقت کرتا ہے اور کون مخالفت کرتا ہے؟ اور صادق، کاذب، فاسق و مطیع، مخلص و منافق میں امتیاز ہو جائے اور سب جان لیں۔

دوسرا قول

محنت و مشقت اور ابتلاء کا بیان

اہل سنت و جماعت فرماتے ہیں کہ محنت و مشقت اور ابتلاء کی وضع اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں پر جائز ہے۔

کرامیہ نے کہا کہ محنت و ابتلاء واجب ہے۔

اور معتزلہ نے کہا کہ محنت و مشقت میں بندوں کو ڈالنا قطعاً جائز نہیں، اس لیے کہ حکمت کے خلاف ہے کہ بندوں کو محنت و مشقت میں ڈال کر ان کا امتحان لے یا دنیا میں ان کو سزا و عقوبت دے اور دنیا دار الجزاء و عقوبت نہیں ہے۔

اور اس لیے کہ آلام و شدائد بدلا دینے کو ہوتے ہیں اور عقوبت و محنت اور ابتلاء و آزمائش حصول علم کے لیے اور اللہ تعالیٰ کو بندوں کا حال معلوم ہے تو اس کو ابتلاء و آزمائش میں ڈالنا جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کا محتاج نہیں، بلکہ کل بلائیں، آزمائشیں بندہ کی طرف سے ہوتی ہیں، جیسے لغزش، فقر، بھوک، پیاس، مار دھاڑ، ناحق قتل و خون ریزی یہ سب جرائم

Marfat.com

بندوں کی طرف سے ہوتے ہیں، لیکن آلام (درد)، بخار، مرض اور اسی طرح کی بیماریاں وغیرہ بندوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوتیں، یہ چیزیں طبیعت کی وجہ سے ہوتی ہیں یعنی طبعی چیزیں ہیں، کیوں استحالہ لازم آتا ہے کہ اس کو امتحان و ابتلاء میں ڈالنے کی حاجت نہیں کہ یہ علم حاصل کرنے کے لیے ہوتے ہیں اور خدا بندوں کو پہلے ہی جانتا ہے۔

اہل سنت و جماعت کے دلائل

اہل سنت اس آیت سے دلیل دیتے ہیں: ''وَاِذِ ابْتَلٰی اِبْرٰهِیْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ'' (البقرہ:۱۲۴) جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو چند کلمات سے آزمایا۔

اس آیت میں خبر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو آزمایا اور ان کو آیات کے ساتھ مبتلا کیا اور نبی کریم ﷺ نے مہاجر عورتوں کے امتحان کا حکم دیا، فرمایا: ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ'' (الممتحنہ:۱۰) اے ایمان والو! جب مسلمان (کفر سے) ہجرت کرنے والی عورتیں تمہارے پاس آئیں تو ان کا امتحان کرو اور فرمایا: ''الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا'' (الملک:۲) وہ جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ کون تم میں سے اچھے عمل والا ہے۔ ان آیات سے ثابت ہوا کہ امتحان و ابتلاء اللہ تعالیٰ کی طرف سے جائز ہے۔

دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کا امتحان جائز ہے؟

حدیث پاک سے دلیل: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''البلاء و الھواء و الشھوة معجونة بطینة آدم علیه السلام'' مصیبت، آزمائش، خواہش اور شہوت حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے خمیر میں گوندھی گئی ہیں۔

دوسری حدیث مبارک: اور حضور ﷺ نے فرمایا: ''اشد البلاء علی الانبیاء ثم الاولیاء ثم الامثل فالامثل'' سب سے زیادہ سخت اور کڑی آزمائش انبیاء کی، پھر اولیاء کی اور پھر جو ان سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔

ابتلاء و امتحان کا فلسفہ کیا ہے؟

دراصل یہ جو ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان و آزمائش جائز ہے باوجودیکہ وہ بغیر امتحان و آزمائش کے جانتا ہے، اس امتحان کا فائدہ الزام حجت ہے اور جو کچھ

Marfat.com

بندہ میں ہے اس کا اظہار واعلام کہ اس کے کرتوت اس کو دکھائے جائیں۔

مصائب وآلام کا راز

دکھوں اور بیماریوں میں مبتلا کرنا کفارۂ گناہ کا باعث ہے اور بلندئ درجات کا موجب ہے اس کی دلیل یہ حدیث مبارک ہے: حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''حمى ليلة كفارة سنة'' ایک رات کا بخار برس دن کے گناہوں کا کفارہ ہے۔

ابتلاء وآزمائش کے من جانب اللہ جائز ہونے پر عقلی دلائل

دریافت طلب امر یہ ہے کہ امراض وآلام اللہ تعالیٰ مخلوق ہیں یا غیر مخلوق؟ اگر کہو کہ مخلوق ہیں تو آزمائش وغیرہ کو منجاب اللہ مان لیا۔ اور اگر کہیں کہ غیر مخلوق ہیں تو اس میں کلام ہے' اس لیے کہ اللہ کے سوا دوسرا خالق ومحدث محال وناجائز ہے اور تیسری صورت یہ ہے کہ اگر کہا جائے کہ اگر حدوث فعل طبیعت کی طرف سے یا بندے کی طرف سے ہو' اللہ تعالیٰ کے احداث وایجاد (پیدا کرنا) کے بغیر تو اس میں خدا سے استغناء وبے نیازی کے علاوہ یہ بھی لازم آتا ہے کہ حدوثِ عالم بغیر صانع کے پایا جائے تو اس میں الوہیت کی نفی ہوتی ہے اور تعطیل کا موجب ہے اور یہ کفر ہے اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا' وہ سب اللہ کے بندے ہیں اور فقر بندے کی صفت ہے اور عبودیت سخت آزمائش ہے اور محنت ومشقت اور فقر واحتیاج فضل ہے۔

اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قید کو کفار کے حق بشرائط سبی (قید) مباح قرار دیا ہے اور قید' مشقت' محنت پہنچانے کو واجب کرتی ہے' جیسے فقر' خدمت اور ذلت سے دکھ اور مصیبت پہنچتی ہے اور اسی طرح اہل حرب کے مویشیوں کے بچے جب کہ ان کا دارالاسلام کی طرف چلنا ناممکن ہو' ان بچوں کو قتل کرنا مباح ہے اور یہ مشقت وآلام کے پہنچانے کو واجب کرتا ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امتحان جائز ہے۔

زراعت سے دلیل

اور ایسے ہی ہمارے لیے زراعت کھیتی باڑی اور حرفت کو مباح قرار دیا' اس میں بھی مشقت ہے۔

Marfat.com

نماز، وضو سے دلیل

اور اسی طرح نماز بغیر وضو کے جائز نہیں اور وضو بغیر پانی کے ممکن نہیں اور بعض اوقات پانی بغیر کنواں کھودنے کے حاصل نہیں ہوتا، یہ بھی باعث محنت و مشقت اور کلفت ہے۔

موسموں سے استدلال

اور اس لیے کہ خدا نے گرمی کو گرم پیدا کیا اور سردی کو ٹھنڈا جس سے لوگوں کو اذیت و تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے، یہ سب کچھ دو حال سے خالی نہیں، یا تو سب خدا کی جانب سے ہوں گی یا غیر خدا کی جانب سے؟ اگر کہو کہ یہ سب غیر خدا کی طرف سے ہیں تو اس میں خالق و صانع کی الوہیت کی نفی ہے اور یہ کفر ہے اور اگر کہا جائے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسباب کو پیدا کیا ہے۔ مشقت و محنت، اذیت وتلف اور جب یہ جائز ہوا تو جائز ہو گیا کہ فقر، ذلت، ابتلاء وامتحان وغیرہ، اس لیے ہم نے کہا کہ یہ سب بقضاء اللہ ہیں اور اس کی تقدیر و فیصلے سے ہیں۔

تیسرا قول

استطاعت اور تفویض کا بیان

قدریہ، معتزلہ، جہمیہ، روافض اور کرامیہ کہتے ہیں کہ بندہ میں کسی فعل کو سرانجام دینے سے پہلے اس فعل کی استطاعت موجود ہوتی ہے اور بندہ بذاتِ خود بغیر تقدیر اور اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کے اپنے ذاتی افعال کی قدرت و استطاعت رکھتا ہے اور بندہ اپنے اچھے، بُرے کاموں کا خود خالق ہے۔

جبریہ کا نظریہ

جبریہ نے کہا کہ بندے کا کوئی فعل نہیں ہے اور نہ بندہ فعل پر قادر ہے اور وہ اپنے نیک و بد افعال میں مجبور ہے اور کافر اپنے کفر میں معذور ہے اور بندہ کی حرکت درخت کے پتوں کی طرح ہے کہ بغیر اختیار کے وہ حرکت کرتے ہیں۔

Marfat.com

بعض کا مسلک

بعض نے کہا کہ فعل بندے اور خدا کے درمیان موقوف ہے' ہمیں اس چیز کا ادراک نہیں ہے کہ فعل خدا کی طرف سے ہے یا بندے کی طرف سے ہے۔

اہل سنت و جماعت کا موقف

اہل سنت فرماتے ہیں کہ بندہ اپنے ذاتی افعال میں استطاعت رکھتا ہے لیکن بذاتِ خود نہیں' بلکہ اللہ عین اس وقت بندے میں یہ قوت پیدا فرما دیتا ہے اور یہ قوت فعل سے متصل اور مقترن ہوتی ہے' فعل سے مقدم (پہلے) یا مؤخر (بعد) نہیں ہوتی۔

استطاعت کی قسمیں

استطاعت تین قسم کی ہوتی ہے(۱)استطاعتِ اموال (۲)استطاعتِ افعال (۳)استطاعتِ احوال۔

پہلی قسم (یعنی استطاعتِ اموال) جیسے حاجی کے لیے زادِ راہ اور سواری وغیرہ اور استطاعتِ افعال سے مراد ہے: جسم اور اعضاء کا تن درست اور صحیح وسلامت ہونا' اس لیے استطاعت کا فعل سے مقدم ہونا جائز ہے حسی طور پر بھی اور حکماً بھی فعل سے پہلے قوت کا پایا جانا جائز ہے۔

اور استطاعتِ احوال فعل پر وہ قوت وقدرت ہے جو نہ فعل سے مقدم ہوتی ہے اور نہ مؤخر بلکہ مقارن (ساتھ) فعل ہوتی ہے۔

معتزلہ کا قرآن سے استدلال

معتزلہ کی حجت یہ آیت ہے: "لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا" (البقرہ:۲۸۶) اللہ تعالیٰ کسی جان کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی طاقت کے مطابق۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ بندہ فعل پر قدرت واستطاعت رکھتا ہے۔

دوسری آیت: "وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا" (آل عمران:۹۷) اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہے لوگوں پر بیت اللہ کا حج جو اس کی طرف راستے (سفر) کی طاقت رکھتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مخاطب کیا اور ان کو حکم دیا نماز' حج وغیرہ کا' تو اگر نماز وغیرہ شروع کرنے سے قبل توجہ خطاب کے وقت استطاعتِ ادائیگی نماز وغیرہ نہ ہو تو پھر نماز کا خطاب صحیح نہ ہوتا' اس لیے کہ خطاب ہجوم وقت کے ساتھ متوجہ ہوتا

Marfat.com

ہے تو بسا اوقات نماز آخر وقت میں شروع کرتا ہے تو یہ مقتضی ہے کہ نماز پڑھنے کی طاقت ہجوم وقت کے وقت ہو لیکن خطاب کا متوجہ ہونا صحیح ہوا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر ہم یہ کہیں کہ استطاعت ساعة ساعة (لمحہ بہ لمحہ) پیدا ہوتی ہے تو یہ چیز جبر و تسلیط کا موجب ہے اور واجب کرتی ہے کہ قبائح کی اضافت و نسبت اللہ کی طرف ہو اس لیے کہ زانی اور لوطی جب زنا اور لواطت کریں تو ایلاج و دخول علی الترتیب والترادف ہوگا تو ہر حرکت اور ایلاج (دخول) محتاج ہوگا حدوثِ قوت و قدرت کا۔

اور اگر ہم کہیں کہ اللہ تعالیٰ اسی ساعت دورانِ عمل میں قدرت کو پیدا کرتا ہے تو یہ اس فعل پر تسلیط (مسلط کرنا) ہے جو کہ جائز نہیں ہے۔

اور بندہ کے لیے یہ ممکن ہے کہ اس فعل کو غیر کی طرف پھیر دے اس لیے کہ قوتِ اخراج (نکالنے کی مدت) نکالنے کے وقت پیدا ہوگی اور داخل کرنے کی قوت داخل کرنے کے وقت پیدا ہوگی اور فعلِ ایلاج و اخراج (داخل کرنا اور نکالنا) زنا ہے اور یہ ناممکن ہے کہ اس کا فعل واقع ہو اور زنا میں نہ ہو بلکہ زنا ہی میں واقع ہوگا سو اس میں اختیار کی نفی ہو جاتی ہے اور یہ جائز نہیں۔

جواب: اس آیت سے معتزلہ کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت ''**لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا**'' نفقۂ ازواج کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

آیت مذکورہ بالا کے نفقۂ ازواج کے بارے میں نازل ہونے کی دلیل یہ آیت ہے:
''**لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَا اٰتٰهَا**'' یہ آیت مفسر ہے اور پہلی مجمل ہے اور مجمل کا حمل مفسر پر کیا جاتا ہے تو اعتراض لازم نہیں آیا۔

''**مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا**'' کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں وارد ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: ''**الا ستطاعة هو الزاد و الراحلة**'' یعنی استطاعت سے مراد زادِ راہ اور سواری وغیرہ ہے لیکن ان کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے نماز کا حکم دیا ہے تو واجب ہے کہ بندہ خطاب کے متوجہ ہونے کے وقت نماز ادا کرنے کے لیے استطاعت رکھتا ہو اس کے جواب میں ہم نے کہا کہ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ استطاعت تکلیف کے وقت موجود ہے اور وہ (استطاعت) اعضاء سلیمہ ہیں اس لیے کہ تکلیف اعضاء ہی کو ہوتی ہے اور لیکن ادائے قوت و قدرت سے ہی ہوتی ہے اور یہ کسب کے وقت پیدا ہوتی ہے جب نماز شروع کرنے لگتا ہے۔

Marfat.com

دلیل اس کی یہ ہے کہ قوت وقدرت کے اثبات کے لیے فعل اور حرکت کے علاوہ کوئی دلیل نہیں ہے اور اس فعل وحرکت سے قبل اس فعل پر قوت وقدرت کو ثابت کرنے کی اس میں کوئی دلیل نہیں ہے۔

اگر کوئی کہے کہ فعل وحرکت جو موجود تھی، قبل اس کے دلیل ہے اس فعل کے اثبات پر اور ایسے ہی مابعد کے۔ ہم نے کہا: وہ فعل اور حرکت دلیل ہے اس قوت پر جس سے یہ فعل و حرکت حاصل ہوا ہے، لیکن اس کے غیر پر نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ قدرت علی الصلوٰۃ توجہ خطاب کے وقت موجود ہے، اس لیے کہ آلہ اور قوت ثابت ہے اور یہ قدرت صلاحیت رکھتی ہے، نماز کے لیے جیسے یہ قوت صلاحیت رکھتی ہے، غیر صلاۃ کے لیے، دلیل اس پر یہ ہے کہ محمد بن حسن رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ فرمایا: استطاعت جس کے ساتھ تو ایمان لایا ہے یہی استطاعت ہے، جس کے ساتھ کفر کرتا ہے اس کے معنیٰ یہ ہیں: جس استطاعت سے تم ایمان لائے ہو وہی استطاعت صلاحیت رکھتی ہے کہ کفر کرے۔

مہتدی ابوشکور سالمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: استطاعت کو جب ایمان کی طرف صرف کیا تو پھر ممکن نہیں کہ ایمان کے بعد کفر کی طرف صرف اس لیے کہ استطاعت عرض ہے، اور عرض دو زمانہ تک باقی نہیں رہتی تو ممکن نہیں کہ قبل از فعل موجود ہو اور پھر بعد از فعل باقی نہ رہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ وہ استطاعت جو قبل از فعل موجود تھی تو ضعم کے نزدیک وہ استطاعت قریب زوال تھی حال ثانی میں اور ہمارے نزدیک استطاعت فی الحال موجود ہے اور عنقریب حال ثانی میں موجود ہوگئی۔

پھر جب اس استطاعت کے ساتھ جو فی الحال موجود ہے اور لیکن بحال ثانی موصوف بالزوال ہے، خطابِ الٰہی کا متوجہ ہونا جائز ہے تو ایسے ہی جائز ہے کہ خطاب متوجہ ہو، اس استطاعت کے ساتھ جو فی الحال موجود ہے اور بحال ثانی (آئندہ وقت میں) موجود ہوگی[1]۔

---

[1] تمہید شریف میں عربی عبارت اس طرح ہے: "وعندنا الاستطاعة موجودة (والصحیح معدومة) فی الحال او (والصحیح الواو) علی شرف الوجود..... ثم لما جاز توجه الخطاب بالاسطاعة التی هی موجودة...... یجوز توجه الخطاب بالاستطاعة التی هی موجودة (الصحیح معدومة) فی الحال"۔

فقیر کی دانست میں جس طرح کی عبارت ہونی چاہیے اس کی نشاندہی اس عبارت میں قوسین کے درمیان کر دی گئی ہے۔ ترجمہ بھی اس کے مطابق کیا گیا ہے۔

Marfat.com

اس کی دلیل یہ ہے کہ تمام افعال بندے کے اختیار سے ہوتے ہیں اور اختیار عرض ہے تو اگر ہم یہ کہیں کہ جائز ہے کہ باقی رہے تو یہ مودی ہوگا' اس بات کی طرف کہ کافر اپنے کفر پر باقی رہے' جبراً اور یہ محال ہے۔ بیان اس کا یہ ہے کہ اختیار کا آلہ جب اپنے اختیار سے کفر میں مشغول رہے تو اس سے اس کا اختیار زائل نہیں ہوگا تو یہ ممکن نہیں ہوگا کہ وہ اسلام کو قبول کرے' ساتھ زوال کے ثانی حال میں عدم اختیار کی وجہ سے تو اس کا کفر پر باقی رہنا مجبوراً ہوگا اور اس کے ہوتے ہوئے اس سے ایمان کا خطاب جائز نہ ہوگا اور یہ محال ہے۔

اشکال: اور ان کا یہ کہنا کہ استطاعت ساعۃً ساعۃً (لحہ بہ لحہ) پیدا ہوتی ہے تو اس میں تسلیط ہوگی اور قبائح کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوگی۔

جواب: ہم نے کہا: ایسا نہیں ہے' اس لیے کہ بندہ محتاج استطاعت ہے' اپنے امور کے مصالح کے لیے اور اپنے اعمال کے لیے مصلحۃً للمعیشہ اور ایک وقت تک بقاء عالم کے سبب سے تو اللہ تعالیٰ لحہ بہ لحہ بغیر انقطاع کے استطاعت کو پیدا کرتا ہے۔ جیسے پانی کا پیدا و جاری کرنا' ہوا کا چلنا' پھر بے شک اللہ تعالیٰ نے بندے کو حکم دیا ہے کہ بعض استطاعت کو بعض اوقات میں صرف کرے' عبادات کی طرف شکر ادا کرنے کے لیے اور منع فرمایا اس کو استطاعت کے صرف کرنے سے معاصی اور قبائح کی طرف امتحان اور آزمائش کے لیے۔

اگر ہم کہیں کہ اللہ تعالیٰ استطاعت کو معاصی کی طرف پھیرنے سے منع کر دے جبراً کیونکہ بندہ طاعت کو ترک کرتا ہے اور استطاعت کو عبادات کی طرف اپنے ذاتی اختیار سے صرف نہیں کرتا اور شبہ کا دعویٰ کرے اور حجت اللہ تعالیٰ پر بایں معنیٰ کہ مجبور تھا' ایک وقت میں دوسرے وقت میں اور ایسے ہی دعویٰ کر لے جبر کا' اس وقت میں تو اس کو شبہ ہو جائے گا اس کا اور یہ جائز نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر ہم کہیں کہ امر (معاملہ) بندوں کے سپرد ہے اور وہ اپنے افعال کے خود خالق ہیں تو اس میں ربوبیّت کا بندوں کے سپرد کرنا اور تفویض کرنا لازم آتا ہے اور یہ محال ہے۔

Marfat.com

مسئلہ تفویض اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت امام جعفر بن محمد صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ اے ابن رسول ﷺ! کیا اللہ تعالیٰ نے امر (معاملات) بندوں کے سپرد کر دیا ہے؟

امام جعفر نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس سے بلند اور اعلیٰ ہے کہ ربوبیّت بندوں کے سپرد کرے، پھر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو مجبور کیا ہے؟ اور ان پر تسلط فرمایا ہے، اعمال کے باب میں، فرمایا: اللہ تعالیٰ اس سے اعلیٰ و برتر ہے کہ بندوں پر جبر فرمائے اور پھر ان کو عذاب دے۔

اور ان کا یہ کہنا کہ قبائح کی نسبت اللہ کی طرف ہو گی؟ ہم کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے کیونکہ جب یہ جائز ہے کہ اللہ بندوں کو پیدا کرے اور جانتا ہے کہ بندہ یہ فعل کرے گا اور اس کے منع پر بھی قادر ہے کہ وہ یہ فعل نہ کرے اور پھر منع نہیں فرماتا تو فعل کی قباحت وعیب بندہ کی طرف راجع ہے تو ایسے ہی جائز ہے کہ اس کے لیے ان افعال کی قدرت پیدا فرما دے اور اس قدرت کو معاصی (گناہوں) کی طرف پھیرنے سے منع نہ فرمائے علی سبیل الجبر باوجود ان افعال سے منع کرنے کے پھر عیب وقبح بندہ کی طرف راجع ہے جیسا کہ علم اور تخلیق میں۔

اس کی تحقیق یہ ہے کہ تخلیق امر اور تخلیق قدرت میں کچھ فرق نہیں، پھر جب جائز ہے کہ آلات پیدا کرے اور ان آلات سے وہ گناہ اور معصیت کرتا ہے تو عیب عاصی (گنہگار) کی طرف رجوع کرتا ہے۔

دوسرے یہ کہ اس میں اوصافِ جمیلہ کا اظہار ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ عفو وغفران (درگزر اور بخشش) کی صفت سے موصوف ہے اور صفت قہر وانتقام سے بھی موصوف ہے، پھر ان صفات کی تاثیر حالات کے بدلنے کے ساتھ ظاہر ہو گی، تو ہم کہتے ہیں کہ بتقاضائے حکمت جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ اس فعل سے منع کرنے اور حجت لازم کرنے کے بعد اس قدرت کو سلب کر لے، تاکہ ظاہر ہو قہر وانتقام اور عفو وغفران اور اس معنیٰ کے لحاظ سے ہم نے کہا کہ بندوں کے افعال اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں، برخلاف اس کے معتزلہ نے کہا: ہماری دلیل ان پر یہ ہے: ''وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ'' (الصافات: ۹۶) اللہ تعالیٰ نے تم کو اور

Marfat.com

تمہارے اعمال کو پیدا کیا۔

اگر کہا جائے کہ اس سے مراد معمولات ہیں۔ ہم نے کہا: ایسا نہیں ہے، اس لیے کہ جس جگہ اللہ تعالیٰ نے "ما تعملون" فرمایا ہے، اس سے عمل مراد لیا ہے۔

اس پر دلیل یہ آیت ہے: "هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ" (النمل: ۹۰) تمہیں کیا بدلہ ملے گا مگر اسی کا جو تم کرتے تھے۔ اور اگر بندہ ہی افعال کا خالق ہوتا تو اس کی قدرت عدم پر نافذ ہے تو پھر خالق و مخلوق میں فرق نہ رہے گا اور اگر بندہ قادر ہے کہ اپنے آپ کو پیدا کر لے تو وہ قادر ہو گا کہ کوئی اور شئی پیدا کرے اور یہ کفر ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "فَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا" (الفرقان: ۲) پس اس نے ہر چیز پیدا کی اور اسے درست اندازہ پر رکھا۔

استطاعت دو طریق کی ہے

بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ استطاعت دو وجہ پر ہے: تکلیفی و توفیقی۔ تکلیفی اعضاء سلیمہ میں ہے اور یہ افعال سے قبل موجود ہوتی ہے اور توفیقی وہ قدرت علی الاداء سے عبارت ہے اور یہ قدرت فعل کے ساتھ اداء کے وقت پیدا ہوتی ہے۔

جبریہ اور مسئلہ جبر و قدر

جبریہ کہتے ہیں کہ بندے کوئی ہے اور اسے فعل پر قدرت ہے۔

بندہ مجبور محض ہے؟ جبریہ کے دلائل

(۱) جبریہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ" (النساء: ۱۲۹) اور تم ہرگز طاقت نہ رکھو گے کہ انصاف کر سکو عورتوں میں۔

(۲) ارشاد فرمایا: "لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ" (آل عمران: ۱۲۸) یہ بات آپ کے ہاتھ میں نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ بندہ کے لیے کسی امر اور فعل پر قدرت و استطاعت نہیں اور یہ اس باب میں نص ہے۔ (جبریہ نے مزید کہا کہ) اور ہمارا اجماع ہے کہ فعل عرض ہے، عرض دو زمانوں تک باقی نہیں رہتا تو جب پایا جائے گا تو ایک لطیف سی ساعت اور ایک لحظہ میں مٹ جائے گا اور بندہ جب کسی خیر و شر، اچھے یا بُرے کام میں مشغول ہوتا ہے تو اسی لحظہ میں قدرت پیدا ہوتی ہے تو اس کے لیے ناممکن ہے کہ

Marfat.com

قدرت کو دوسری طرف پھیر دے اور قدرت کو دوسرے امر کی طرف پھیرنا باقی نہیں رہتا۔

اور اس لیے کہ اقوی الاحوال وہ اختیار ہے' جو اسے اعمال پر حاصل ہوتا ہے اور اختیار ہوتا ہے ضمیر وخطرہ سے اور بندہ کو خطرہ کے پیدا کرنے اور منع کرنے پر قدرت نہیں ہے کیونکہ خطرہ بندے کے عمل دخل کے بغیر پیدا ہوتا ہے (بندے کا اس خطرہ کی ایجاد یا عدم ایجاد میں کوئی رول یا کردار نہیں ہوتا) تو یہ لامحالہ جبر کو واجب کرتا ہے اور جب یہ اختیار وخطرہ میں صحیح ہے تو تمام احوال میں صحیح ہے۔

جوابات

جبریہ کے اس آیت ''وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا بَيْنَ النِّسَآءِ'' سے قائم کردہ استدلال کا جواب یہ ہے کہ عدل عورتوں میں قوت وفعل سے نہیں بلکہ نفقہ سے ہے اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ بندہ عورتوں کے درمیان عدل کرنے میں کبھی تو انفاقِ مال سے استطاعت رکھتا ہے اور کبھی طاقت نہیں رکھتا تو لازم نہیں۔

دوسری دلیل کا جواب

اور ''لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ'' سے کیے گئے استدلال کا جواب دیتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ اس (امر) سے مراد فعل نہیں بلکہ حکم مراد ہے یا جزاء مراد ہے۔ دلیل یہ ہے کہ فرمایا: ''اَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ'' (آل عمران: ۱۲۸) یا انہیں توبہ کی توفیق دے یا انہیں عذاب دے۔ یعنی بدلہ دینا آپ کے اختیار میں نہیں اور تعذیب ومکافات (سزا وغیرہ) بھی آپ کے اختیار میں نہیں اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفاتِ خصوصیہ میں سے ہے۔ کسی بندے بشر کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے اختیار سے کسی کو عذاب دے یا اس کی بخشش کر دے۔

تیسری دلیل کا جواب

اور ان کا یہ کہنا کہ فعل عرض ہے' دو زمانوں تک باقی نہیں رہتا' ہم کہتے ہیں کہ بے شک بجا ہے کہ فعل عرض ہے' دو زمانوں تک باقی نہیں رہتا' ہر لحظہ پیدا ہوتا رہتا ہے اور بندہ کو ہر لحظہ اختیار ہے' جس طرف چاہے قدرت کو صرف کرلے' قدرت دونوں کی صلاحیت رکھتی ہے۔

Marfat.com

پھر ظہور قدرت علی الشر' بہ سبب عادت اور اللہ تعالیٰ کے بندہ کو رسوا کرنے کے سبب ہے' اس نے قدرت کو شر کی طرف پھیرا' یہ واجب نہیں کرتا کہ اس کے حق میں عذر و جواز کو اس لیے کہ فعل سے قبل نہی وارد ہو چکی ہے اور عند الفعل اختیار موجود ہے اور وہ اپنے آپ کو اس فعل بد سے روکنے پر قدرت رکھتا ہے' جیسے اس کے کرنے پر قدرت رکھتا ہے تو اس کو کوئی عذر نہیں اور منع پر اور لانے پر کوئی منت نہیں' اس کی دلیل یہ ہے: ''فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ'' (الزلزال: ۷۔۸) پس جو ذرہ برابر بھلائی کرے وہ اسے دیکھ لے گا اور جو ذرہ برابر برائی کرے اسے بھی دیکھ لے گا۔

اور اس کا یہ کہنا کہ اختیار خطرہ سے ہوتا ہے اور خطرہ اس کا فعل نہیں تو جب اس کے دل میں اس بات کا خطرہ (کھٹکا) پیدا ہوا تو دوسرا خطرہ لانا ناممکن ہے تو ہم نے کہا کہ ہاں! تمام خطرات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں بغیر مباشرت عبد کے' مگر اللہ تعالیٰ نے کبھی تو اشیاء کو پیدا کیا بنفسہٖ' بلاواسطہ اور کبھی پیدا کیا بواسطہ اور واسطہ جائز ہے کہ فرشتہ ہو یا واسطہ شیطان ہو اور جائز ہے کہ طبیعت اس پر غالب آ جائے تو ہر خیر و طاعت' ضمیر و خطرہ و اختیار سے ہے۔

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو بلاواسطہ یا بواسطہ ملک (فرشتہ) اور ہر شر و قبائح بواسطۂ شیطان پیدا فرماتا ہے' اس لیے کہ شیطان وسوسہ ڈالتا ہے اور اللہ تعالیٰ پیدا فرماتا ہے' پھر خطرہ اولیٰ اور اس کے مثل مقتضی ہیں' خیر کو اس لیے کہ یہ افعالِ عبد سے نہیں اور نہ اس کے اختیار و مباشرت سے تو ثواب و عقاب کا موجب نہیں جیسا کہ یہ ثابت ہے' اس لیے کہ بندے کے دل میں خیر و شر کا خطرہ پیدا ہوتا ہے' پھر اسی ساعت اس کے مناقض خطرہ پیدا ہوتا ہے۔ پس خطرہ اور ضمیر پر تمسک بھی کار بند رہنا اور اس شئی کا اختیار کرنا عزیمت و قصد ہے اور یہ بندے کے اس فعل کو پسند کرنے اور ثابت کرنے سے ہوتا ہے تو جب کسی پر تمسک کیا اور اس کو اختیار کیا تو فعل حاصل ہوا اور ثابت و اختیار بندہ کی جانب سے ہے تو یہ ثواب و عقاب کا موجب ہے اور حد جبر سے خروج اس کے فعل اور اختیار کے سبب سے ہے۔ پس خطرہ اولیٰ سے احتراز ممکن نہیں ہے' سو تمسک سے احتراز ممکن ہے۔

Marfat.com

دسواں باب
تکلیف وطاقت کا بیان

اس میں سات قول ہیں۔

پہلا قول
تکلیف اور طاقت کا بیان

جاننا چاہیے کہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک تکلیف مالا یطاق جائز نہیں ہے اور معتزلہ' جہمیہ اور متقشفہ نے کہا کہ جائز ہے اور اس آیت سے استدلال کرتے ہیں: ''وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ '' (النساء:۱۲۹) اور تم ہرگز طاقت نہیں رکھ سکو گے کہ عورتوں میں انصاف کرو۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ ان میں عورتوں کے درمیان عدل کرنے کی استطاعت نہیں اور پھر عدل کا حکم دیا کہ فرمایا: ''اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ '' (النحل:۹۰) بے شک اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

اور فرمایا: ''اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ '' (آل عمران:۱۰۲) اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ پھر اس آیت سے کہ ''فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ '' (التغابن:۱۶) پس اللہ تعالیٰ سے حسب طاقت ڈرو' سے آیت مذکورۃ الصدر' کا حکم منسوخ فرما دیا تو نسخ سے قبل اس کو طاقت و وسعت نہ تھی۔

اور اللہ تعالیٰ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے خبر دیتا ہے: ''وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا '' (البقرہ:۲۸۶) اور ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہم میں طاقت نہیں۔ تو اگر تکلیف مالا یطاق جائز نہ ہوتی تو نبی کریم ﷺ ایسی دعا نہ کرتے اور جب دعا کی تو ثابت ہوا کہ جائز

Marfat.com

ہے۔

اور حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''من صور صورة كلفه الله تعالىٰ بان ينفخ فيه الروح وليس بنافخ ''یعنی جس نے ذی روح کی صورت بنائی' اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کو تکلیف دے گا کہ اس میں جان ڈالو اور (حالانکہ) وہ جان نہ ڈال سکے گا۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اَنْبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ''(البقرہ:۳۱) مجھے ان چیزوں کے ناموں کی خبر دو اگر تم سچے ہو' اور وہ عاجز تھے' تو ثابت ہوا کہ تکلیف مالایطاق جائز ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''اِئْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ''(فصلت:۱۱) کہ دونوں حاضر ہو خوشی سے یا ناخوشی سے۔ معدوم کو خطاب فرمایا اور معدوم میں طاقت نہیں۔ تو ان دلائل سے ثابت ہوا کہ تکلیف مالایطاق جائز ہے۔

اہل سنت و جماعت کی طرف سے جوابات

''وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا '' کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد استطاعت از روئے قوت نہیں بلکہ عورتوں پر مال خرچ کرنا اور عادت کے مطابق معروف طریق سے ان کے اُمورِ زندگی کا خیال رکھنا اور ان کی بہتری اور بہبود کے لیے مقدور بھر کوشش کرنا ہے۔

پھر ہم کہتے ہیں کہ مرد کے لیے ناممکنات میں سے ہے کہ عورتوں میں وہ عادتاً موافقت و مصالحت قائم رکھ سکے۔ لیکن استطاعت و قوت کے پہلو سے دیکھا جائے تو ایسا ممکن ہے۔

دوسری آیت کا جواب کہ فرمایا: ''اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ''(النحل:۹۰) اس سے مراد عدل ہے جو جور (ظلم) کی ضد ہے اور سیدھی سی بات ہے کہ اس پر استطاعت ثابت ہے۔

تیسری آیت کا جواب

''فَاتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ ''(آل عمران:۱۰۲) یہ بھی 'تکلیف علی الطاقة '' تھی' اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے تو یہ خطاب انبیاء کرام اور اولیاء اللہ کو ہے۔ اور ''فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ''(التغابن:۱۶) یہ خطاب عام لوگوں کو ہے اور تکلیف مالایطاق نہیں بلکہ تکلیف علیٰ مایطاق ہے (لہٰذا معتزلہ وغیرہ

Marfat.com

کا کہنا درست نہیں کہ تکلیف مالا یطاق جائز ہے کیونکہ یہ تکلیف مالا یطاق ہے ہی نہیں بلکہ تکلیف مایطاق ہے اور نیز یہ کہ آیت منسوخ بھی نہیں ہے) اور اس میں اور اُس میں کوئی فرق نہیں اور اس آیت کا جواب کہ ''رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا'' (البقرہ:۲۸۶) سے مراد دوام ہے، جیسا کہ امم سابقہ پر محنت شاقہ تھی اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی تکلیف علی ما لایطاق نہیں دی تھی لیکن تعسّر و دشواری تھی تو نبی کریم ﷺ نے ہمارے لیے تخفیف اور آسانی و سہولت کی دعا فرمائی تو اعتراض لازم نہیں آتا۔

اور حضور ﷺ کا ارشاد ''من صور صورة'' میں اللہ تعالیٰ نے نفخ روح (جان ڈالنے) کی تکلیف نہیں دی کہ ان میں روح پھونکو بلکہ ان کے عجز کا اظہار کیا ہے اور ان کو عاجز ٹھہرایا کہ تم روح نہیں ڈال سکو گے اور بوجۂ تصویر سازی ان کو عذاب دیا جائے گا اور یہ بھی آخرت میں ہوگا، دنیا میں نہیں اور آخرت دار التکلیف نہیں وہ تو دار الجزاء ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو عاجز قرار دیا، پھر ان کو تصویر سازی کی سزا دی جائے گی جو دنیا میں تصویر کھینچتے تھے۔

دلیل کا جواب

اور ''اَنْبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ'' سے تکلیف مراد نہیں، اس لیے کہ تکلیف موجب عقاب ہے اور یہاں اس کے برخلاف ہے بلکہ مقصود اظہار عجز ہے۔

دلیل کا جواب

اور ''اِئْتِیَا طَوْعًا وَّ کَرْهًا'' والی دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ خطاب نہیں ہے، اس لیے کہ ہمارے (اہل سنت) کے نزدیک معدوم کو خطاب نہیں کیا جاتا بلکہ یہ ایجاد و انشاء سے خبر دینا ہے اور حدوث کی اطلاع بہم پہنچانا ہے اور لفظ خطاب سے اعلان مراد لیا تو اعتراض لازم نہ آیا۔ دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا'' (البقرہ:۲۸۶) یعنی بغیر طاقت اللہ تکلیف نہیں دیتا اور اسی طرح ارشاد فرمایا کہ ''فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ'' (التغابن:۱۶) استطاعت اور ہمت و طاقت کے مطابق خدا سے ڈرتے رہو۔

اور نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں پر وہ بوجھ رکھا ہے جس کی وہ طاقت رکھتے ہیں اور جس کی وہ طاقت نہیں رکھتے، اللہ تعالیٰ نے ان پر (وہ بوجھ) نہیں رکھا۔

Marfat.com

نیز حضور اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ جس سے طاقت سلب کر لی گئی اس سے اطاعت اٹھالی گئی ہے اور اس لیے کہ تکلیف دینے کی غرض مکلّف بہ (جس چیز کی تکلیف دی گئی ہے) کا وجود میں لانا ہے اور جب مکلّف میں طاقت ہی نہیں تو پھر تکلیف دینے میں کچھ فائدہ نہیں اور حکیم کا فعل حکمت سے خالی نہیں تو جب فائدہ پایا جائے گا اور وہ طاقت ہے اس فعل کے کرنے کی تو تکلیف دی جائے گی ورنہ نہیں۔

تکلیف کی قسمیں

تکلیف دو قسم پر ہے:

(۱) تکلیف الزام وایجاب (۲) تکلیف اتیان ووجود[1]

اور مکلّف بہ بھی چند وجوہ پر ہیں

(۱) بعض وہ ہیں جو مالا یطاق (۲) اور بعض وہ ہیں مالا یطیق (۳) اور بعض وہ ہیں جو مالا یمکن (۴) اور بعض وہ ہیں جو محال ہیں (۵) اور بعض وہ ہیں جو لا یجوز کے زمرے میں آتے ہیں۔

اجمال کی تفصیل

اس اجمال کا بیان یہ ہے کہ تکلیف مالا یطاق یہ ہے کہ وہ شئی مکلفین کی طاقت سے باہر ہو جب کہ مکلّف ایک جنس کے ہوں، عادتاً تحت قدرت نہ ہو، لیکن جائز ہے، دوسری جنت کی

---

[1] حضرت مصنف نے آئندہ روزے اور حج کی مثال دی ہے، اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ تکلیف اتیان کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کو ایک کام کرنے کا حکم یا جائے اور مقصد یہ ہو کہ وہ شخص یہ کام کرے، اب اگر اس میں کام کرنے کی طاقت نہیں ہے تو اسے حکم دینا بے فائدہ ہے اور تکلیف وجوب کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کے ذمہ ایک کام واجب اور لازم کر دیا جائے، پھر اگر وہ طاقت نہیں رکھتا تو وہ اس کا متبادل پیش کر دے گا، مثلاً شیخ فانی کے ذمہ روزہ، حج واجب ہے، وہ طاقت نہیں رکھتا تو روزے کی جگہ فدیہ دے دے اور حج کے لیے کسی شخص کی خدمت حاصل کرے۔

یہ حضرت مصنف کے زمانے کے اعتبار سے گفتگو ہے، ورنہ آج تو ہوائی جہاز اور خلائی راکٹ کے ذریعے انسان کے سفر کی رفتار بہت تیز ہوگئی ہے۔

Marfat.com

قدرت کے نیچے عادتاً داخل ہو جیسے ملائکہ اور جن اس لیے کہ پانی پر چلنا اور ہوا میں اڑنا' دور دراز کے مصر (شہر) سے مکہ مکرمہ تک اور خراسان سے ہندوستان تک ایک دن میں جانا عادتاً آدمیوں میں اس کی طاقت نہیں' لیکن خلافِ عادت اور نقض عادت تو وہ حجت نہیں' اس لیے کہ وہ شاذ و نادر ہوتی ہے یا کرامت و معجزہ سے ہوتی ہے۔ پھر اس کی طاقت فرشتے' جن اور شیاطین رکھتے ہیں۔

پس آدمی کو پانی پر چلنا یا ہوا میں اڑنے کی تکلیف دینا جائز نہیں' اس لیے کہ یہ شخص یا اس کا ہم جنس عادتاً قادر نہیں تو تکلیف دینے کا فائدہ نہ ہوگا' کسی وجہ سے تکلیف دینا جائز نہیں نہ ایجاب والزام کی جہت سے اور نہ ہی اتیان و وجود کے پہلو سے تکلیف دینا جائز ہے۔

یہ ایسے ہی ہے جیسے ہم کہیں کہ مریض اور شیخ فانی (انتہائی کمزور بوڑھا) روزہ رکھنے اور حج کے لیے مکہ معظمہ تک چلنے کی طاقت نہیں رکھتے' لیکن خطاب ایجاب والزام ان کی طرف بھی متوجہ ہوگا یہاں تک کہ ان پر روزہ اور حج واجب ہے اور ادا کرنے کی تکلیف نہیں دی جائے گی' محض اس توہم کے باعث کہ کہیں ہلاکت کا شکار نہ ہو جائیں۔

مالا یمکن (ناممکن) سے مراد؟

مالا یمکن یہ ہے کہ اس کا وجود اللہ تعالیٰ کی قدرت سے دنیا میں متصور ہے' لیکن انسانی عادت سے عادۃً خارج ہے' جیسے آدمی کا اڑنا اور انشقاق قمر (چاند کے ٹکڑے کرنا) اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہوسکتا ہے لیکن مخلوق کی قدرت سے خارج ہے۔

اور ایسے ہی تکلیف علی ما یستحیل وہ یہ ہے کہ اس کا وجود من کل الوجوہ محال ہو۔ طعام کے وجود کے بغیر طعمہ (ذائقہ) کا پایا جانا اور جوہر کے وجود کے بغیر عرض کا پایا جانا محال ہے' ایسے ہی اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کے لیے اثبات محال ہے تو بہرحال تکلیف اور ان دونوں معنیٰ کے لحاظ سے جائز نہیں۔

اور تکلیف مالا یجوز وہ تکلیف دینا ہے معصیت پر کہ یہ شخص کر سکتا ہے اور اس کا وجود متصور ہوسکتا ہے' لیکن شریعت میں ممنوع اور منہی عنہ ہے تو اس کی تکلیف جائز نہیں' خواہ وہ ایجاب والزام کی جہت سے ہو اور چاہے اتیان و وجود کے پہلو سے' کسی طرح سے جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ اگر معصیت کا ارتکاب کیا تو ممنوع نہیں ہے اور نہ مکلّف ہوگا' بتکلیف

Marfat.com

استطاعت اس معصیت کے وقت بغیر تکلیف وتسلیط کے تو بمقتضائے حکمت جائز ہے باوجود ان دونوں سے نہی وارد ہونے کے۔

دوسرا قول

زجر وامتناع (ڈانٹنے اور منع کرنے) کا بیان

جاننا چاہیے کہ زجر وتحریم اور منع درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی تحریم کو واجب کرتا ہے اور جو مباح قرار دے اور بلا عذر اور بغیر شبہ کے حلال جانے' وہ کافر ہو جائے گا۔

روافض اور جہمیہ کہتے ہیں: ''تحریم'' کراہت کے معنیٰ میں ہے اور زجر وحرمت کے معنیٰ میں ہے۔

اور بعض نے کہا کہ جو چیز عین نص سے ثابت ہوگی تو وہ تحریم کی موجب ہے اور اس کے علاوہ دلالت' اشارت' تاویل اور مقتضیٰ وقیاس سے جو ثابت ہوں گی وہ تحریم کو واجب نہیں کریں گی۔ اسی معنیٰ کے لحاظ سے انہوں نے کہا کہ خمر (شراب) اور لواطت (بدفعلی) اور متعہ حلال ہے اور گانا بجانا' رقص وسرود اور شعر وشاعری حلال ہیں' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صریحاً حرام نہیں فرمایا' کیونکہ قرآن پاک میں ''اجتنبوا'' ہے اور اجتناب کراہت پر دلالت کرتا ہے اور ایسے ہی لواطت (غیر فطری فعل) کو منکر کے نام سے بیان فرمایا۔

جواب: یہ ہے کہ خمر (شراب) کے حرام ہونے کی دلیل یہ ہے: ''اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ ..... رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ'' (المائدہ:۹۰) بے شک شراب اور جوا..... پلید ہیں اور شیطان کا عمل ہے۔ عملِ شیطان حرام ہے اور ہر ''رجس'' حرام ہوتا ہے اس دلیل سے کہ فرمایا: ''وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ'' (الاعراف:۱۵۷) اور وہ ان پر ناپاک چیزیں حرام فرماتا ہے۔

اور ''فاجتنبوا'' امر ہے اجتناب کے لیے اور اجتناب محض قبیح باتوں سے ہوتا ہے

Marfat.com

اور فرمایا: ''فِیْهِمَا اِثْمٌ کَبِیْرٌ'' (البقرہ:۲۱۹) ان دونوں میں بڑا گناہ ہے۔ اور ''اثم'' (گناہ) اور محرمات (حرام شدہ) میں ہوتا ہے' تو ثابت ہوا کہ حرام قطعی ہے' جو حلال جانے وہ کافر ہو جائے گا اور حضورِ اقدس نے فرمایا: شراب بعینہٖ حرام کی گئی ہے تھوڑی ہو یا زیادہ اور ہر نشہ آور شراب حرام ہے' حضور اقدس نے فرمایا: ''کل مسکر حرام و کل خمر حرام'' ہر نشہ آور حرام اور ہر خمر حرام ہے۔

اور ایسے ہی لواطت (بدفعلی) حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ'' (الاعراف:۸۰) کیا تم وہ برائی کرتے ہو جو تم سے پہلے کسی نے نہ کی۔ اس کا نام فاحشہ رکھا پھر خبر دی کہ فواحش (بے حیائی کے کام) حرام ہیں' دلیل یہ ہے: ''قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ'' (الاعراف:۳۳) آپ فرما دیجئے کہ میرے رب نے فواحش (بے حیائی کے کاموں) کو حرام کیا' جو ظاہر ہیں اور جو باطن ہیں۔

لعنتی کون؟

اور نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ فرمایا: جو شخص ماں اور بیٹی کو نکاح اور ملک یمین میں جمع کرے وہ ملعون اور جو کسی کے زمین کے نشانات مٹائے وہ ملعون ہے' جو جانور سے بدفعلی کرے وہ ملعون ہے اور جو قومِ لوط کا عمل کرے وہ ملعون (لعنتی) ہے۔

لواطت کی حرمت اور سزا

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: فاعل اور مفعول بہ (بدفعلی کرنے والا اور بدفعلی کروانے والے) دونوں کو قتل کر دو۔ ثابت ہوا کہ لواطت (غیر فطری کام) حرام ہے اور جو حلال سمجھے کافر ہے۔

متعہ کی حرمت اور اس کا حکم

متعہ پہلے مباح تھا' پھر خیبر میں گدھا اور ''متعہ'' حرام کر دیئے گئے اور ان کے منسوخ ہونے پر امت کا اجماع ہے اور جو متعہ کو حلال جانے کافر ہے۔

Marfat.com

ناچ گانے کا شرعی حکم

لہو ولعب (کھیل کود)، رقص و سرور اور شعر و شاعری کو مباح سمجھنے والا فاسق ہے کافر نہیں۔ اس لیے کہ اس کی حرمت خبر آحاد سے ثابت ہے اور جو نہی نص یا دلالت النص اور خبر متواتر یا اجماعِ امت سے وارد ہو تو وہ لامحالہ موجبِ حرمت ہے اور اس کے وارد ہونے سے سابقہ احکام منسوخ ہوں گے اور جو اس کا منکر ہو وہ کافر ہے۔

خبر واحد اور قیاس کا حکم

اور جو خبر واحد اور قیاس کے حجت ہونے کا انکار کرے کافر ہے اور اگر یوں کہے کہ یہ خبر غیر صحیح ہے یا یہ قیاس غیر ثابت ہے تو کافر تو نہ ہوگا فاسق ہے اور اگر کوئی حکم قیاس سے یا خبر واحد سے ثابت ہو اور امت متفقہ طور پر اجماع کرے اور کوئی اختلاف نہ کرے تو یہ اجماع ہو گیا، جو اجماع کا انکار کرے تو کافر ہو جائے گا۔

تیسرا قول

حدود و کفارات کا بیان

[stamp]

اہل سنت و جماعت فرماتے ہیں کہ حدود و کفارات تطہیر ہے (اس سے گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے) اور اس کے عمل کی جزاء ہے اور اس کے کرتوتوں کا کفارہ ہے، اسی طرح جب بندہ کو تکلیف اور رنج و آلام پہنچتے ہیں تو وہ گناہوں کا کفارہ ہو جاتے ہیں یا کثرتِ ثواب ترقیٔ درجات کا باعث ہوتے ہیں۔

معتزلہ اور روافض نے انکار کیا، اس لیے کہ انہوں نے کہا کہ حدود و کفارات زجر و توبیخ کے لیے مشروع ہوئے ہیں کہ قبائح اور سیئات سے رُکیں، رنج و محن، آلام و مصائب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں، اس لیے کہ دنیا دارالجزاء اور ثواب کا گھر نہیں، وجوبِ ثواب کا سبب وہ اطاعت ہے اور ثواب آخرت میں ملے گا اور ایسے ہی تکفیر عقوبت سے ہوگی اور عقوبت آخرت میں ہوگی اور حدود و کفارات زجر و منع کے لیے مشروع ہیں اور اس کے علاوہ تکالیف اور مصائب و آلام وغیرہ خدا کی طرف سے نہیں۔

Marfat.com

اہل سنت و جماعت نے کہا: رنج ومحن، آلام وامراض سب کچھ خدا کی طرف سے ہوتے ہیں اور گناہوں کا کفارہ ہو جاتے ہیں اور اس کے عملوں کی جزاء اور انعام واجر ہے اور یہ بدل سے خالی نہیں، اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کو رنج ومحن، تکالیف ومصائب پہنچے ان کے حق نہیں، عقوبت نہیں تو ثابت ہوا کہ ثواب وترقی مدارج کے لیے ہیں اور آخرت میں اجر وثواب ملے گا اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عدل ہے لیکن حدود و کفارات جزاء عمل ہے اور گناہوں سے پاک ہونے کا ذریعہ ہے، دلیل یہ ہے: ''اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ'' (المائدہ:۳۸) چورمرد اور عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، یہ ان کے عمل کی جزاء ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبرت ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ یہ ان کے عملوں کی جزاء ہے۔

اور مروی ہے کہ ایک عورت حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی: یارسول اللہ ﷺ! میں نے زنا کیا ہے، مجھے پاک کر دیجئے۔ جب چار مرتبہ اس نے اقرارِ شرعی کیا تو آپ نے سنگساری کا حکم دے دیا اور یہ نہیں فرمایا کہ رجم گناہوں سے پاک کرنے والا نہیں ہے تو ثابت ہوا کہ حد مطہر الذنوب (گناہوں سے پاک کرنے والی) ہے۔

اور نیز حضور ﷺ نے فرمایا: تلوار گناہ مٹانے والی ہے۔

اور فرمایا حضور ﷺ نے: جب کبھی مؤمن کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ لقمہ اس کے منہ میں پھنس جائے اور ایک روایت میں ہے کہ کانٹا چبھے۔

اور فرمایا: ''الموت کفارة'' موت کفارہ ہے۔ حضور انور ﷺ کا ارشاد ہے کہ موت ہر مسلمان کے لیے کفارہ ہے، تو ثابت ہوا کہ حدود و کفارات گناہوں کا کفارہ ہیں اور ثواب و جزاء کا موجب ہیں۔

چوتھا قول

توبہ اور استعاذہ کا بیان

اہل سنت و جماعت فرماتے ہیں کہ بندے کی توبہ ہر گناہ سے جو اس سے سرزد ہوا ہو،

Marfat.com

چاہے جان کر یا بھول کر قبول ہوتی ہے اور دعا' صدقہ اور استعاذہ (پناہ مانگنا) دنیا میں نفع مند ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ توبہ ہر گناہ کے لیے شرط ہے اور گناہ کو یاد کیے بغیر توبہ کرنا صحیح نہیں۔

اور بعض نے کہا کہ تمام گناہوں سے توبہ کرنا شرط ہے' تب اس کی توبہ صحیح ہوگی۔

معتزلہ کے نزدیک توبہ کا مفہوم

معتزلہ کہتے ہیں کہ توبہ یہی ہے کہ اللہ عزوجل پر ایمان لائے' اس لیے کہ ان کے نزدیک توبہ گناہ کبیرہ سے ہے اور بندہ ارتکابِ کبیرہ سے ایمان سے نکل جاتا ہے تو اس کی توبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے۔

دعا وصدقہ وغیرہ دنیا میں بے سود ہیں؟

معتزلہ کہتے ہیں کہ دعا' صدقہ اور استعاذہ دنیا میں نفع نہیں دیتے' اس لیے کہ دعا و صدقہ اگر کسی خیر کے لیے کیے ہیں تو خیر قضاء الٰہی سے ہوتی ہے تو اگر خیر کا سوال کیا تو یہ اللہ کی قضاء کے موافق ہوگی' سوال کرے یا نہ کرے خیر تو بقضاء اللہ ہوتی ہی ہے اور اگر وہ دعا موافق قضاء نہیں تو وہ دعا نفع نہ دے گی اور قضاء الٰہی کو نہیں بدلے گی۔

اور اگر دعا واستعاذہ شر سے ہے تو یہ اللہ کی طرف سے نہیں بلکہ شر سب بندہ کی طرف سے ہے اور بندہ ایک پہلو سے صاحب استطاعت بنایا گیا ہے تو یہ جہد و تقصیر کوشش اور کوتاہی بندے کی طرف سے ہے۔

صدقہ وخیرات کے متعلق معتزلہ کا مسلک

معتزلہ کے نزدیک زندوں کی طرف سے دیئے گئے صدقات وخیرات کا مُردوں کو کوئی نفع نہیں پہنچتا۔ معتزلہ دلیل دیتے ہیں کہ "کل نفس مرھونۃ بما کسبت" "ہر جان اپنے اعمال کی مرہون اور پابند ہے' جیسا کمائے گی ویسا پائے گی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ" "تو قیامت میں جو کام کیا ہے' اس کا بدلا دیا جائے گا اور غیر نے جو کام کیا ہے اس کا بدلہ اس کو نہیں ملے گا[1]۔

---

[1] تو دعا' خیرات وصدقات دوسرے کا عمل ہے' لہٰذا غیر کے عمل کا اس کو نفع نہیں پہنچتا۔

۱۲ سیدی ابوالبرکات

Marfat.com

اور اسی طرح ''لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ''نہیں کوئی نیکی کی توفیق اور برائی سے بچنے کی طاقت سوائے اللہ تعالیٰ بلند و برتر کے' کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ لوگوں کے منہ میں شیطان نے ڈال دیا ہے اور یہ کفر ہے' اس لیے کہ جو شخص ''حول و قوت'' کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں سمجھتا' وہ کافر ہے۔

''لاحول ولا قوۃ'' کی زبانِ رسالت سے تفسیر

اور نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ ''لا حول ولا قوۃ'' کی تفسیر دریافت کی تو فرمایا: ''لا عصمۃ من معصیۃ الا بعصمۃ اللہ'' کہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت وعصمت کے بغیر کوئی معصیت سے محفوظ نہیں رہ سکتا' اور طاعت وعبادت کی قدرت اللہ تعالیٰ کی اعانت وامداد کے بغیر نہیں ہو سکتی۔

مسئلہ قدر اور امام زفر

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کا تذکرہ کیا گیا کہ وہ ''قدر'' کی طرف مائل ہیں۔ اتنے میں امام زفر مسجد میں داخل ہوئے اور فرمایا: ''لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ''نہیں کوئی نیکی کی توفیق اور برائی سے بچنے کی طاقت سوائے اللہ تعالیٰ بلند و برتر کے' تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ زفر قدرؔ کو دیکھتا ہے (یعنی ان کا عقیدہ قدر کے بارے میں درست ہے' وہ مانتا ہے)۔

اہل سنت وجماعت کی حجت ودلیل اس مسئلہ میں کہ ایک توبہ تمام گناہوں کے لیے کافی ہے۔ جان بوجھ کر دانستہ طور پر کیے ہوں یا بھول کر سب کے لیے ایک ہی توبہ کافی ہے۔

ایک توبہ سب گناہوں کے لیے کافی ہے

ہر ایک گناہ کے لیے علیحدہ علیحدہ توبہ کرنا شرط نہیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تُوبُوْا اِلَی اللّٰہِ جَمِیْعًا'' (المؤمنون: ۳۱) توبہ کرو اللہ تعالیٰ سے سب کے سب اور یہ نہیں فرمایا: جدا جدا گناہوں کی توبہ کرو۔ ایک دوسری جگہ اللہ جل مجدہٗ نے فرمایا: ''ثُمَّ تُوبُوْا اِلَیْہِ'' (ھود: ۵۲) اس کی طرف رجوع کرو۔ نیز فرمایا: ''غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ'' (الغافر: ۳) گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا۔ توبہ کا مطلقاً حکم فرمایا اور یہ شرط نہیں کہ تمام گناہوں کو یاد کر کے توبہ

Marfat.com

کرو۔

توبہ کی خوبصورت اور جامع تفسیر

حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا: ''الندم توبة'' پشیمان ہونا توبہ ہے اور یہاں بھی گناہوں کی تفصیل کی شرط نہیں تو صحیح یہی ہے[1]۔

دعا اور صدقہ کے دنیوی فوائد

دعا' استعاذہ اور صدقہ دنیا میں بھی نفع دیتے ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ سے مروی ہے:
''الدعا يرد البلاء'' دعا بلا کو رد کرتی ہے۔

''والصدقة تطفی غضب الرب'' صدقہ اللہ کے غضب کو بجھاتا ہے (ٹھنڈا کرتا ہے)۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ''لو لا المشائخ الركع والصبيان الرضع والبهائم الرتّع لصب عليكم العذاب صبا'' یعنی فرمایا: اگر بوڑھے عمر رسیدہ نمازی نہ ہوتے' شیر خوار بچے نہ ہوتے اور چرنے والے چوپائے نہ ہوتے تو تم پر عذاب کی زوردار بارش ہوتی مگران کے طفیل تم بچے ہوئے ہو۔

زندوں کی دعا مُردوں کو نفع دیتی ہے

زندوں کی دعا اور صدقات مردوں کو نفع دیتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب عالم یا طالب علم کسی گاؤں سے گزرتا ہے تو اس بستی کے قبرستان سے اللہ تعالیٰ چالیس دن کے لیے عذاب دور فرما دیتا ہے۔

نیز حضور اکرم ﷺ نے دو قبروں پر کھجور کی ہری بھری تروتازہ شاخیں رکھیں اور فرمایا: جب تک یہ ٹہنیاں خشک نہ ہوں گی' اللہ تعالیٰ ان قبر والوں کے عذاب میں تخفیف فرما دے گا' ان کا عذاب ہلکا ہو جائے گا۔

حضور ﷺ نے عالمِ خواب میں مصنف ابوشکور سالمی کو تعلیم فرمائی

المہتدی ابوشکور سالمی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور پرنور سیّد عالم ﷺ

[1] کہ تمام گناہوں کے لیے ایک مرتبہ توبہ ہی کافی ہے' خواہ ایسے گناہ یاد ہوں یا بھول چکے ہوں۔

۱۲ سیدی ابوالبرکات

Marfat.com

کوخواب میں دیکھا کہ آپ ''حظیرہ مشبک'' میں جلوہ افروز ہیں اور کثرتِ نور اور وفورِ ضیاء کی وجہ سے میں (یعنی انوار وتجلیات کی فراوانی کی وجہ سے) صرف چہرۂ انور کو دیکھ پایا تو میں نے سنا: حضور پرنور ﷺ فرماتے ہیں کہ جس نے ہر جمعہ کو دو من (دو سیر) روٹی یا دو درہم صدقہ کیے (راوی کو شک ہے کہ روٹی فرمایا یا درہم' غالب گمان یہی ہے) تو اللہ تعالیٰ اس کے ماں باپ کو قبر میں عذاب نہیں دے گا۔ یہ دلیل ہے کہ عذابِ قبر حق ہے اور دلیل ہے کہ صدقات اور زندوں کی دُعا مُردوں کو نفع دیتے ہیں۔ واللہ اعلم

پانچواں قول

سعادت وشقاوت کا بیان

اہل سنت وجماعت کے بعض فقہاء کرام نے فرمایا: شقی (بدبخت) سعید (نیک بخت) ہوسکتا ہے اور سعید' شقی ہوسکتا ہے۔ یہی قول حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔

اور بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ سعید (نیک بخت) شقی نہیں ہوسکتا اور شقی سعید نہیں ہوسکتا ہے اور یہ قول عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور مجاہد کا ہے۔ یہی اختلاف اجل (عمر) اور رزق کے متعلق ہے۔

بعض نے کہا: رزق اور اجل (مدتِ حیات) میں کمی وبیشی ہوسکتی ہے۔

اور بعض نے کہا: رزق اور عمر میں کم وبیش ہونے کا امکان نہیں ہے۔

حاصل اختلاف یہ ہے کہ زیادتی ونقصان (کمی) اور احکام میں تغیر عند الخلق ظاہر ہوتا ہے اور مخلوق کے علم میں' لیکن اللہ تعالیٰ کے علم میں اور اس کے نزدیک تغیر وتبدل نہیں ہوسکتا۔

رئس المفسرین محمد بن فضل نے فرمایا کہ لوحِ محفوظ میں یہ لکھا ہوا ہے کہ فلاں سعید ہے' اگر میں چاہوں اور فلاں شقی ہے اگر میں چاہوں۔

اور بعض فقہاء نے فرمایا کہ قضاء کی دو قسمیں ہیں۔

Marfat.com

تقدیر کی اقسام

قضاء معلق اور قضاء مبرم۔

قضاء مبرم میں تغیر و تبدل جائز نہیں، جیسے وحی، نبوت اور انبیاء کرام علیہم السلام کی سعادت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ'' (یونس:۶۴) اللہ تعالیٰ کے کلمات تبدیل نہیں ہوتے۔

اور قضاء معلق میں تغیر و تبدّل جائز ہے، جیسے مرض و شفاء، نیند، گفتگو اور تمام افعال و احوال عبادت کہ اس میں تغیر و تبدل جائز ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ'' (الرعد:۳۹) اللہ تعالیٰ جو چاہتا مٹاتا اور ثابت کرتا ہے۔ یہ چاروں مسائل حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک قضاء معلق سے ہیں اور عبداللہ بن عباس اور مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک قضاء مبرم میں داخل ہیں۔

خلیفۂ دوم حضرت امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنی دعا میں کہا: الٰہی اگر تو نے ام الکتاب میں مجھ کو شقی لکھا ہے تو اسم شقاوت مجھ سے مٹا دے اور مجھ کو سعید (نیک بخت) لکھ دے، اس لیے کہ تو نے فرمایا کہ جس کو چاہے، مٹائے اور جس کو چاہے ثابت رکھے۔

والدین سے نیکی کرنے اور تبلیغ دین کرنے سے تقدیر بدل جاتی ہے

فرمانِ رسول

اور حضرت شیر خدا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور پُرنور ﷺ سے دریافت کیا: ''يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَآءُ'' سے کیا مراد ہے؟ اور ''يثبت'' سے کیا مراد ہے؟ حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ شقاوت و بدبختی کو مٹا دیتا ہے، مثلاً ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے سے، صدقہ دینے سے اور بھلائی کا حکم کرنے سے اللہ تعالیٰ شقاوت کو مٹا دیتا ہے۔

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن عباس ومجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دلائل

حضرت ابن عباس اور مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی دلیل یہ حدیث ہے، عبداللہ بن مسعود نبی کریم ﷺ سے راوی ہیں، فرمایا: سعید (نیک بخت) وہ ہے جو ماں کے پیٹ میں سعید (نیک بخت) ہوا اور شقی (بدبخت) وہ ہے جو ماں کے پیٹ میں شقی ہوا۔ نیز حضور سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو ان کی ماں کے پیٹ میں مؤمن سعید نبی پیدا کیا اور فرعون کو اس کی ماں کے پیٹ میں شقی کافر پیدا کیا اور نیز حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا کیا اور اس کے لیے جنتی پیدا کیے اور دوزخ کو پیدا کیا اور اس کے لیے دوزخی پیدا کیے۔

ایک اجمال کا بیان

اور یہ جو ہم نے بیان کیا کہ زیادت ونقصان اور تغیر وتبدل بندوں کے نزدیک اور بندوں کے علم میں ہوتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور اس کے علم میں زیادت ونقصان اور تغیر وتبدل نہیں ہوتا تو اس اجمال کا بیان یہ ہے کہ ایک شخص دیوار کے نیچے بیٹھا یا مکان میں بیٹھا تھا اور دیوار یا مکان گرا اور یہ شخص دب کر مر گیا تو بندوں کے نزدیک اور بندوں کے علم میں تو یہ ہے کہ اگر یہ شخص دیوار یا مکان کے نیچے نہ بیٹھتا تو امید تھی کہ دیر تک زندہ رہتا یا کسی نے قصداً کسی انسان کو قتل کر دیا اور وہ قصاص میں قتل کیا گیا تو اگر وہ قتل نہ کرتا تو وہ قتل نہ کیا جاتا اور بظاہر وہ عرصۂ دراز تک زندہ رہتا اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ'' (البقرہ:۱۷۹) اے عقل مندو! تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے، تو یہ قضاء معلق کی صفت ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے علم میں زیادت ونقصان (زیادتی وکمی) تغیر وتبدل (تبدیلی) ممکن نہیں کیونکہ وہاں سہو ونسیان اور غلطی کا امکان ہی نہیں ہے اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کو جانتا ہے، جیسی وہ ہیں تو وہ جانتا ہے اس کی موت کا وقت اور اس کی کیفیت تو اپنے علم کے مطابق کرتا ہے۔

اور ایسی ہی رزق، سعادت وشقاوت اس لیے کہ ارادہ وقضاء علم کے مقتضیات میں سے ہیں تو جب اس کے علم میں ہے کہ فلاں شئی نے ہونا ہے، فلاں وقت میں، فلاں دن میں، فلاں کیفیت کے ساتھ اور اس کی مقدار یہ ہوگی تو وہ اپنے علم کے مطابق ارادہ کرتا ہے اور فیصلہ

Marfat.com

فرماتا ہے' اس لیے کہ اس کا ارادہ اور قضاء (فیصلہ) اس کے علم کے خلاف نہیں ہو سکتے۔

اور جس نے یہ کہا کہ سعید شقی اور شقی سعید ہو سکتا ہے تو وہ بندوں کے نزدیک اور ان کے علم میں اس لیے کہ کافر لامحالہ شقی ہے مگر جب وہ مسلمان ہو گیا تو ہم کہتے ہیں کہ وہ لامحالہ مسلمان و سعید ہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ پر موقوف ہے کہ انجام کیا ہوگا؟

اس لیے کہ ہم کسی مسلمان کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ قطعی جنتی ہے اور کافر کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ قطعی جہنمی ہے' اس لیے کہ ہمیں خاتمہ اور انجام کی خبر نہیں' مگر یہ کہیں گے: جو مسلمان مرا وہ جنت میں ہوگا اور جو کافر مرا وہ جہنم میں ہوگا۔

جبریہ کا مسلک

جبریوں نے کہا کہ مؤمن ایمان پر مجبور ہے اور کافر کفر پر مجبور ہے اور ابلیس جس وقت اسلام لایا اور خدا کی عبادت کی تو اس وقت بھی وہ کافر تھا اور ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جس وقت اسلام نہیں لائے تھے تب بھی وہ مسلمان تھے۔

دلیل یہ ہے: "هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ فَمِنكُمْ كَافِرٌ وَّمِنكُمْ مُّؤْمِنٌ" (التغابن:٢) وہ وہی ذات ہے جس نے تم کو پیدا کیا تو تم میں سے کوئی کافر ہے اور کوئی مسلمان' اور فرمایا: "ولا يلدوا الا فاجرا كفارا" (نوح:٢٧) اور وہ بدکار اور بڑی ناشکری اولاد جنیں گے۔

جبریہ کے ان آیات محولہ بالا سے استدلال کا جواب دیتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا' جب بھی کیا' اشخاص و اعیان کی صورت میں' ہم یہ نہیں کہتے کہ وہ مؤمن تھے یا کافر تھے' مگر انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں یہ کہیں گے کہ وہ مؤمن ہی پیدا ہوئے' پھر جو مخلوق میں سے ایمان لایا تو ان کے اعتقاد و اقرار کے ساتھ ایمان بھی پیدا کیا گیا اور ان میں سے جو کافر ہوا تو ان کے اعتقاد و عمل و قول کے ساتھ کفر بھی پیدا کیا گیا اور اگر ایک بھی کفر نہ کرتا تو اللہ تعالیٰ کفر کو پیدا نہ فرماتا۔

لیکن اللہ تعالیٰ کا فرمان "فَمِنكُمْ كَافِرٌ وَّمِنكُمْ مُّؤْمِنٌ" تو ہم کہتے ہیں کہ یہ آیت ہمارے لیے حجت ہے' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ" پھر فرمایا: "فَمِنكُمْ كَافِرٌ وَّمِنكُمْ مُّؤْمِنٌ يعنى منكم من يصير كافرا و منكم من يصير مؤمنا" یہ کہ اللہ نے فرمایا: وہ' وہ ذاتِ مقدس ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور پھر تم میں سے کچھ کافر ہو

Marfat.com

گئے اور تم میں سے کچھ مومن ہو گئے۔

اور ''وَلَا یَلِدُوْا اِلَّا فَاجِرًا کُفَّارًا'' کے معنیٰ بھی یہ ہیں کہ عنقریب فاجر و کفار ہو جائیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کافر ہی پیدا ہوں' اپنے ماں باپ کے تابع قرار دے کر حکماً انہیں کافر فرمایا۔

موت ایک ہے یا زیادہ؟

بعض معتزلہ کہتے ہیں کہ اجل ہے کیونکہ انسان قتل کیا جائے یا بغیر معالجہ کے مر جائے تو وہ بغیر اجل (موت) کے مرتا ہے۔

اہل سنت و جماعت فرماتے ہیں کہ جو شخص بغیر معالجہ کے مرتا ہے یا قتل ہو جاتا ہے' خواہ کسی بھی وجہ سے قتل کیا جائے یہی اس کی اجل (موت) ہے۔

دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ'' (الاعراف:۳۴) یعنی جب ان کی اجل (موت) آتی ہے تو نہ ایک ساعت آگے ہو نہ پیچھے ہو۔ نیز اللہ جل مجدہٗ فرماتا ہے: ''تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا یُفَرِّطُوْنَ'' (الانعام:۶۱) ہمارے فرشتوں نے اس کو وفات دی اور وہ روح قبض کرنے میں کوتاہی نہیں کرتے' اور فرمایا: اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ حقیقتاً جانتا ہے' اس کی اجل (موت) کو تو یہ محال ہے کہ اس کے خلاف ہو' پھر یہ بھی ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قضاء اس کے علم کے خلاف ہو جیسا کہ ہم کہہ آئے ہیں اور معتزلہ کہتے ہیں کہ بقضاء اللہ نہیں اور یہ کفر ہے۔

معتزلہ کی طرف سے اعتراضات اور ان کے جوابات

اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ'' (الانعام:۲) پھر ایک مدت کا فیصلہ فرمایا اور ایک مقررہ مدت اس کے ہاں ہے' اور اس لیے کہ اگر مقتول قتل نہ ہوتا تو آیا زندہ رہتا یا اسی وقت اچانک (طبعی موت) مر جاتا؟

ہم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ''ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا'' یعنی پیدا کیا جائے گا یہاں تک کہ مرے' اور ''اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ'' کے معنیٰ ہیں: جب بھی مرے یہاں تک کہ اٹھایا جائے اور ان کا یہ کہنا کہ مقتول اگر قتل نہیں کیا جاتا تو کیا وہ زندہ رہتا یا مر جاتا؟

ہم کہتے ہیں کہ اگر اللہ کے علم میں یہ ہے کہ اس کی اجل (موت) قتل سے ہے تو اس

Marfat.com

کے خلاف نہیں ہوسکتا اور اگر اللہ جانتا تھا کہ وہ قتل نہیں کیا جائے گا تو ایسا ہی ہوگا اور خلاف اس مسئلہ موت میں اور مسئلہ رزق میں برابر ہے۔

حرام کو رزق کہا جائے گا یا نہیں؟

معتزلہ کے نزدیک حرام رزق نہیں ہے اور حرام کا کھانا اللہ تعالیٰ کا رزق کھانا نہیں' اس لیے کہ حرام اللہ تعالیٰ کی قضاء سے نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف اور اس کی قضاء سے ہوتا تو ملک حلال ہونا چاہیے تھے اور حرام ملک نہیں تو رزق بھی نہ ہوا۔

اہل سنت و جماعت فرماتے ہیں: رزق تو غذا ہے اور غذا حلال ہو یا حرام دونوں برابر ہیں' غذا ہونے میں دونوں کا ایک حکم ہے۔

دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُم مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا'' (الزخرف:۳۲) ہم ان کی معیشت کو ان کی جیتی دنیا میں ان کے درمیان بانٹ دیتے ہیں' اور فرمایا: ''فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ'' (الذاریات:۲۳) پس قسم ہے آسمان و زمین کے رب کی! بے شک وہ حق ہے جیسے تم بولتے ہو' اور اگر رزق کے لیے ملک ہونا ضروری ہوتا تو حیوانات (جاندار)' بہائم (چارپائے)' طیور (پرندے) اللہ تعالیٰ کا رزق کھاتے ہیں حالانکہ وہ مالک نہیں ہیں نہ وہ ملکیت کے اہل ہی ہیں۔

اور جس نے کہا کہ حرام قضاءِ الٰہی سے نہیں ہے تو (اس شخص کے مذہب پر) پھر دوسرے قاضی کی حاجت ہوگی اور یہ (اللہ کے سوا کسی دوسرے کو تقدیر کا مالک ماننا) کفر ہے۔

مفروغیہ کا مذہب

اور بعض کہتے ہیں اور وہ مفروغیہ فرقہ ہے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قضاء سے ہے' طرفۃ العین کے برابر نہ زائد ہو نہ کم (یعنی اس میں ذرہ برابر کمی و بیشی ممکن نہیں) مگر اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کو پیدا کیا اور ان کے ظاہر و باطن سب چیزوں کا اندازہ کر دیا' یہاں تک کہ درختوں کے پھل پھول' قیامت تک جو ہونا تھا' وہ سب پیدا کر کے فارغ ہو گیا اور اب کچھ باقی نہیں ہے کہ پیدا کرے' اب وہ پیدا کرنے سے فارغ ہے اور قضاء وقدر سے بھی فارغ۔

دلیل یہ ہے کہ ''هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا'' (البقرہ:۲۹) یعنی وہ وہ ہے

Marfat.com

جس نے تمہارے لیے پیدا کیا جو آسمان و زمین میں ہے اکٹھا (یعنی سب کچھ ایک دم پیدا کر دیا)۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اشیاء کو ظہور سے قبل پیدا نہیں کیا' ہاں! جانتا اور ارادہ فرماتا ہے اور ہر چیز کی قضاء وقدر یعنی ان کا اندازہ اور فیصلہ فرماتا ہے اور ہر چیز کے لیے اس کی خوراک وروزی مقدر فرمادی اور پیدا کیا جب بھی پیدا کیا۔

دلیل یہ ہے کہ ''کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ'' (الرحمٰن:۲۹) ہر دن وہ کام میں ہے۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ سے دریافت کیا کہ ''کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ'' کے کیا معنیٰ ہے؟ اور حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا''۔ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اس کی شان یہ ہے کہ مقادیر کو مواقیت پر چلاتا ہے (یعنی جو کچھ جس وقت میں ہونا مقدر ہو چکا ہے' اس وقت میں اس کو پیدا فرماتا ہے)۔

''کل یوم هو فی شان'' کی دوسری تفسیر

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ الکریم سے پوچھا گیا: ''کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ'' کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: اس کی شان یہ ہے کہ نطفہ کو باپوں کی پشت سے ماؤں کے رحم میں پہنچاتا ہے' پھر اس کی صورت بناتا ہے' پھر ماں کے پیٹ سے اس کو نکالتا ہے' پھر اس کو دنیا سے نکال کر قیامت کے دن اٹھائے گا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ'' یعنی یمضیه لا فی شان یقضیه. تو ثابت ہوا کہ اللہ کی قضا اور اس کا حکم اور اس کی تقدیر اور اس کا شقاوت وسعادت کے بارے میں علم اور اسی طرح رزق' موت تمام اشیاء کا علم نہ متغیر ہو نہ کم وبیش ہو' یہ سب کچھ ہمارے ہاں ثابت ہے اور ہمارے علم میں ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ''المقدور کائن والهم فضل'' اور کہا گیا ہے: ''ان الهم من المقدور ایضا'' یعنی جو مقدور ہے وہ ہونے والا ہے اور قصد زائد ہے (اور کہا گیا ہے کہ قصد وتلاش معاش یہ بھی مقدور ہے)۔

پھر ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کو جانتا ہے ان کے اوقات میں اور اللہ تعالیٰ کافروں کو جانتا ہے ان کے کفر کے وقت کہ یہ کافر ہیں اور مؤمنوں کو جانتا ہے ان کے ایمان

Marfat.com

کے وقت مؤمن اور جانتا ہے اس سے قبل کہ مستقبل میں ایسا ہوگا' کافر کے کفر کو پہلے جانتا ہے کہ یہ فلاں وقت کفر کرے گا اور کافر کو کفر سے پہلے جانتا ہے کہ فلاں وقت ایمان لائے گا بلکہ ازل میں سب کو جانتا ہے کہ فلاں کافر اسلام لائے گا اور فلاں مسلمان کفر کرے گا' لیکن اللہ تعالیٰ جانتا ہے اس کے مسلمان ہونے کو' دوسرے حال میں اس کے اسلام کے وجود سے پہلے تو یہ اس کے کفر کو واجب نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ کا جاننا کہ یہ کافر ہوگا دوسرے وقت میں واجب نہیں کرتا' اس کے ایمان کے سلب کو فی الحال تو کافر کافر ہوگا' وقتِ کفر حقیقتاً اللہ کے نزدیک' فرشتوں کے نزدیک' انسانوں کے نزدیک یعنی سب کے نزدیک اور کافر جب اسلام لایا تو وہ سعید ہے انسانوں کے نزدیک اور مسلمان وقتِ اسلام مسلمان ہوگا حقیقتاً اللہ کے نزدیک' فرشتوں کے نزدیک' انسانوں کے نزدیک' تمام مخلوق کے نزدیک اور مسلمان جب کفر کرے گا شقی ہو جائے گا' یہ عند الناس حکم ہے مگر یہ امر خاتمہ پر موقوف ہے اور جو ہم نے ذکر کیا سعادت و شقاوت اس کی موقتہ ہے' مگر ہر شخص کا خاتمہ اور اس کا انجام علم الٰہی میں ہے جیسا کہ وہ جانتا ہے وہی ہوگا' اس کے خلاف ناممکن ہے اور حکم سعادت و شقاوت ہمارے نزدیک ثابت ہوں گے' بسبب الظاہر اور وہ اسلام و کفر ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک شقاوت و سعادت اس کے ارادہ اور علم سے ثابت ہوگی' تو ہم نے کہا کہ سعید شقی ہوسکتا ہے اور شقی سعید ہوسکتا ہے' بسبب ظاہر ہمارے نزدیک اور اللہ کے نزدک عند الخاتمہ جیسا وہ جانتا ہے۔

چھٹا قول

قضاء اور ادا کا بیان

اہل سنت و جماعت فرماتے ہیں کہ فرائض یعنی نماز' روزہ' زکوٰۃ وغیرہ جب اپنے وقت سے فوت ہو جائیں تو ان کی قضاء واجب ہے اور قضاء اسی فرض کی ہوگی جو فوت ہو گیا ہے اور فریضہ اس سے ساقط ہو جائے گا اور جس وقت اس کی قضاء کرے گا اور قضا سے بعینہ وہی حاصل ہوگا جو ادا سے حاصل ہوتا ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "من نام علی صلوٰۃ او نسیھا

فلیصلیھا اذا ذکرھا ''جو نماز کے وقت سو گیا یا ادا کرنا بھول گیا تو جب اس کو یاد آئے فوراً پڑھ لے۔ یہی اس کا وقت ہے اس کے غیر کا نہیں ہے اور ''فلیصلھا'' میں اس طرف اشارہ ہے کہ قضا بعینہا وہی عبادت ہے۔

معتزلہ کہتے ہیں کہ قضاء علیحدہ عبادت ہے اور حکمی طور پر اس کو اصل قرار دیا جاتا ہے' اس لیے کہ جو فرائض فوت ہو گئے ہیں وہ ساقط نہیں ہوئے اور اللہ تعالیٰ قضاء کے ساتھ ثواب عطا فرما دیتا ہے اور فرض فوت ہو گیا' اس کا عقاب دیا جائے گا۔

معتزلہ کی ایک بات کی تردید

اور معتزلہ کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ قضاء اصل (ادا) کا بدل نہیں' اس لیے کہ قضاء اصل کا بدل ہے۔ دلیل یہ ہے کہ فریضہ اپنے وقت میں ادا کر لیتا قضاء اس پر واجب اور اگر یہ (قضاء) علیحدہ حکم ہوتا تو دونوں حالتوں میں واجب ہوتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ قضاء اسی ہیئت اور صفت پر ہوتی ہے' جس ہیئت اور صفت پر فوت ہوئی اور اس پر واجب ہے کہ نیت کرے بعینہٖ فوت شدہ فریضہ کی' تو ثابت ہوا کہ قضاء فوت شدہ کا بدل ہے' نہ اس میں کمی ہوگی نہ زیادتی اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فجر کی نماز فوت ہوگئی تھی تو اسی صفت و ہیئت پر حضور ﷺ نے اس کی قضاء کی۔ ثابت ہوا کہ قضاء ادا سے بدل ہے۔

ساتواں قول
اس شخص کے متعلق جس نے عمداً (جان بوجھ کر) فرائض کو ترک کیا

جان بوجھ کر فرائض کو ترک کرنے والے کا کیا حکم ہے؟

حروریہ یعنی خارجیوں کا عقیدہ ہے کہ جس نے قصداً نماز کو ترک کیا یا کسی محظور و ممنوع کا ارتکاب کیا' خواہ صغیرہ گناہ ہو یا کبیرہ وہ کافر ہو جائے گا۔

Marfat.com

معتزلہ کیا کہتے ہیں؟

معتزلہ اس بات کے قائل ہیں کہ مرتکب کبیرہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے اور کفر میں داخل نہیں ہوتا۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں؟

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کی تکفیر تو نہیں کی جائے گی لیکن ایمان اس کا ناقص ہو گیا اور مباح الدم ہو گیا۔

احناف کا مؤقف

اہل سنت و جماعت اصحاب ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نہ وہ مباح الدم ہے اور نہ ایمان سے خارج ہوا اور نہ وہ کافر ہوا' مگر وہ مؤمن فاسق ہے۔

خوارج کی دلیل

خارجیوں نے یہ دلیل دی کہ

مَنۡ يَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيۡهَا. (النساء:۹۳)

کہ جس نے مؤمن کو قصداً قتل کیا تو اس کی جزاء جہنم ہے' ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

اس آیت میں خبر دی کہ وہ ''مخلد فی النار'' یعنی ہمیشہ آگ میں جلتا رہے گا اور کافر نہ ہوتا تو ہمیشہ دوزخ کی آگ میں نہ رہتا۔

جواب یہ ہے کہ یہ آیت اس شخص کے متعلق نازل ہوئی جو مؤمن تھا اور اس نے دوسرے مؤمن کو قصداً قتل کیا' پھر اسلام سے مرتد ہو گیا۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ خلود (ہمیشہ رہنے) سے مراد تابید (ابدی طور پر رہنا) نہیں ہے' بلکہ مکث طویل مراد ہے (یعنی طویل مدت تک)۔

اس کی دلیل یہ آیت ہے: ''اَفَاِنۡ مِّتَّ فَهُمُ الۡخٰلِدُوۡنَ'' (الانبیاء:۳۴) یعنی ''فهم باقون ببقاء الدنیا'' یعنی اگر آپ انتقال فرمائیں تو کیا یہ کفار ہمیشہ دنیا میں باقی رہیں گے؟ تو ثابت ہوا کہ خلود سے مراد مکث طویل (یعنی عرصۂ دراز تک رہنا) ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ جو مؤمن کے قتل کو حلال جانے وہ کافر ہے' ہمیشہ جہنم میں رہے گا'

Marfat.com

ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ آیت سے مراد یہی ہے اور اس کی دلیل کہ قاتل جب تک مؤمن کے قتل کو حلال نہ جانے کافر نہیں۔ یہ آیت ہے: ''یٰٓـاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ'' (البقرہ:۱۷۸) اے ایمان والو! تم پر قصاص فرض کیا گیا ہے' اس آیت میں قاتل کو ''مؤمن'' فرمایا' اگر مؤمن نہ ہوتا تو اس پر قصاص فرض نہ ہوتا۔

معتزلہ کا استدلال

معتزلہ اس آیت سے حجت قائم کرتے ہیں کہ ''اَفَمَنْ کَانَ مُؤْمِنًا کَمَنْ کَانَ فَاسِقًا لَا یَسْتَوٗنَ'' (السجدہ:۱۸) کیا جو مؤمن ہو فاسق کی طرح ہو سکتا ہے' وہ برابر نہیں ہو سکتے۔ اللہ جل مجدہٗ نے فاسق و مؤمن میں فصل (فرق) کر دیا کہ فاسق اور مؤمن دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ اس پر ہم سب کا اجماع ہے کہ وہ فاسق ہے' ہم نے یہ جانا کہ نہ وہ مؤمن ہے اور نہ وہ کافر۔ جواب یہ ہے کہ یہ آیتِ کریمہ ولید بن عقبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے' یہ شخص بڑا بولنے والا' حسین وخوبصورت اور قوی ہیکل تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے کہنے لگا کہ اگر آپ حسین وجمیل ہیں تو میں بھی صاحبِ حسن و جمال ہوں' اگر آپ کے پاس قوت ہے تو میرے پاس بھی قوت ہے' اگر آپ لسان یعنی زورِ خطابت اور فصاحت و بلاغت کے مالک ہیں تو میں بھی کچھ کم نہیں' منہ میں زبان رکھتا ہوں۔

حضرت مولیٰ علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: خاموش! تو کافر ہے تو یہ آیت کریمہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موافقت میں نازل ہوئی اور اس کا کہنا کہ یہ شخص فاسق تھا' ہم کہتے ہیں کہ ہر کافر فاسق ہے اور ہر فاسق کافر نہیں۔

اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ایمان سے خارج نہیں ہوا' اس لیے کہ معتزلہ کے نزدیک بھی کافر نہیں۔ پھر خروج من الایمان موجب کفر ہے کیونکہ جس نے ایمان کو ترک کیا یا ایمان کا انکار کیا یا اسلام سے نکل کر مرتد ہو گیا تو وہ لامحالہ کافر ہو گیا اور ہمارا اجماع ہے کہ کافر نہیں ہوگا تو ہم نے جان لیا کہ ایمان سے نہیں نکلا۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمانا کہ وہ مباح الدم ہے تو ہم کہتے ہیں: ایسی کوئی بات ثابت نہیں' اس بلا دلیل دعویٰ کی کچھ حیثیت نہیں ہے' اس لیے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ

Marfat.com

تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لا یباح دم واحد من اھل القبلۃ الالمعان ثلث الزنا بعد الاحصان والکفر بعد الایمان وقتل النفس بغیر حق ''اہل قبلہ میں سے کسی کا خون مباح نہیں مگر تین وجہ سے (۱) زنا بعد الاحصان (شادی شدہ زانی کا) (۲) کفر بعد الایمان (مرتد کا) (۳) اور ناحق قتل کرنے والے کا خون بہانا شرعاً مباح ہے۔

Marfat.com

گیارہواں باب

خلافت وامارت کا بیان

اس میں آٹھ قول ہیں۔

پہلا قول

خلافت وامارت کا بیان

مہتدی ابوشکور سالمی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ خلافت ثابت ہے اور امارت قائم و مشروع ہے اور لوگوں پر واجب ہے کہ وہ اسے ازروئے کتاب' سنت اور اجماعِ امت اپنے اوپر لازم سمجھیں۔

امارت کی مشروعیت وقیام کا قرآن سے ثبوت

کتاب اللہ سے دلیل یوں ہے کہ ارشاد فرمایا: ''اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُوْلِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ '' (النساء:۵۹) اللہ تعالیٰ اور رسول اور تم میں سے حکمرانوں کی پیروی کرو اور سنت سے یوں کہ جب سرورِ عالم ﷺ کا وصال ہوا تو سقیفہ بنی ساعدہ خزرجی میں صحابہ کرام مہاجرین وانصار نے جمع ہو کر کہا کہ ہم نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ جو بغیر امام کے مرے اس کی موت جاہلیت کی موت اور ہم ایک دن بھی بغیر امام کے رہنا پسند نہیں کرتے۔ یہ دلیل ہے اس کی کہ جو امام کو حق نہ جانے تو وہ کافر ہے۔

اجماعِ امت سے دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام جمع ہوئے اور سب نے بالاتفاق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کو تسلیم کیا اور کسی ایک نے بھی انکار نہیں کیا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت حضرت صدیق اکبر کے خلیفہ بنانے سے ہوئی اور اس

Marfat.com

پر بھی کسی نے انکار نہیں کیا۔

پھر خلافت حضرت عثمانِ غنی اور خلافت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اجماعِ امت سے ہوئی۔ ان دلائل سے ثابت ہوا کہ خلافت حق اور ثابت ہے اور اس پر بھی ہمارا اجماع ہے کہ خلیفہ قریش سے ہوگا اور غیر قریش سے خلیفہ ناجائز ہے اور یہ بھی جائز نہیں کہ خلیفہ اولادِ حسن و حسین سے ہو۔

پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ امام کی کیا شان ہونی چاہیے؟

معتزلہ کہتے ہیں کہ امام وخلیفہ کا معصوم ہونا لازم ہے اور اگر فاسق ہو تو اس کے پیچھے نماز جائز و صحیح نہ ہوگی۔

روافض کا مذہب

اور روافض کہتے ہیں کہ امام کا تعلیم یافتہ ہونا ضروری ہے' اس نے خدا سے بلا واسطہ علم سیکھا ہو یا بواسطۂ جبریل۔

امام شافعی کا ارشاد

امام شافعی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام وخلیفہ فاسق نہیں ہوسکتا کہ اگر خلیفہ ظلم کرے یا فاسق ہو جائے تو خود بخود معزول ہو جائے گا۔

اور ایسے ہی ہر قاضی (جسٹس) اور امیر جب کہ امام کی نیابت سے مقرر کیا گیا ہو' ظلم کرے یا فسق و فجور میں مبتلا ہو جائے یا رشوت لے یا ظلم کرے تو معزول ہو جائے گا' ایسے ہی امام صلوٰۃ اگر فاسق ہو جائے تو امامت سے معزول ہو جائے گا۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ امام خلیفہ کے بنانے سے ہوتا ہے' امام بھی وہ جس کو لوگوں نے قبول کیا ہو یا اس کی امامت اجماعِ امت سے ہو تو امامت جب صحیح ہوگی جب کہ قریش سے ہو' نیک ہو یا بد ہو مگر قریشی ہو تو امامت اس کی صحیح ہے۔

اصل اختلاف کیا ہے؟

اور اصل مسئلہ یہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک فاسق اہل ولایت سے نہیں' حتیٰ کہ اگر فاسق اپنی چھوٹی بیٹی نابالغہ کا نکاح کردے تو وہ نکاح صحیح نہیں ہوگا اس لیے کہ فاسق کو ولایت

Marfat.com

حاصل نہیں۔

فاسق امام بن سکتا ہے

اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نکاح صحیح ہوگا اس لیے کہ فاسق اہل ولایت سے ہے اور حضور پرنور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "صلوا خلف کل بر و فاجر" یعنی ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھو (اگر چہ بوجہ فسق مکروہ تحریمہ ہوگی لیکن اصل فرض ہو جائیں گے۔منہ)۔

پھر ائمہ اور امراء سے عہد صحابہ و تابعین میں ہی فسق ظاہر ہوا اور ظلم پھیلا جیسا کہ یزید اور اس کی اولاد' اسی طرح مروان کی اولاد کہ ان میں فسق اور جور و ستم عام تھا لیکن اس کے باوجود صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم نے ان کے پیچھے نماز پڑھی اور ان کی معیت میں حج کئے اور اسی طرح تابعین نے نمازیں پڑھیں' حج کیے اور ان پر خروج نہیں کیا حالانکہ انہیں قدرت و شوکت حاصل تھی تو ثابت ہوا کہ فسق و فجور سے امامت زائل نہیں ہوتی جب کہ مسلمان ہوں اور قریشی ہوں۔علاوہ ازیں اگر امام کا معصوم ہونا واجب ہو تو نبی اور امام میں فرق نہ رہے گا۔امام بھی معصوم اور نبی بھی معصوم حالانکہ معصوم ہونا خصائصِ نبوت سے ہے اور نیز فسق سے ایمان زائل نہیں ہوتا تو فسق موجبِ زوال امامت نہیں ہو سکتا اور عصمت ثابت کرنا امام سے پہلے شرط ہے اور نہ ہی امام ہونے کے بعد' مطلب یہ ہے کہ امامت کے لیے عصمت شرط نہیں ہے۔

بعض حضرات کی طرف سے عائد کردہ امامت (کبریٰ) کی شرائط کا بیان اور ان پر بحث و نظر

بعض نے کہا کہ امام کا اولاد حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہونا ضروری ہے اور براہِ راست خدا سے تعلیم یافتہ ہوں یا جبرائیل کے واسطہ سے' انہوں نے خدا سے علم سیکھا ہو بہرحال ان کا تعلیم یافتہ ہونا ضروری ہے۔

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ یہ قول صحیح نہیں اس لیے کہ حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے امامت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سونپ دی اور دونوں نے حضرت معاویہ کی بیعت کی تو اگر امام کا اولادِ حسن و حسین سے ہونا ضروری تھا اور بغیر اولادِ

Marfat.com

حسنین کریمین کے امام نہیں ہو سکتا تو یہ خطاء اور معاذ اللہ کفر ہوگا' اس لیے کہ امام قائم کرنا بغیر حق کے کفر ہوگا (اور ظاہر ہے کہ حضرت معاویہ اولادِ حسنین سے نہیں تو وہ مستحق امامت بھی نہیں' غیر مستحق کو حق دینا کفر ہوگا۔ العیاذ باللہ)۔

علاوہ بریں امام کا تعلیم یافتہ ہونا خدا سے یا جبرئیل سے مستوجب نبوت ہے کیونکہ تعلیم الٰہی یا تعلیم جبرئیل وحی ہوتی ہے اور جو حضور ﷺ کے بعد نبوت یا وحی تشریعی باستثناء حضرت عیسیٰ کسی کے لیے جائز سمجھے وہ کافر ہے تو ثابت ہوا کہ حقیقتِ امر وہی ہے جو ہم نے بیان کیا۔

دوسرا قول

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا بیان

اہل سنت و جماعت فرماتے ہیں کہ امامت و خلافت کسی کے لیے منصوص نہیں (کہ قرآن وحدیث میں خلافت کے لیے کسی کو نامزد کیا ہو)۔

بعض نے کہا کہ خلافت حضرت عباس کا حق تھا کہ وہ حضورِ اقدس ﷺ کے چچا اور عصبہ ہیں تو وہ دوسروں سے مقدم ہیں۔

اور روافض نے کہا کہ خلافت و امامت حضرت علی کے لیے منصوص ہے' اس لیے کہ حضور ﷺ نے ان کو اپنے بعد اپنا خلیفہ اور وصی بنایا' جیسا کہ فرمایا: ''اما ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسٰی الا انه لا نبی بعدی'' حضرت علی سے فرمایا: تم راضی نہیں کہ مجھ سے وہ تعلق رکھتے ہو جو ہارون کو موسیٰ علیہ السلام سے تھا؟ مگر میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ تھے تو ایسے ہی حضرت علی حضور علیہ السلام کے خلیفہ ہوئے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ حضور نے حضرت علی کو سب لوگوں کا والی بنایا' جب مکہ معظّمہ سے واپس ہوئے اور خم غدیر پر نزولِ اجلال فرمایا' حکم دیا کہ اونٹوں کے کجاوے جمع کر کے منبر کی طرح بنا دیں' اس پر حضور چڑھے اور فرمایا: ''السنا باولی المؤمنین من انفسهم فقالوا

Marfat.com

نعم ''یعنی فرمایا کہ کیا ہم مؤمنین کی جانوں سے زیادہ قریب نہیں؟ سب نے کہا: ہاں۔

پھر حضور ﷺ نے فرمایا: ''من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ ''جس کا میں دوست اور مددگار ہوں علی بھی اس کے دوست و مددگار ہیں' الٰہی جو علی سے محبت کرے اس سے تو بھی محبت کر اور جو علی سے عداوت و دشمنی رکھے تو بھی اس سے دشمنی کر اور جو علی کی مدد کرے تو بھی اس کی مدد فرما اور جو علی کا بے ادب ہو تو اس کو ذلیل کر۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رَاکِعُوْنَ ''(المائدہ:۵۵) بے شک تمہارے دوست اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے اور وہ لوگ ہیں جو نماز قائم کرتے اور رکوع کی حالت میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔ یہ آیت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں نازل ہوئی تو ثابت ہوا کہ مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم حضور کے بعد سب سے افضل ہیں اور حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ سب سے پہلے حضرت علی اسلام لائے' تو ثابت ہوا کہ خلافت کے علی سب سے زیادہ حق دار ہیں۔

اہل سنت و جماعت کے دلائل

اہل سنت و جماعت کی دلیل یہ ہے کہ امامت وخلافت منصوص نہیں' اس لیے کہ صحابہ کرام اُسی دن جس دن حضور ﷺ کا وصال ہوا' سقیفہ بن ساعدہ میں مہاجرین و انصار جمع ہوئے اور انصار نے کہا: ''منا امیر ''ہم میں سے امیر ہوگا۔ مہاجرین نے کہا: ہم میں سے امیر ہوگا۔ تو اگر خلافت منصوص و نامزد ہوتی تو ہرگز نہیں باور کر سکتے کہ ایسی جلدی حضور کے وصال کے بعد دفن سے پہلے ہی سب حضور کے امر اور وصیت کی مخالفت کرتے' صحابہ کرام سے یہ گمان ناممکن ہے۔

اور مروی ہے کہ حضرت صدیق اکبر نے فرمایا: ''نحن بیضۃ رسول اللّٰہ ''اور تم نے بھی اور ہم نے بھی سنا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''الائمۃ من قریش ''امام وخلیفہ قریش میں سے ہوگا۔ ''فمنا الامراء ''تو ہم میں سے امیر ہوں گے'' ومنکم الوزراء ''اور تم میں سے وزراء ہوں گے۔ سعد بن معاذ نے کہا: ہم اس پر راضی ہیں۔ تم میں سے امراء اور ہم میں

Marfat.com

سے وزراء ہوں، تو سب کا اتفاق ہو گیا۔ پھر حضرت ابو بکر صدیق نے فرمایا کہ میرا گمان ہے کہ قوم کے نزدیک حضرت علی امامت و خلافت کی زیادہ صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ سُن کر حضرت علی نے اپنی تلوار سونت لی اور کھڑے ہو کر صدیق اکبر سے فرمایا: ''قم یا خلیفة رسول اللّٰه'' اے رسول اللہ کے خلیفہ! اٹھیے ''قدمک رسول اللّٰه فمن ذا الذی یوخرک'' اے ابوبکر! جب حضور نے آپ کو (نماز کے لیے) آگے کیا تھا، پھر کون ہے جو آپ کو پیچھے کرے۔ حضرت صدیق اکبر نے کہا: اے علی! تم امیر ہو۔ حضرت علی نے فرمایا: تم امیر ہو، اے خلیفۂ رسول اللہ! آپ کو حضور نے حکم دیا تھا مجھ کو حضور نے حکم نہیں دیا (اشارہ تھا نماز کے لیے) آپ کو حکم دیا تھا کہ ''صل بالناس'' کہ لوگوں کو نماز پڑھاؤ۔ ہم اپنے دنیاوی اُمور میں راضی ہیں، اس شخص سے جس سے حضور ہمارے دین کے معاملہ میں راضی ہوئے اور حضرت علی نے حضرت صدیق اکبر کو خلیفہ رسول اللہ کہا۔ اس لیے کہ حضورِ اقدس نے حضرت صدیق اکبر کو نماز کے لیے اپنا خلیفہ بنایا۔

بعض روایات میں ہے: سات دن یعنی پینتیس (۳۵) نمازوں میں خلیفہ بنایا، بعض میں تین دن ہے یعنی پندرہ (۱۵) نمازوں میں۔ یہ دلائل سن کر سب صحابہ مہاجرین و انصار نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کر لی اور کسی ایک نے مخالفت نہیں کی اور بیعت منعقد ہو گئی، اس کے بعد حضور کے دفن میں مشغول ہو گئے، اس سے ثابت ہوا کہ خلافت منصوص نہیں، اس لیے کہ اگر منصوص ہوتی تو صحابہ کرام ہرگز اختلاف نہ کرتے اور اگر دوسروں کو شک تھا تو مولیٰ علی کو ہرگز شبہ نہ ہونا چاہیے تھا اور جب حضرت علی نے خود بیعت کی، تو ثابت ہوا کہ منصوص نہ تھی، بلکہ خلافت اجماعِ صحابہ کرام سے منعقد ہوئی۔

اور بعض کہتے ہیں: حضرت علی نے تین دن کے بعد بیعت کی اور بعض کہتے ہیں: چھ مہینہ کے بعد بیعت کی، مگر یہ اقوال صحیح نہیں۔ بہر حال مخالفت کے اقوال مردود ہیں بوجہ موافقت کرنے حضرت علی کے اور بالفرض اگر حضرت علی نے صدیق اکبر کی بیعت نہ بھی کی ہو تو حضرت علی نے سکوت کیا اور مخالفت نہ کی تو بھی حضرت صدیق اکبر کے ساتھ موافقت ثابت ہوئی، حالانکہ ہم نے ثابت کر دکھایا کہ مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیعت کی ہے اور اگر بالفرض ابو بکر صدیق کی خلافت صحیح نہ ہو اور وہ امام برحق نہ ہوں تو مولیٰ علی کا سکوت وچشم

Marfat.com

پوشی ہرگز جائز نہیں' اس لیے کہ جو باطل امام کی امامت پر راضی ہو وہ کافر ہے۔

مولیٰ علی صدیق اکبر کو خلیفہ بنا کر خوش تھے

اور اس امر کی دلیل کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت صدیق اکبر کی خلافت پر راضی تھے اور حضرت علی نے امام برحق سمجھ کر صدیق اکبر کی بیعت کی' یہ ہے کہ مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم جہادوں میں حضرت صدیق اکبر کی اطاعت کرتے اور مال سے حصہ لیتے رہے اور یہ بھی روایت ہے کہ حضرت صدیق نے مولیٰ علی کو ایک لونڈی مالِ غنیمت سے عطا فرمائی' حضرت علی نے اسے قبول فرمایا اور اس کے ساتھ صحبت بھی کی اور اگر خدانخواستہ حضرت صدیق اکبر خلیفۂ برحق نہ ہوتے اور ان کی خلافت حق نہ ہوتی تو حضرت علی کو ہرگز صدیق اکبر کی اطاعت وفرماں برداری جائز نہ تھی اور نہ مالِ غنیمت سے لینا حلال تھا اور غنیمت سے حصہ لینا جائز تھا۔

اور اگر ایسا ہوتا تو حضرت علی کو جاریہ (لونڈی) سے وطی وصحبت کرنا حلال نہ ہوتا بلکہ معاذ اللہ زنا ہوتا۔ تو ان وجوہ سے ثابت ہوگیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت برحق تھی اور وہ خلیفۂ برحق تھے اور مولیٰ علی نے خلیفۂ برحق سمجھ کر بیعت کی' ان کی اطاعت کی' غزوات میں شرکت کی' غنیمت سے اپنا حصہ لیا' جاریہ (لونڈی) سے حلال سمجھ کر وطی کی۔

روافض کے دلائل کا جواب

روافض کا یہ کہنا کہ حضرت علی حضور کے وصی تھے۔ ہم کہتے ہیں: آپ مطلقاً وصی نہ تھے بلکہ حضور ﷺ نے قرضوں اور امانتوں کی ادائیگی کے لیے حضرت علی کو وصی بنایا تھا' لہٰذا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خلافت کے لیے بھی وصی تھے۔

روافض کا یہ کہنا کہ حضرت علی کو حضور نے خلیفہ بنایا اور وہ بہ منزلۂ حضرت ہارون کے تھے تو یہ حدیث بجائے خود ان کی تردید ہے اور ان کے خلاف جاتی ہے' اس لیے کہ جب حضورِ اقدس ﷺ غزوۂ تبوک میں تشریف لے جانے لگے تو حضرت علی کو مدینہ طیبہ میں اُمورِ داخلہ اور خانگی انتظامات وانصرامات کے لیے اپنے پیچھے چھوڑ دیا تو منافقوں نے زبان درازی اور طعنہ زنی شروع کی کہ حضرت علی کو اس قابل نہ سمجھا کہ جہاد میں ساتھ لے جائیں' ان کو گھر میں چھوڑ گئے۔ جب مولیٰ علی کو منافقوں کی ان باتوں کا علم ہوا تو مغموم ہوئے اور حضور کے

Marfat.com

پیچھے جانے لگے۔ حضور نے دیکھا کہ علی بھی پیچھے پیچھے آ رہے ہیں' فرمایا: کیا ہم نے تم کو پیچھے رہنے کا حکم نہیں دیا تھا؟ عرض کیا: یارسول اللہ! آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ گئے اور منافقین زبان درازی کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ حضور علی کو اس لیے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ گئے ہیں کہ آپ نے اس قابل نہ سمجھا کہ جہاد میں اپنے ساتھ لے جاتے۔ اس موقع پر حضور نے فرمایا: ''اما ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسی الا انه لا نبی بعدی '' کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ مجھ سے ایسے ہو جیسے ہارون' موسیٰ (علیہما السلام) سے تھے مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ سو ہم کہتے ہیں کہ اس حدیث سے حضرت علی کو حضرت ہارون پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے بلکہ متعدد فرق ہیں:

(۱) ہارون علیہ السلام نبی ہیں اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی نہیں۔

(۲) حضرت ہارون علیہ السلام حیاتِ ظاہری میں خلیفہ تھے اور وفات کے بعد خلیفہ نہ تھے اس لیے کہ ہارون علیہ السلام کا موسیٰ علیہ السلام کے سامنے انتقال ہو گیا اور مولیٰ علی شیرِ خدا حضور ﷺ کے بعد زندہ رہے۔

(۳) نیز ہارون علیہ السلام' موسیٰ علیہ السلام کے بڑے بھائی تھے اور حضرت علی حضور کے چھوٹے بھائی تھے۔

(۴) نیز ہارون علیہ السلام حقیقی بھائی تھے اور حضرت علی چچازاد بھائی تھے۔

(۵) حضرت ہارون علیہ السلام معصوم تھے اور مولیٰ علی معصوم نہیں' لہٰذا ان کے مشابہ نہیں ہو سکتے۔

(۶) اور ان کا یہ کہنا کہ حضرت علی کو والی بنایا تو ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ہاں والی بنایا' یعنی عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد آپ (علی) والی ہیں اور زمانۂ معاویہ رضی اللہ عنہ میں بھی وہ ہی خلیفہ برحق تھے' یہی ہمارا عقیدہ ہے اور انما ولیکم الله ورسوله سے بھی یہی معنیٰ مراد ہیں۔

نیز ہم کہتے ہیں کہ حضرت علی والی' خلیفہ وامام ہیں اپنے وقت میں اور اپنے زمانہ میں' وہ زمانہ ہے حضرت عثمان غنی کے بعد' پہلے نہیں۔

Marfat.com

سب سے پہلے کون اسلام لائے تھے؟

یہ کہنا کہ حضرت علی سب سے پہلے اسلام لائے تو اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ اس میں روایتیں مختلف ہیں۔ایک روایت میں ہے: سب سے پہلے حضرت علی اسلام لائے۔ ایک روایت میں ہے: سب سے پہلے خدیجۃ الکبریٰ اسلام لائیں اور بعض روایت میں ہے کہ زید بن حارثہ اسلام لائے اور بعض روایت میں ہے: سب سے پہلے ابوبکر صدیق اسلام لائے۔ان اختلافات کی بناء پر مطلقاً یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ حضرت علی سب سے پہلے ایمان لائے۔ ہاں! ان روایتوں میں تطبیق یوں ہوسکتی ہے کہ عورتوں میں خدیجۃ الکبریٰ اور بچوں میں سب سے پہلے حضرت علی اسلام لائے اور غلاموں میں سب سے پہلے زید بن حارثہ ایمان لائے اور بالغوں' عاقلوں' آزادوں میں ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان لائے' پھر اس وقت ابوبکر ہی خلافت کے لیے زیادہ مناسب موزوں ترین اور زیادحق دار تھے' اگر خلافت کی حاجت ہوتی۔ اس لیے کہ عورت' بچے' غلام خلافت کی صلاحیت و اہلیّت نہیں رکھتے تو جب حضورِ اقدس ﷺ کے بعد خلافت کی ضرورت و حاجت ہوئی تو حضرت صدیق اکبر ہی حق دار و صلاحیت مند تھے تو ثابت ہوا کہ ابوبکر ہی خلافت کے حق دار اور بہتر صلاحیت رکھنے والے تھے۔

تیسرا قول

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا بیان

اس پر ہمارا اجماع ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر ابن خطاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو خود خلیفہ مقرر کیا' حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے وصال کے دن فرمایا کہ عمر کو حاضر کرو۔ جب حضرت عمر حاضر ہوئے' فرمایا: لکھو اور وصیت فرمائی کہ لکھو: بسم اللہ الرحمن الرحیم. یہ وصیت نامہ ابوبکر کی طرف سے ہے جو رسول کریم ﷺ کا خلیفہ ہے' یہ میرا دنیا میں آخری دن ہے اور آخرت کا پہلا دن ہے' جس دن کافر بھی ایمان لے آتا ہے اور فاسق و فاجر اپنے فسق و فجور سے رک جاتا ہے۔ میں تم پر حضرت عمر کو خلیفہ بناتا ہوں' اگر وہ

Marfat.com

عدل وانصاف کریں اور ان کے متعلق یہی میرا گمان ہے اور اگر ناانصافی کریں تو غیب کا علم اللہ کو ہے۔ ''وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ'' (الشعراء: ۲۲۷) اور چند لوگوں کے سوا سب حضرت عمر کی خلافت پر رضا مند ہو گئے اور سوید بن علقمہ حضرت علی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی نے فرمایا کہ میں راضی ہونے والوں میں ہوں۔ حضرت علی کی رضامندی اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ اپنی صاحب زادی ام کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کر دیا اور جو لوگ خلافتِ عمر کو پسند نہیں کرتے تھے' حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہنے لگے: جب آپ خدا کے سامنے جائیں گے کیا جواب دیں گے کہ آپ نے ہم پر ایسے شخص کو مسلط کر دیا جو درشت خو اور تند مزاج ہے؟ صدیق اکبر نے جواب دیا: مجھ کو میرے رب سے نہ ڈراؤ' میں یہ جواب دوں گا کہ میں نے ان پر خیر اہل اللہ کو مسلط کیا ہے اور یہ جملہ میں نے حضور سے سنا' حضور نے ارشاد فرمایا: عمر خیر اہل اللہ ہے یعنی اللہ کے خاص بندوں سے ہے اور حضرت ابوبکر کے وصال فرمانے سے قبل خلافت عمر پر سب راضی ہو گئے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے حیاتِ ظاہری سے پردہ فرمانے کے بعد تمام صحابہ کرام صدیق وفاروق کی خلافت پر متفق ہو گئے' اس لیے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ میرے بعد صدیق و فاروق کی اقتداء کرنا اور حضور نے فرمایا: داخل ہوا میں اور ابوبکر وعمر' نکلا میں اور ابوبکر وعمر' اور کھایا میں نے اور ابوبکر وعمر نے' اور حضور سے مروی ہے کہ ایک دن حضور اقدس ﷺ مسجد میں تشریف لائے درآں حالیکہ دایاں ہاتھ صدیق اکبر کے کاندھے پر اور بایاں ہاتھ فاروقِ اعظم کے کاندھے پر تھا اور فرمایا: اسی طرح ہم زندہ رہیں گے اور اسی طرح ہم دنیا سے جائیں گے اور اسی طرح ہم دفن ہوں گے اور اسی طرح ہم قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو ثابت ہوا کہ حضرت عمر تمام احوال میں تیسرے درجہ میں ہیں تو جب ابوبکر کا وصال ہوا تو عمر ہی خلافت کے حق دار تھے' جب خلافت صدیق ختم ہوگئی۔

نیز رسول کریم ﷺ سے مروی ہے کہ جب میں شب اسراء بالائے آسمان پر تشریف لے گیا اور جنت میں فروکش ہوا تو میں نے ایک جاریہ (لونڈی) کو دیکھا جو اوصافِ حمیدہ سے موصوف تھی' میں نے اس لونڈی سے کہا: تو کس کے لیے ہے؟ اس نے کہا: خلیفہ عمر رضی

Marfat.com

اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے' تو حضور نے حضرت عمر کو خلیفہ کا لقب عطا فرمایا' اس سے ثابت ہوا کہ حضرت عمر خلافت کے حق دار تھے اور یہ حدیث صدیق اکبر کی خلافت پر بھی دلیل ہے' اس لیے کہ حضرت عمر صدیق اکبر کے خلیفہ بنانے سے خلیفہ بنے تو اگر صدیق اکبر کی خلافت صحیح اور حق نہ ہوتی تو حضرت عمر کی خلافت بھی صحیح نہ ہوتی ' ان کے خلیفہ بنانے سے اور جب فاروقِ اعظم کی خلافت صحیح وثابت ہے تو صدیقِ اکبر کی خلافت بھی صحیح وثابت اور حق ہے اور اس امر کی دلیل ہے کہ خلفاء اربعہ (ابوبکر' عمر' عثمان' علی) کی خلافت حق اور ثابت ہے۔ حضور کا ارشاد گرامی ہے: ''الخلافة من بعدی ثلاثون سنة'' خلافت علی منہاج النبوۃ تمیس سال رہے گی اور ان تمیس سالوں میں انہی چاروں خلفاء راشدین کی خلافت رہی۔

پھر ابوبکر صدیق کو خلیفہ رسول اللہ کے نام سے بلایا جاتا اور فاروقِ اعظم کو خلیفہ خلیفۃ رسول اللہ' تو ایک دن فاروقِ اعظم نے سوچا کہ مجھ کو خلیفۃ خلیفۃ رسول اللہ کہا جاتا ہے اور میرے بعد خلفاء کا نام خلیفۃ خلیفۃ رسول اللہ رکھیں گے اور اس پے در پے اضافات میں لوگوں کو تکلیف ہوگی تو منبر پر تشریف لا کر فرمایا: میں تمہارا سچا امیر ہوں؟ سب نے کہا: ہاں' پھر فرمایا: تم سچے مؤمن ہو؟ سب نے کہا: ہاں۔ تو حضرت عمر نے فرمایا کہ مجھ کو امیر المؤمنین کہا کرو' اس دن سے امیر المؤمنین مشہور ہو گئے۔

چوتھا قول

حضرت عثمان کی خلافت کا بیان

امت مسلمہ کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت فاروقِ اعظم کے بعد خلیفۂ برحق باجماع الامۃ حضرت عثمان ذوالنورین ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بذاتِ خود کسی کو خلیفہ منتخب نہیں کیا' بلکہ پانچ جلیل القدر صحابہ کے مشورے پر چھوڑا کہ یہ حضرات جس کو چاہیں منتخب کر لیں۔ وہ پانچ افراد کی نفری یہ ہے: عثمان' علی' عبد الرحمن ابن عوف' طلحہ اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ پھر جب فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہو گیا تو عبد الرحمن ابن عوف نے کہا: میں اپنا حق (خلافت) چھوڑتا ہوں اور حضرت زبیر نے کہا: میں اپنا حقِ خلافت چھوڑتا

Marfat.com

ہوں۔ حضرت طلحہ نے کہا: میں بھی دستبردار ہوتا ہوں۔

اب رہ گئے عثمان وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہما' اب خلافت ان دونوں کے درمیان رہ گئی تو عبدالرحمٰن ابن عوف نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: اپنا ہاتھ بڑھایئے میں آپ سے بیعت کرتا ہوں اس شرط پر کہ آپ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ اور سیرتِ شیخین (ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) کے مطابق ہمارے معاملات میں حکم کریں گے۔ حضرت علی نے فرمایا: میں اس شرط پر بیعت لیتا ہوں کہ میں کتاب وسنت اور سیرت شیخین کے مطابق حکم کروں گا اور اجتہاد بھی کروں گا۔ چنانچہ عبدالرحمٰن ابن عوف نے پھر یہی بات دہرائی تو حضرت علی نے وہی فرمایا جو پہلی مرتبہ فرمایا تھا۔ پھر تیسری بار حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف نے حصرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے وہ بات دہرائی جو پہلے کہی تھی' حضرت مولیٰ علی نے بھی وہ ہی فرمایا جو پہلی مرتبہ فرمایا تھا۔ پھر حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف نے حضرت علی کا ہاتھ چھوڑ دیا اور حضرت عثمان غنی کا ہاتھ پکڑ کر کہا: آپ ہمارے ساتھ بیعت کریں کہ آپ ہمارے درمیان کتاب اللہ' سُنت رسول اللہ اور سیرتِ شیخین (ابوبکر وعمر) کے موافق حکم کریں گے۔ حضرت عثمان غنی نے کہا: میں نے یہ عہدہ قبول کیا اور میں بیعت کرتا ہوں کہ کتاب وسنت رسول اللہ کے مطابق حکم کروں گا۔ پھر عبدالرحمٰن ابن عوف کی معیّت میں تمام صحابہ کرام نے بیعت کی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے بھی بیعت کر لی۔ پھر عبدالرحمٰن ابن عوف نے کہا: میں پسند کرتا تھا کہ حضرت علی ہمارے امام بنیں لیکن ان کو چھوڑ دیا' ان کے اس ''اجتهد فيه برای ''میں اس میں اپنا اجتہاد بھی کروں گا فرمانے سے' پھر کسی صحابی نے بیعت عثمان میں نہ انکار کیا اور نہ مخالفت کی۔

پھر لوگ جمع ہوئے اور اس (میٹنگ) میں کچھ صحابہ بھی تھے۔ حضرت علی اس اجلاس میں کسی وجہ سے شرکت نہ فرما سکے' یہ اسی دن کا واقعہ ہے جس دن حضرت عثمان غنی شہید ہوئے تو لوگوں نے اس سے یہ گمان کرلیا کہ حضرت علی بیعت خلافت کے مخالف ہیں لیکن پھر جب ان کو یقین ہو گیا کہ حضرت علی مخالف نہیں تو انہوں نے توبہ کی اور جتنے صحابہ کرام تھے سب نے رجوع کیا اور حضرت علی اس وقت موجود نہیں تھے' جب آپ آئے تو آپ نے حسنین کریمین کو حضرت عثمان غنی کی مدد کے لیے بھیجا۔ پھر جب تمام صحابہ کرام مجمع میں سے چلے

Marfat.com

گئے تو مصری لوگ تنہا رہ گئے اور صحابہ کرام میں سے ایک بھی ان کے ساتھ نہ رہا تو مصری بلوائیوں نے دیوار میں نقب لگایا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو مظلومانہ شہید کر دیا اور حضرت امام عالی مقام سیّد حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں شہزادے دروازے پر کھڑے حفاظت فرما رہے تھے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کے خیال سے دروازہ پر ہی رہے اور حضرت شیرِ خدا مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم حضرت عثمان غنی کے شہید ہونے سے قبل تلوار و ہتھیار لے کر بلوائیوں (تخریب کاروں' فتنہ پردازوں) کے قتل کا ارادہ کر رہے تھے' جب آپ سامانِ حرب تیار کر چکے تو حضرت عثمان غنی اس وقت تک قضائے الٰہی سے شہید ہو چکے تھے' اس ظالمانہ قتلِ عثمان کا گناہ اور بوجھ مصریوں کے سر باقی رہ گیا' اللہ جو چاہتا ہے حکم فرماتا ہے اور وہ ہر شئی پر قادر ہے۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون.

پانچواں قول
حضرت علی کی خلافت کا بیان

حضرت عثمان غنی کے شہید ہونے کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم امام و خلیفہ مقرر ہوئے' صحابہ کرام اور دیگر انسانوں نے جو اس وقت مدینہ منورہ میں حاضر تھے' ان کی بیعت کی اور آپ کی خلافت متحقق ہو گئی اور (اس وقت) حضرت علی ہی اس خلافت کے لیے اولیٰ اور احق تھے۔ حضور نے فرمایا تھا: ''اللھم ادر الحق مع علی '' الٰہی! حق کو علی کے ساتھ دائر کر۔ نیز حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے' آپ نے فرمایا: جہاں علی جائیں ان کے ساتھ حق ہے۔ حضرت علی نے کبھی ایسا کام نہیں کیا جو موجبِ انکار ہو اسی لیے کسی صحابی نے انکار نہیں کیا۔ پھر اس امر کی دلیل کہ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم امام برحق تھے' یہ ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کنکر اٹھائے تو ان کنکریوں نے حضور کے ہاتھ مبارک میں تسبیح کی اور وہ ان کی تسبیح سنی جاتی تھی وہ یہ پڑھتی تھیں: ''سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ '' اللہ تعالیٰ پاک ہے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ پھر وہ کنکریاں رکھ دیں اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: تم ان کنکریوں کو اٹھاؤ'

Marfat.com

جب انہوں نے کنکریوں کو اٹھایا تو آپ کے ہاتھ میں تسبیح (یعنی سبحان اللہ و الحمد للہ کا ورد) کرنے لگیں۔

اسی طرح حضرت عمر، حضرت عثمان غنی، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ہاتھوں میں تسبیح کرتی تھیں۔ اس مجلس میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے، حضورِ اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اے ابوذر! تم بھی اٹھاؤ، جب انہوں نے اٹھائیں تو ان کے ہاتھوں میں تسبیح نہیں کی۔ ابوذر نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! یہ کیا بات ہے کہ ان حضرات کے ہاتھ میں کنکریوں نے تسبیح کی اور میرے ہاتھ میں تسبیح نہیں کی؟ فرمایا: اے ابوذر! تم خلفاء راشدین (علیہم الرضوان) کے برابر ہونا چاہتے ہو؟ تو نبی کریم ﷺ نے ان چاروں کو خلفاء راشدین فرمایا اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان میں داخل ہیں، تو ثابت ہوا کہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفۂ برحق تھے۔

چھٹا قول

اس بارے میں کہ بعض صحابہ کو بعض صحابہ پر فضیلت حاصل ہے

اہل سنت و جماعت فرماتے ہیں: نبیوں، رسولوں اور فرشتوں کے بعد مخلوق میں سب سے افضل ابوبکر صدیق ہیں، پھر عمر فاروق، پھر عثمان غنی، پھر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: سنت سے ثابت ہے کہ شیخین (یعنی ابوبکر و عمر) کو تو فضیلت دے اور خَتَنَیْن (دونوں دامادوں یعنی عثمان و علی) سے محبت کرے اور ان ہی سے روایت ہے کہ فرمایا: تم ابوبکر و عمر کو فضیلت دو اور عثمان و علی سے محبت کرو۔ ایک روایت میں ہے کہ علی و عثمان سے محبت کرو اور حضرت علی کی فضیلت حضرت عثمان پر وارد نہیں اس لیے کہ ترتیب فی الذکر ترتیب فی الحکم (یعنی اس روایت میں علی کا نام مبارک عثمان غنی سے چونکہ پہلے مذکور ہے، لیکن اس سے یہ دلیل نہیں دی جاسکتی کہ ان کو عثمان پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ ذکر میں پہلے کسی نام کا آجانا فضیلت کی دلیل نہیں ہوتی) کو واجب نہیں کرتی۔

Marfat.com

فقہاء کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ صحابہ کرام کے متعلق ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ اچھا قول ہم نے نہیں دیکھا۔

جیسا کہ علی ابن ابی طالب سے مروی ہے کہ آپ کوفہ میں منبر پر تشریف فرما تھے' آپ کے صاحبزادہ محمد بن حنفیہ نے کہا کہ اس امت میں حضور کے بعد بہترین شخص کون ہے؟ حضرت علی نے فرمایا: ابوبکر صدیق' کہا: پھر کون؟ فرمایا کہ عمر' کہا: پھر کون؟ فرمایا: عثمان' کہا: پھر کون؟ تو حضرت علی خاموش ہو گئے' پھر فرمایا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں چوتھے کی خبر دے دوں؟ لیکن پھر حضرت علی خاموش ہو گئے' اس پر آپ کے صاحب زادہ محمد نے کہا: آپ ہیں؟ تو حضرت علی نے تواضعاً فرمایا: تیرا باپ ایک شخص ہے مسلمانوں میں سے اور نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا: میں علم کا شہر ہوں اور اس کی بنیاد ابوبکر ہے اور اس شہر کی دیوار عمر ہیں اور اس کی چھت عثمان ہیں اور اس کا دروازہ علی ہیں اور بسند صحیح ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ بیٹھے تھے کہ ابوبکر آ گئے' حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا: مرحبا! اس کو جو اپنے جان و مال سے مجھ کو ایثار کرتا ہے۔

پھر عمر فاروق آئے تو فرمایا: مرحبا! میرے وزیر کو مرحبا' حق و باطل میں فرق کرنے والے پر' مرحبا! اس کو جس کے ذریعہ اللہ نے دین کو کامل کیا اور جس کے واسطے تمہارا نام مؤمنین رکھا۔ پھر عثمان غنی آئے تو فرمایا: مرحبا! میرے داماد کو' میری بیٹی کے شوہر کو' وہ جس کے لیے اللہ نے دو نور جمع کیے' وہ جو سعید اور شہید ہے' ویل (ہلاکت وجہنم) ہے اس کے قاتل کے لیے۔

پھر حضرت علی آئے تو فرمایا: مرحبا! میرے بھائی اور میرے چچا کے بیٹے کو اور میرے بیٹے کے باپ کو اور میں اور وہ ایک ہی نور سے پیدا ہوئے۔

اے لوگو! ان چاروں کی محبت جمع نہ ہو گی مگر مؤمن کے دل میں اور جس کے دل میں ان کی محبت نہ ہو گی وہ منافق ہے جو ان سے محبت کرے گا تو وہ مجھ سے محبت کرے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا تو وہ مجھ سے بغض رکھے گا۔ یہ چاروں مؤمنوں کے دنیا و آخرت میں سردار ہیں' ان سے بغض رکھنے والا شقی (بدبخت) ہے اور ان سے محبت کرنے والا مؤمن تقی ہے' الٰہی! میں نے تبلیغ کر دی تو دیواروں کی جانب اور عتبہ باب مسجد سے آواز آئی کہ الٰہی جوان

Marfat.com

سے بغض رکھے ان پر لعنت کر تو دیواروں نے کہا: آمین' اس معجزہ کو دیکھ کر اس دن تیس یہودی اور پچاس منافق ایمان لائے اور فضائل صحابہ بے شمار ہیں۔

ابوبکر تمام صحابہ سے افضل ہیں

اس کی دلیل کہ ابوبکر صدیق سب صحابہ کرام سے افضل ہیں' وہ حدیث ہے کہ حضور نے فرمایا: ابوبکر کو فضیلت زیادہ نمازیں پڑھنے اور کثرت سے روزے رکھنے کی وجہ سے نہیں ہے یعنی کثرت صوم وصلوٰۃ ان کی وجۂ فضیلت نہیں ہے بلکہ (ان کی وجۂ فضیلت) ایک چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں بھر دی ہے۔ایک روایت ہے کہ صحابہ کرام حضور ﷺ کے درِاقدس پر جمع ہوئے اور ان میں ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہیں تھے' ہر ایک اپنی فضیلت بیان کرتا تھا جب آوازیں بلند ہوئیں۔حضور ﷺ کاشانۂ اقدس سے باہر تشریف لائے اور فرمایا: کیا باتیں کرتے تھے کہ تمہاری آواز بلند ہوئی؟ عرض کیا: ہم فضیلت کا ذکر کرتے تھے' فرمایا کہ تم میں ابوبکر بھی تھے یا نہیں؟ عرض کی: نہیں' فرمایا: پھر تم میں کسی کو فضیلت نہیں۔اگر کہا جائے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل تھے' اس لیے کہ انہوں نے کبھی شرک نہیں کیا اور بت پرستی نہیں کی۔

جواباً ہم کہیں گے کہ یہ صحیح نہیں' حضرت علی تبعاً للوالدین پہلے مسلمان نہ تھے اور اگر وہ غیر مسلم نہ تھے تو دعوتِ اسلام کی ضرورت نہ ہوتی حالانکہ حضور نے ان پر اسلام پیش کیا' اگر وہ مسلمان ہوتے تو اسلام پیش کرنے کی حاجت نہیں ہوتی' پھر جب ان کا اسلام صحیح ہے تو یہ بھی صحیح ہے کہ ان کا کفر ثابت ہے والدین کی تبعیت میں۔

تو ہم کہتے ہیں کہ ابوبکر افضل الصحابہ ہیں' پھر عمر فاروق' پھر عثمان غنی' پھر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ پھر چاروں خلفاء راشدین کے بعد افضل الناس اہل بیت ہیں اور اہل بیت وہ حضور کے گھر والے ہیں اور پھر وہ جن کو جنت کی بشارت وشہادت دی' پھر اہل بدر' پھر اہل حدیبیہ پھر بقیہ صحابہ کرام تمام امت سے افضل ہیں۔ پھر تابعین' پھر تبع تابعین جیسا کہ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ فرمایا: ''خیر القرون قرنی ''یعنی بہترین زمانہ میرا ہے' پھر صحابہ کا' پھر تابعین کا' پھر تبع تابعین' پھر اس کے بعد جھوٹ عام ہو جائے گا کہ کذب ودروغ گوئی پھیل جائیں گے (یہ طویل حدیث ہے)۔

Marfat.com

حضرت عائشہ کی فضیلت

ام المؤمنین حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ عفیفہ عتیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تمام جہان کی عورتوں سے افضل ہیں جو گزر چکی ہیں اور جو موجود اور آنے والی ہیں، سب سے افضل ہیں اور جو حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت عائشہ صدیقہ عفیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے علی الاطلاق افضل کہے تو یہ شیعہ و روافض کا مذہب ہے بلکہ حضرت عائشہ صدیقہ عفیفہ افضل ہیں، اگرچہ حضرت فاطمہ کا نسب افضل ہے، جیسے حضرت ابوبکر صدیق حضرت علی سے افضل ہیں، اگرچہ حضرت علی ہاشمی ہیں اور بنی ہاشم کا نسب بنی تمیم کے نسب سے افضل ہے۔

رافضیوں نے کہا کہ اہل بیت وہ حضرت علی اور فاطمہ و حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں اور یہ صحابۂ کرام سے بھی افضل ہیں اور علی صحابہ میں داخل نہیں اس لیے کہ وہ قرابت دار ہیں اور اصحاب غیر رشتہ دار و قرابت دار سے ہوتے ہیں اور حضرت علی نبی کریم ﷺ کے بعد سب سے افضل ہیں اور وہ (علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) صحابہ میں سے نہیں اور صحابہ میں افضل ابوبکر صدیق ہیں، لیکن ان کا قول مردود ہے، اس لیے کہ حضرت علی صحابہ سے تھے۔ دلیل یہ ہے کہ حضور نے فرمایا کہ ''اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم '' میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں تم جس کی پیروی کرو ہدایت پا جاؤ گے، اور حضرت علی بھی ان میں داخل ہیں۔

اور اگر ہم یہ کہیں کہ علی ان میں داخل نہیں تو اس میں ان کی توہین و منقصت ہے تو صحیح وہی ہے جو ہم نے کہا کہ ابوشکور سالمی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فرماتے ہیں کہ میں رافضیوں میں پھنس گیا اور میں ان سے زدوکوب کے خطرہ سے کانپ رہا تھا، انہوں نے مجھ سے پوچھا: حضور کے بعد سب سے افضل کون ہے؟ میں نے جواب دیا کہ نبی کریم ﷺ کے اصحاب میں ابوبکر اور اہل بیت میں حضرت علی افضل ہیں، یہ سن کر بہت خوش ہوئے، اس لیے کہ وہ علی کو اصحاب میں داخل نہیں مانتے۔ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو اہل بیت میں داخل مانتے ہیں اور اہل بیت افضل الصحابہ ہیں۔ میرا عقیدہ (دل میں گمان) یہ تھا کہ علی اصحاب میں داخل ہیں اور اہل بیت بھی ہیں اور ابوبکر ان سے افضل ہیں اور خلفاء راشدین اہل بیت سے افضل ہیں اور روایت ہے کہ ایک رافضی قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ ان چار

Marfat.com

کے بارہ میں آپ کیا فرماتے ہیں کہ پانچویں ان کے نبی، چھٹے ان کے جبریل صلوات اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ اس کی مراد اصحاب نہیں تھے، ابو یوسف قاضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہچان لیا کہ یہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ پر طعن کرتا ہے تو آپ نے برجستہ فرمایا: تو ان دو کے بارے میں کیا کہتا ہے جن کا تیسرا خدا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ''ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ'' (التوبہ:۴۰) دونوں میں سے دوسرا جب وہ دونوں غار میں تھے۔ اور فرمایا: ''اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا'' (التوبہ:۴۰) بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

اور ہم سب کا اجماع ہے کہ جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور ﷺ کا صحابی نہ مانے وہ کافر ہے، اس لیے کہ وہ اس نص قرآنی کا منکر ہے کہ ''اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ'' (التوبہ:۴۰) جب آپ فرما رہے تھے اپنے ساتھی (صحابی) سے کہ غم نہ کر، اور یہی قول حضرت امام شافعی کا ہے اور محمد ابن حسن سے بھی ایسے ہی مروی ہے۔

اور بعض فقہاء کافر نہیں کہتے، اس لیے کہ نص میں یہ وارد نہیں کہ یہاں صاحب سے مراد ابوبکر صدیق ہیں۔

فضیلت ابوبکر، آیت مصداق ابوبکر میں

اور روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: ''لقد بلغت من اللّٰه مبلغ الافتخار حیث اثنی علیک الملک الجبار'' بقولہ ''ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ'' یعنی اے ابوبکر! تم مبلغ افتخار کو پہنچے کہ ملک جبار (اللہ جل جلالہ کے فرشتے) جل جلالہ نے فرمایا: ان دو میں کا دوسرا جب کہ وہ دونوں غار میں تھے۔

عربوں سے محبت کی تین وجوہ

یہ اظہر من الشمس اور اجلی من الامس ہے کہ غارِ ثور میں بالاتفاق ہجرت کے دن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی حضور ﷺ کے ہم رکاب اور رفیقِ سفر تھے۔ پھر عرب، موالی سے تین وجوہ سے افضل ہیں:

(۱) پہلی وجہ تو یہ ہے کہ قرآنِ پاک عربی زبان میں نازل ہوا۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ بھی عربی ہیں۔

Marfat.com

(۳) اور حضور ﷺ ربیعہ ومضر سے تھے اور پھر قریش سے تھے' اس لیے بھی عرب کو شرف و بزرگی حاصل ہے۔

عربوں سے محبت رکھنے والا جنتی اور بغض رکھنے والا دوزخی ہے

اور نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: تم مجھ سے بغض نہ رکھنا ورنہ جہنم میں جاؤ گے۔ سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: حضور! میں کس طرح بغض رکھ سکتا ہوں؟ خدا نے آپ کی بدولت مجھ کو ہدایت بخشی ہے۔ فرمایا: جب تو عرب سے بغض رکھے گا تو گویا مجھ سے بغض رکھتا ہے اور حضور نے فرمایا: عرب کی محبت ایمان کا حصہ ہے تو ہم عرب سے محبت رکھتے ہیں اللہ کے لیے اور رسول کے لیے کہ وہ (رسول) انہی سے بھیجے گئے۔

ساتواں قول

حضرت معاویہ کی امارت' بغاوت اور ان کے پیچھے لگنے والوں کا بیان

اہل سنت و جماعت فرماتے ہیں کہ حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی زندگی مبارک میں حضرت معاویہ اور ان کے ساتھ جو صحابہ تھے وہ سب دعویٰ امارت اور بیعت میں خطاوار تھے اور حضرت علی کے ساتھ مقاتلہ میں سب باغی تھے۔

حضرت معاویہ خطاء پر تھے

اور یہ جو ہم نے کہا کہ حضرت معاویہ اور ان کے ساتھی خطاوار تھے' اس کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے جو اجتہاد میں خطاء کی ہے وہ محل اجتہاد میں خطاء کی ہے نہ کہ وقت اجتہاد میں کیونکہ حضرت معاویہ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد خلافت کے اہل تھے' اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے پہلے خلیفہ نہ ہوتے تو اس وقت ان کی خلافت صحیح تھی' اس لیے کہ معاویہ قریشی ہیں۔

Marfat.com

اور حضور ﷺ نے حضرت معاویہ سے فرمایا تھا' جب معاویہ حضور کے ہاں داخل ہوئے: اے معاویہ! جب تم والی بنائے جاؤ تو میری امت کے ساتھ رفق ونرمی کرنا اور حضرت معاویہ کے دل میں یہ بات پیدا ہوئی کہ میں مستحق خلافت ہوں' اس لیے قبل از وقت خلافت کے مدعی ہوئے اور من وجہ (ایک پہلو سے) مصیب (برحق) تھے' اس لیے کہ خلافت کے اہل تھے اور من وجہ (ایک پہلو سے) خطا کی' اس لیے کہ (اس وقت) خلافت و بیعت حضرت علی کا حق تھا اور حضرت علی ان سے سابق اور افضل واحق تھے کہ خلافت ان کی ہو' مولیٰ علی کے وقت کسی کو خلافت کرنا جائز نہ تھا۔ حضرت معاویہ کی خلافت اور قریش میں سے دوسرے لوگوں کی خلافت کا وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد تھا۔

حضرت معاویہ باغی تھے؟

اور ہمارا یہ کہنا کہ حضرت معاویہ حضرت علی سے جنگ کرنے میں باغی تھے' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما فان بغت احدٰھما علی الاخری فقاتلوا التی تبغی حتی تفی الی امر اللّٰہ'' (الحجرات: ۹) اور اگر مؤمنوں میں سے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان دونوں کے درمیان صلح کرادو' پس اگر دونوں میں سے ایک دوسرے سے سرکشی کرے تو جو سرکشی کرے اس سے لڑو حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف رجوع کرلیں۔ اللہ تعالیٰ نے طائفوں میں سے ایک کو باغی فرمایا' پس جو حق پر نہ ہو وہ باغی اور اس پر دلیل کہ وہ باغی تھے' یہ ہے کہ قاضی جلیل ابن احمد سنجری سمرقندی نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی کہ حضور نے عمار ابن یاسر سے فرمایا تھا: ''تقتلک الفئۃ الباغیۃ'' کہ تجھے باغی گروہ قتل کرے گا اور ان کو حضرت معاویہ کے لشکر نے شہید کیا تو حضورِ اقدس ﷺ نے اس لشکر کا نام باغی رکھا۔

ابوحنیفہ اور حُبّ علی

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اپنے اصحاب وتلامذہ سے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ اہل شام ہم سے کیوں بغض رکھتے ہیں؟ انہوں نے کہا: نہیں۔

فرمایا: اس لیے کہ ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اگر ہم اس زمانہ میں ہوتے تو حضرت معاویہ کے مقابلہ میں حضرت علی کی مدد کرتے اور ان کے ساتھ ہو کر حضرت معاویہ سے

Marfat.com

حضرت علی کی حمایت میں جنگ کرتے۔

باایں ہمہ (ان سب باتوں کے باوجود) ہم کہتے ہیں کہ باغی کی نہ ہم تکفیر کرتے ہیں نہ تفسیق' اس دلیل سے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا'' یعنی دونوں گروہوں کو مؤمن فرمایا اور دو طائفے یہی حضرت معاویہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے لشکری ہیں۔

اور نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ حضور نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''ان ابنی هذا سید سیصلح اللّٰه به بین الفئتین من المؤمنین'' یہ میرا بیٹا سردار ہے اور عنقریب اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے دو مسلمان جماعتوں میں صلح کرا دے گا۔ تو نبی کریم ﷺ نے دونوں جماعتوں کو مؤمن فرمایا اور اس میں دلیل ہے کہ حضرت علی کے بعد حضرت معاویہ کو خلافت کا حق تھا' اس لیے کہ حضور نے ان دونوں کے درمیان صلح کو جائز رکھا اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ صلح کرنے کے بعد عادل ہو گئے۔

ہم کہتے ہیں کہ باغی کی تفسیق نہیں کی جائے گی اس لیے کہ اس کی شہادت بالاتفاق جائز ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ باغی اپنے دعویٰ میں مأوّل ہوتا ہے۔

باغی کسے کہتے ہیں؟

باغی کی تعریف یہ ہے کہ وہ اپنا حق طلب کرتا ہے شبہ کے ساتھ اور حضرت معاویہ کو اپنے دعویٰ میں شبہ ہو گیا تھا اور وہ تاویل کرتے تھے اور تاویل کرنے میں ان لوگوں نے خطاء کی اور ان کی خطاء کبیرہ گناہ نہیں حتیٰ کہ مرتکب کبیرہ کی تفسیق کی جائے یا تکفیر۔

پھر حضرت معاویہ کے ساتھ کچھ صحابہ کرام بھی تھے جیسے حضرت طلحہ' حضرت زبیر' ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ عفیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کے متعلق ہم اس بات کا وہم بھی نہیں کر سکتے کہ وہ دیدہ ودانستہ ایسے امر کے مرتکب ہوں' جو موجبِ فسق وکفر ہو باوجو یکہ یہ لوگ اہل دیانت اور صاحبِ فقہ ودانش تھے' پھر اس پر اصرار بھی کریں حالانکہ یہ سب عادل اور فقیہ ومجتہد تھے اور اس لیے بھی کہ باغی کی جانب سے ایامِ جمعہ' جماعتِ صلوٰت' حج اور تولیت قضاء وغیرہ کی ولایت جائز ہے' ثابت ہوا کہ وہ فاسق نہیں تھے۔

Marfat.com

پھر حضرت معاویہ کی توبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے زمانہ میں ظاہر نہیں ہوئی لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت معاویہ سے صلح کرلی تھی' اس بناء پر ہم کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر لعن وطعن جائز نہیں' اس لیے کہ حضرت علی نے صلح کرلی تھی اور اگر وہ مستحقِ لعنت ہوتے تو ان سے صلح کرنا جائز نہ ہوتا۔

پھر حضرت طلحہ اور حضرت زبیر نے بغاوت سے توبہ کرلی اور رجوع کرلیا اور ان کی توبہ ظاہر ہوگئی' اسی بناء پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت زبیر کے جنازہ کی نماز پڑھی کہ وہ بغیر بغاوت ناحق قتل کیے گئے اور حضرت زبیر لشکر معاویہ سے نکل کر اپنے شہر جارہے تھے' حضرت علی کے لشکر کے ایک آدمی نے ان کو قتل کردیا اور اس کو معلوم نہ تھا کہ یہ توبہ کرکے جارہے ہیں' لاعلمی میں قتل کرکے ان کا سر حضرت علی کے سامنے اٹھا کر لے گیا تو علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے یہ حدیث پڑھی کہ حضور نے فرمایا ہے: ''قاتل الزبیر فی النار'' زبیر کا قاتل جہنم میں ہوگا اور قصہ لمبا ہے۔ کتب سیر وتاریخ میں مذکور ہے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ عفیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا لشکرِ معاویہ میں تھیں لیکن آپ بغاوت کے لیے نہیں نکلیں بلکہ مصالحت کے لیے تشریف لائیں تھیں۔ یہ جو بعض لوگوں نے کہا کہ حضرت کے مقابلہ میں بغاوت کے لیے نکلیں صحیح نہیں' لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ وہ لشکر معاویہ سے واپس ہوگئیں' انہوں نے بغاوت نہیں کی اور اس کا تو ہم تصور بھی نہیں کرسکتے کہ وہ باوجود علم وفصاحت اور فتنہ وفراست کے حضرت علی پر بغاوت کے لیے دل سے راضی ہوئی ہوں' ایسا وہم بھی نہیں کیا جاسکتا اس لیے کہ انہوں نے حضورِ اقدس ﷺ سے سنا تھا کہ حضرت علی سے فرمایا: تم سے محبت نہ کرے گا مگر مؤمن اور تم سے بغض نہ رکھے گا مگر منافق' تو ایسے میں امکن ہے کہ وہ بغاوت کی وجہ سے تشریف لائیں' اس کا وہم بھی نہیں ہوسکتا۔

آٹھواں قول

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا بیان

اہل سنت وجماعت کہتے ہیں کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق پر تھے اور ظلماً

Marfat.com

شہید کیے گئے۔

اور متقشفہ کہتے ہیں کہ حضرت حسین باغی تھے‘ انہوں نے اپنے امام پر خروج کیا۔ ہمارا اس پر اجماع ہے کہ خلافت حضرت علی کے بعد حضرت معاویہ کے لیے تھی اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے مصالحت کرلی اور حضرت معاویہ کی تمام مسلمانوں کے ساتھ بیعت کرلی اور تمام صحابہ کرام نے بیعت کرلی۔

کیا یزید کو خلافت کا حق تھا؟

یزید ابن معاویہ کے متعلق بعض حضرات کہتے ہیں کہ یزید کی خلافت حضرت معاویہ کے خلیفہ بنانے سے تھی اور صحابہ و مسلمانوں کی بیعت سے تھی تو قیاس کی رُو سے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یزید کی بیعت واجب تھی اور اسی طرح تمام مسلمانوں پر کہ وہ یزید کی بیعت کریں۔

مگر ہم یہ کہیں گے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عالم متدین تھے‘ فاسق نہ تھے ان میں دیانت تھی اور اگر وہ متدین نہ ہوتے تو ہرگز ان سے صلح نہ کی جاتی اور ان سے سوائے بغاوت کے اور کوئی بات نہیں پائی گئی۔ پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مصالحت کی‘ اس لیے کہ دورانِ بغاوت میں مسلمانوں پر ظلم نہیں کیا اور وہ مدعیٔ حق تھے اور اللہ کے دین میں اور لوگوں کے معاملات میں عادل تھے اور یزید اس کے برخلاف تھا اس لیے کہ مروی ہے کہ وہ شرابی تھا اور لہو ولعب کا رسیا تھا‘ گانے بجانے کا حکم کرتا تھا‘ حق داروں کے حق کو روکتا تھا اور فسق و فجور کرتا تھا۔

بعض فقہاء نے فرمایا کہ امام جب فسق و فجور میں مبتلا ہو تو بغیر عزل (معزول و برطرف کرنا) کے خود معزول ہو جاتا ہے‘ اس لیے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فاسق اہل شہادت نہیں اور جب وہ اہل شہادت نہیں تو اہل ولایت کس طرح ہوسکتا ہے اور اہل حکم (حکمران) کس طرح ہوسکتا ہے؟ اور امام کو جائز ہے کہ سوائے حدود کے اپنی ذاتی رائے اور ذاتی علم کی بناء پر حکم کرے‘ پھر فاسق جب کہ اس کا علم دوسروں پر بوجۂ شہادت کے نافذ نہیں تو ایسے ہی بوجۂ ولایت کے بھی نافذ نہیں ہوگا اس لیے کہ ولایت شہادت سے اقویٰ ہے۔

جب وہ فاسق مردود الشہادۃ ہے تو اس کی امارت و ولایت بھی ناجائز ہوگی۔ دوسری

Marfat.com

بات یہ ہے کہ یہ صحیح نہیں کہ حضرت معاویہ نے اس کو خلیفہ بنایا' دلیل یہ ہے کہ اگر اس کو خلیفہ بنایا ہوتا تو وہ عمرو بن العاص سے بیعت طلب نہ کرتا' پھر بیعت صحابہ و مسلمین یزید پر متفق نہیں' جیسے عبد اللہ ابن زبیر اور محمد بن حنفیہ اور حسین ابن علی اور بہت سے اہل بیت یزید پر متفق نہیں ہوئے۔ ثابت ہوا کہ وہ امام عادل نہ تھا۔ اس سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہرگز باغی نہ تھے اور انہوں نے امام برحق پر خروج نہیں کی' اس کی دلیل درج ذیل ہے:

یزیدیوں کو حضور نے باغی فرمایا تھا

جب حضرت امام حسین پیدا ہوئے تو حضورِ اقدس ﷺ آبدیدہ ہو گئے' عرض کیا گیا: حضور! آپ کے رونے اور گریہ فرمانے کا سبب؟ فرمایا: اس کو (یعنی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو) باغی جماعت قتل کرے گی۔ حضور ﷺ نے یزیدیوں کو "فئة باغية" (باغی گروہ) فرمایا اور ان کا نام باغی رکھا' ثابت ہوا کہ حضرت امام حسین حق پر تھے۔

یزید مستحق لعنت ہے؟

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ یزید پر لعنت جائز ہے یا نہیں؟

(۱) بعض نے کہا: لعنت جائز نہیں اس لیے کہ کئی سال تک مسلمانوں کا امام بنا رہا۔

(۲) بعض نے کہا کہ یزید پر لعنت جائز ہے' اس لیے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا کہ امام حسین کے قتل کو جائز رکھا اور اس پر راضی ہوا۔

(۳) اور بعض نے کہا کہ یزید نے لوگوں کو امام حسین کے قتل کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ حکم دیا تھا کہ ان سے بیعت لے لو یا ان کو اٹھا کر میرے پاس لے آؤ۔ ان خوشامدیوں اور بدبختوں نے اس کے حکم کے بغیر قتل کر دیا اور یہ بھی ثابت نہیں کہ وہ قتل حسین پر راضی ہوا۔ پس صحیح یہ ہے کہ اگر یزید نے قتل حسین کا حکم دیا اور ان کے قتل پر راضی ہوا اور اس نے اہل بیت پر لعنت کو جائز رکھا تو یزید پر لعنت جائز ہے ورنہ پھر نہیں۔

اور ایسے ہی جس نے قتل کیا اور قتل کو حلال نہیں سمجھا اس پر بھی لعنت جائز نہیں اور قتل حلال سمجھا تو وہ کافر ہے' اس پر لعنت بھی جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ جل شانہ' اعلم بحقیقۃ الحال

Marfat.com

نواں قول
عباسیوں کو خلافت سونپنے کا بیان

اہل سنت و جماعت فرماتے ہیں کہ خلافت بنی عباس کے لیے حق ہے اور ان کا حکم نافذ ہوگا۔

روافض اور مسئلہ خلافت

رافضیوں نے کہا کہ خلافت اولادِ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے لیے ہے، کسی کی خلافت قبول کرنا جائز نہیں اور وہ بنی عباس پر لعنت کرتے ہیں کہ انہوں نے خلافت قبول کیوں کی اور ان کے یہاں جب تک اولادِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مخالفوں پر لعنت نہ کرے، نماز جائز نہیں۔

اور (روافض) کہتے ہیں کہ لعنت کرنا ان پر واجب ہے اور جو ان سے دوستی کرے ان پر بھی لعنت واجب ہے اور یہ صحیح نہیں اس لیے کہ خلافت دو حال سے خالی نہیں، بطور وراثت ہو گی یا بطور تفویض ہوگی۔ اگر بطور توریث ہو تو عباس چونکہ حضور ﷺ کے چچا ہیں وہ بہ نسبت علی کے کہ وہ چچا زاد بھائی ہیں، خلافت کے زیادہ حق دار ہیں کہ چچا کے ہوتے ہوئے بھائی مستحق میراث نہیں اور اگر تفویض کے طور پر ہے تو خلافت حضرت صدیق اکبر کو سپرد کی گئی۔

خلافت میراث نہیں

پھر اس کی دلیل کہ خلافت میراث نہیں اس لیے کہ حضرت عباس و علی اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضرت صدیق اکبر کی بیعت کی، سب اس بیعت پر متفق تھے اور راضی تھے تو یہ چیز دلالت کرتی ہے کہ خلافت تفویضاً تھی، توریثاً نہ تھی۔

پھر جب امت کی طرف سے تفویض خلافت حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لیے جائز ہوتی تو امت کی طرف سے تفویض خلافت اولادِ عباس کے لیے بھی جائز ہوتی، اس لیے کہ یہ قریشی ہیں اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: ''الائمة من قريش'' خلفاء قریش ہوں گے۔

Marfat.com

پھر جب کہ اجماع امت حُجت ہے اور تفویض خلافت مستحقِ خلافت کو صحیح ہے تو اس میں کوئی فرق نہیں کہ صحابہ کرام تفویض کریں یا غیر صحابہ تفویض کریں، اس لیے کہ اجماعِ امت معتبر ہے بالاجمال تفصیل کی ضرورت نہیں۔ قرآن کریم میں ہے: ''وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا '' (البقرہ: ۱۴۳) اور اسی طرح ہم نے تم کو افضل امت بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول تم پر گواہ ہوں۔ اس میں صحابہ کرام اور غیر صحابہ کرام کی تفصیل اور فرق نہیں اور لفظ ''امت'' عام ہے' سب کو شامل ہے۔ اوّل سے آخر تک اور ایمان کے حق میں سب مساوی ہیں تو جب تفویض خلافت باجماع متقدمین صحیح ہوئی تو متاخرین کے اجماع سے بھی تفویض خلافت صحیح ہونا چاہیے' اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''لا تجتمع امتی علی الضلالة ''میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی۔

اور جب لوگوں نے اختلاف کیا ہے وہ غرضِ فاسد کی بناء پر کیا ہے وہ معتبر نہیں، جیسے دنیاوی غرض کے لیے اجماع معتبر نہیں' تو ثابت ہوا کہ روافض کا خلاف موجب طعن نہیں خلافت بنی عباس میں باوجود اولادِ علی کے اور اگر خلافت اولادِ علی کو ہوتی تو بھی جائز تھی ہم اس کے منکر نہیں۔

اولادِ علی اور بنی عباس میں سے مستحق خلافت کون؟

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ سے ابوجعفر دوانقی نے سوال کیا کہ مستحق خلافت اور اولیٰ بالخلافت کون ہے؟

امام صاحب نے فرمایا: جعفر بن محمد الصادق پھر جب امامت وخلافت صحیح ہوئی باوجود اس کے کہ ان سے بہتر موجود تھے اور اس لیے کہ امارت کی بناء قہر وغلبہ پر ہے' خصوصاً امام ابوحنیفہ کے نزدیک' تو جب امامت صحیح ہوئی تو ان کی امارت صحیح ہوئی اور جب امارت صحیح ہوئی تو تقلید وتولیت قضاء' نیابت' تمام اشغال واعمال میں صحیح ہوئی اور جمعہ وعیدین اور حج و جہاد ان کی معیّت میں جائز ہے اور ان کے جمیع احکام نافذ ہیں' جمیع معانی میں جس طرح خلفاء راشدین کے احکام نافذ تھے اور جب جمعہ وعیدین' حج اور جہاد کرنا اور جمیع احکام باغی کے ساتھ جائز ہیں تو عادل و مستحق کے ساتھ بہ طریق اولیٰ جائز ہیں۔

Marfat.com

اور بعض فقہاء نے فرمایا کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ کے بعد عادل و باغی کے درمیان پہچان نہ رہی اور لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے' اس لیے کہ اگر یہ بات صحیح ہو تو مسلمانوں کے تمام لشکروں پر بغاوت کا حکم جاری کیا جائے کیونکہ بعض نے بعض کے ساتھ مقاتلہ کیا تو چاہیے کہ بغاوت کی وجہ سے مسلمان لشکروں کا خون مباح ہو جائے اور یہ صحیح نہیں۔

اور بعض لوگوں نے کہا کہ امام جب تک مطاع نہ ہو اور اسے قہر و غلبہ حاصل نہ ہو' وہ امام نہیں ہوسکتا۔ ہم نے جواباً کہا: یہ صحیح نہیں کیونکہ طاعت امام لوگوں پر فرض ہے اور لوگ امام کی اطاعت نہ کریں تو وہ گنہگار ہوں گے اور ان کی نافرمانی اور عصیان امامت کو نقصان نہیں دیتے' پھر لوگوں کے تمرُّد و سرکشی کی وجہ سے امام کو غلبہ حاصل نہ ہو تو اس کی امامت کو ٹھیس نہیں لگتی' کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ابتداء اسلام کے وقت حضور ﷺ کی اطاعت سب نے نہیں کی اور دشمنوں پر غلبہ اور قہر بھی ممکن نہ تھا اور کافروں نے تمرُّد و سرکشی کی' آپ کی امداد اور نصرت دین سے اعراض کیا تو کیا ہوا؟ حضور کی امامت و سیادت میں کیا فرق آیا اور معاذ اللہ ثم معاذ اللہ نبوت سے معزول نہ ہوئے تو اسی طرح امام برحق کی کوئی مخالفت کرے تو امامت سے معزول نہیں کیا جا سکتا اس لیے کہ خلیفہ اور امام لامحالہ حضور کا خلیفہ و نائب ہوتا ہے اور ایسے ہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم تمام مسلمانوں کے مطاع نہیں تھے اور باوجود اس کے وہ معزول نہیں ہوئے تو جو ہم نے کہا وہ صحیح ہے اور بالفرض تمام مسلمان مرتد ہو جائیں' العیاذ باللہ' تو امام اپنی امامت سے معزول نہیں ہوتا تو اسی طرح ان کی عصیان و نافرمانی سے معزول نہیں ہونا چاہیے۔ پھر امراء و سلاطین کے تمام نائبین کی نیابت صحیح ہوتی ہے' اگرچہ وہ ظلم و جور کریں اور ان کا حکم نافذ ہوتا ہے' سوائے اللہ کی معیت کے قرآن پاک میں ہے: ''اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ'' (النساء:۵۹) اللہ اور رسول اور تم میں سے حکمرانوں کی پیروی کرو' تو جیسے امام کا امر واجب الاتباع ہے' اسی طرح اس کے نائب کا امر واجب الاتباع ہے' اس لیے کہ امام کا نائب شرع کی جانب سے بہ منزلہ امام کے ہوتا ہے۔ پھر امام کے امر کو ترک کرنا اور اس پر خروج کرنا عصیان و بدعت کا موجب ہے تو اسی طرح نائب کے حق میں عدم اطاعت امر اور بغاوت موجب بدعت و نافرمانی ہے۔ دلیل یہ ہے کہ محمد بن سلام نے عبدالرحیم ابن یزید قمی سے اور انہوں نے چالیس تابعین سے جنہوں نے

Marfat.com

ایک بدری یا دو بدریوں سے ملاقات کی، سب کے سب حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: سات (صفات) ہدایت کی ہیں اور ان میں نجات ہے، جو ان سے نکلا وہ جماعت سے خارج ہو گیا۔

کسی اہل قبلہ کی کفر وشرک اور نفاق پر گواہی نہ دو، ان کے باطن اور اندرونی معاملات کو اللہ کے سپرد کر دو اور جو اہل قبلہ سے مر جائے اس کی جنازے کی نماز نہ چھوڑو اور جمعہ اور پنجگانہ نمازیں باجماعت ہر امام کے ساتھ ادا کرو اور ہر خلیفہ کے ساتھ ہو کر جہاد کرو، خواہ نیک ہو یا بد تم کو تمہارے جہاد کا ثواب ملے گا اور ان کو ان کے گناہ کی سزا ملے گی اور اپنے امام پر تلوار لے کر خروج نہ کرو اگرچہ وہ جور کریں اور ان کے لیے صلاح وفلاح (نیکی وکامیابی) اور عفو ومغفرت (درگزر وبخشش) کی دعا کرتے رہا کرو اور ان کے حق میں بددعا نہ کرو اور خواہشاتِ نفسانی سے پرہیز کرو، اس لیے کہ اس کا اوّل وآخر آغاز وانجام باطل اور بُرا ہے۔

اور نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ فرمایا: جس نے میری اطاعت کی، اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی، اس نے خدا کی نافرمانی کی اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی، اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی او اور نبی کریم ﷺ احوالِ امت کو جانتے تھے اور خداوند تعالیٰ نے حضور ﷺ کو مُبین بنا کر بھیجا ہے اور حضورِ اقدس ﷺ جو کچھ فرماتے ہیں، حق فرماتے ہیں اور اس لیے کہ نفی امارت میں اور اس کے چھوڑنے میں احکام کی نفی ہے اور احکام کی تعطیل ہے اور بنو عباس کی خلافت پر امت کا اجماع واتفاق ہے تو ضروری ہوا کہ ان کی خلافت حق ہو اور ان کے اوامر ونواہی اور احکام نافذ ہوں اور اس کی اصل (دلیل) یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کو جامۂ امارت پہننے کی خبر دی اور ان کو امارت کی خوشخبری دی تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ (امارت) ان کا حق تھا۔

Marfat.com

بارہواں باب

اہل السنّت والجماعت اور بدعتیوں کے ردّ کا بیان

اس میں سولہ اقوال ہیں۔

پہلا قول

اس بارے میں کہ دین صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے

ہدایت کا طالب ابوشکور سالمی کہتا ہے کہ دین صرف اور صرف اور خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ'' (البینہ: ۵) ''اور انہیں صرف اس بات کا حکم دیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں، دین کو اسی کے لیے خالص کرتے ہوئے'' اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ'' (الزمر: ۳) ''آگاہ ہو جاؤ! دین خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہے''۔

پھر دین (اسلام) یہ اللہ تعالیٰ، فرشتوں، رسولوں، نبیوں، اولیاء اللہ اور تمام مسلمانوں کا دین ہے اور جو ان تمام سے جدا ہوا وہ دین سے بھٹکنے والا ہوگا، اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا'' (آل عمران: ۱۰۳) ''اور تم سب اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقہ میں نہ پڑو'' یعنی اللہ تعالیٰ کے دین، سنت و جماعت سے جدا نہ ہو جاؤ۔

بہرحال سنت و جماعت سے جدا ہونا بدعت اور گمراہی ہے اور بدعت و گمراہی والا دوزخیوں میں سے ہوگا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلیل ہے: ''وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ تَفَرَّقُوْا'' (آل عمران: ۱۰۵) ''کہ تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو جدا ہو گئے''۔ پھر فرمایا:

Marfat.com

"اُولٰٓئِکَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ" (آل عمران:۱۰۵) "یہی لوگ ہیں جن کے لیے بڑا عذاب ہے"۔

اور نبی کریم ﷺ سے روایت ہے کہ عنقریب میری امت میرے بعد تہتر (۷۳) فرقوں میں بھٹ جائے گی سوائے ایک کے سب دوزخی ہیں' تو وہ ایک (فرقہ ناجیہ) اہل السنّت والجماعت ہیں۔

اور حضرت عبداللہ بن عمر نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: میری امت گمراہی پر کبھی بھی جمع نہیں ہوگی اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت کے ساتھ ہے اور اسی طرح جماعت پر ہے' پس تم بڑی جماعت کی پیروی کرو۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ایک دن اپنے دونوں ہاتھوں میں ایک سیدھی لکیر کھینچی اور فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کا دین ہے' پھر (ہتھیلی کے) دائیں اور بائیں کئی خط کھینچے اور فرمایا: یہ کئی راستے ہیں اور ان میں سے ہر راستے پر شیطان ہے جو اپنی طرف دعوت دیتا ہے' پھر آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد تلاوت فرمایا: "وَاَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْہُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمْ عَنْ سَبِیْلِہٖ" (الانعام:۱۵۳) "بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے' اس پر چلو اور دوسرے کئی راستوں پر نہ چلو کہ یہ تمہیں سیدھے راستے سے جدا کر دیں گے"۔

پھر سوادِ اعظم (بڑی جماعت) کے اصول رسول اللہ ﷺ کے اصحاب' ان کے پیرو تابعین اور تبع تابعین ہیں' جیسے حضرت ابوسعید خدری' حسن بن ابوسعید بصری' سفیان ثوری' اوزاعی' علقمہ اسود' ابراہیم نخعی' شعبی' مالک' حماد بن ابولیلیٰ' امام ابوحنیفہ اور متأخرین اور ان کے شاگردوں میں سے جنہوں نے ان کی پیروی کی' جیسے ابویوسف قاضی' محمد بن حسن شیبانی' زفر' حسن بن زیاد' داؤد طائی' محمد بن ادریس شافعی اور ابوعبداللہ مزنی اور خراسان کے فقہاء میں سے جیسے ابومطیع بلخی' ابوسلیمان جرجانی' ابوحفص الکبیر بخاری' شقیق بن ابراہیم اور ابراہیم بن ادھم یہ سب امام جعفر بن محمد صادق اور امام ابوحنیفہ کے شاگرد تھے۔

اور فقہاء دین میں سے جس نے ان کی پیروی کی اور رسول اللہ ﷺ کے زمانہ سے آج تک کہ مسلمانوں میں سے ایک جماعت اور انہوں نے صحابہ کرام اور ان کے علاوہ ایک

Marfat.com

جماعت کی زبان اور ہاتھوں سے دین کو بغیر کسی تنازع اور اختلاف کے لیا۔ پھر یہ اس بات پر دلیل ہے کہ اہل السنّت والجماعت یہی مذکورہ شخصیات ہیں یعنی صحابہ کرام ائمہ اور مسلمین اور ائمہ میں سے جنہوں نے ان کی پیروی کی کیونکہ اہل اھواء اور اہل بدعت بہتر (۷۲) فرقوں میں تقسیم ہو گئے اور ان میں سے ہر فرقہ جب ایک مسئلہ میں اختلاف کرے گا تو اکہتر (۷۱) فرقے ہمارے ساتھ اس بات پر اتفاق کریں گے کہ ایک فرقہ ان کے مقابلہ میں خطاء کار ہے اور اپنے دین میں نئی چیز نکالنے والا ہے۔

اور اسی طرح جب دوسرا فرقہ کسی مسئلہ میں اختلاف کرے گا تو پہلا فرقہ اپنی خطا اور بدعت میں ہمارے ساتھ موافقت کرے گا۔

ایک کی مخالفت ایک مسئلہ میں معتبر نہیں، اسی پر رد کر دیا جائے گا تو ثابت ہوا کہ اہل سنت و جماعت صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین اور ان کے متبعین کے ساتھ ہیں، قیامت تک فقہاء سے اور مسلمانوں سے اور متابعت و موافقت متحقق ہے، ہمارے مشائخ وائمہ ہدیٰ بلاد شرق و چین میں فقہاء خراسان اور ماوراء النہر اور بلاد غزنیہ اور دیارِ ترک میں اور ان سب کے ایک ہی طریق اور ایک وتیرہ پر قواعد دین اور ارکانِ اسلام ثابت کیے ہیں، اپنی حجتوں اور کتاب و سنت اور سیرت صحابہ و تابعین کے دلائل کے ساتھ، جن کا ذکر پہلے ہو چکا اور ان کے نام بھی بتا دیئے گئے، یہی سبیل اللہ (اللہ کا راستہ) پہلی سبیل مرسلین اور سبیل مسلمین ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ'' (یوسف: ۱۰۸) آپ فرما دیجئے: یہ میری راہ ہے میں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں، میں اور میرے پیروکار دل کی آنکھیں رکھتے ہیں۔ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ تم فرما دو کہ یہ میرا دین ہے جو کہ حجت، رؤیت، دلیل، نور، ضیاء اور بصیرت پر مبنی ہے پھر جو بغیر حجت کے راہ اختیار کرے گا وہ گمراہ ہو گا اور خطاء کار و مبتدع ہو گا۔

دوسرا قول
بدعت کا حکم کیا ہے؟

اہل سنت و جماعت فرماتے ہیں: بدعت حرام ہے اور اس پر قائم رہنا فسق میں مبتلا

Marfat.com

رہنے سے بُرا ہے۔

مبتدع پر لعنت اور اس کی بے عزتی کرنا جائز ہے۔ نوح بن ابی مریم' ابوزید قمی سے اور وہ سعید ابن جبیر سے' وہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے اللہ کے لیے عمل کیا جماعت میں' اگر وہ عمل درست ہے تو اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے اور اگر خطا کی تو اللہ معاف کر دیتا ہے اور جس نے اللہ کے لیے کوئی عمل انفرادی طور پر کیا تو اگر وہ درست ہوا تو اللہ اسے قبول نہیں کرے گا اور اس نے خطا کی تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں ڈھونڈے۔

اور اوزاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: ابلیس نے اپنے لشکر سے کہا: تم بنی آدم کے پاس کس طرح آتے ہو؟ لشکریوں نے جواباً کہا: ہم ہر طرح سے ان کے پاس آتے ہیں مگر وہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے ہیں' اللہ تعالیٰ ان کو توحید کی حرمت سے بخش دیتا ہے۔ ابلیس نے کہا: میں انہیں ایسے گناہ میں ڈالتا ہوں کہ وہ توبہ کو نہ دیکھیں گے اور خواہشات ان میں ثابت ہو جائیں گی (یعنی خواہشاتِ نفسانی کے پیرو ہو کر یہ سمجھیں گے جو ہم کر رہے ہیں درست ہے)۔

کیا بدعت فسق سے بَری ہے؟ یہ جو ہم نے کہا کہ بدعت فسق سے بَری ہے' اس لیے کہ فاسق اپنے فسق پر اصرار نہیں کرتا اور اپنے اوپر توبہ کو واجب جانتا ہے' مبتدع اپنی بدعت پر مصر رہتا ہے اور اس بدعت کا معتقد ہوتا ہے اور توبہ کو واجب نہیں جانتا' اس لیے کہ وہ اپنی بدعت کو حق گمان کرتا ہے۔ فسق میں رہنا شیعہ ہونے سے اچھا ہے؟ کم بُرا ہے۔

ابن الحصین نے اپنے بھتیجے کو جب وہ اپنے فسق سے تائب ہو کر شیعیت میں داخل ہوا تو کہا: پہلی حالت اچھی تھی۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ عفیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی کریم ﷺ سے راوی ہیں کہ حضور نے فرمایا: جس نے بدعتی کی عزت کی اس نے گویا اسلام کے منہدم کرنے پر اعانت کی' نیز حضور ﷺ نے فرمایا: جس نے اسلام میں نئی بات کا احداث کیا یا بدعتی کو اپنے یہاں ٹھہرایا اور پناہ دی' اس پر اللہ' فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے' اللہ تعالیٰ اس کے فرض کو قبول کرے اور نہ نوافل مقبول ہوں۔ نیز حضور ﷺ نے فرمایا: تین آدمیوں کے عیب بیان

Marfat.com

کرنا عیب نہیں: فاسقِ معلق ومبتدع اور ظالم بادشاہ۔

نیز حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اترغبون عن ذکر الفاجر اذکروا الفاجر بما فیہ کی یحذرہ الناس '' کیا تم فاجر کے ذکر سے اعراض کرتے ہو؟ فاجر میں جو عیب ہیں ان کا چرچا کرو تاکہ لوگ اس سے حذر کریں پس جو ہم نے کہا وہ صحیح ہے۔

تیسرا قول

اہل بدعت کے ساتھ مناظرہ کرنے کا بیان

اہل سنت و جماعت فرماتے ہیں کہ اہل بدعت و اہل اھواء کے ساتھ مناظرہ ومجادلہ جائز ہے۔

اور اہل ظواہر کہتے ہیں کہ جائز نہیں' اس لیے کہ صحابہ کرام نے اس بارے میں کچھ نہیں فرمایا' اگر جائز ہوتا تو وہ بھی شروع کرتے اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جھگڑا چھوڑ دے اگر چہ تو حق پر ہو۔اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام کے زمانۂ مبارک میں مبتدعین نہ تھے' اس لیے وہ مناظرہ میں شروع نہ ہوئے اور ان کے پاس تلوار تھی' کفار سے جہاد کرتے تھے اور ہمارے زمانہ میں مبتدعین کثرت سے پیدا ہو گئے اس لیے مناظرہ کی ضرورت ہے اور مروی ہے کہ حضرت خلیفہ اوّل ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ نے ''مسئلہ قدر'' میں حضرت خلیفہ ثانی عمر ابن خطاب فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مناظرہ کیا' اس کی تفصیل سے پہلے ذکر ہو چکا ہے' اگر مناظرہ ناجائز ہوتا تو شیخین کریمین مناظرہ نہ فرماتے۔

اور حدیث ''دع المرا وان کنت محقا '' آدمی کو چھوڑ دے اگر چہ تو سچا ہو' کا جواب یہ ہے کہ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ مناظرہ اظہارِ حق کے لیے ہوتا ہے اور جب حق ظاہر ہو گیا تو جھگڑے کی ضرورت نہیں اور نہ مناظرہ اور حق ظاہر ہو جانے کے بعد بھی خصم حق کو قبول نہ کرے اور توبہ نہ کرے تو تلوار سے مقابلہ کیا جائے' جھگڑا ظہورِ حق کے بعد جائز نہیں اور مبتدعین سے مناظرہ کے جواز کی دلیل یہ ہے: ''وجادلھم بالتی ھی احسن '' (النحل:۱۲۵) اور ان سے احسن طریقے سے مجادلہ کریں۔دوسری دلیل ''وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَھْلَ الْکِتٰبِ اِلَّا

Marfat.com

بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ''(العنکبوت:۴۶)اور ان سے مجادلہ نہ کریں مگر احسن طریقے سے۔اللہ تعالیٰ نے مجادلہ مباح فرمایا' مگر صفت مذکور یعنی'' بالتی ھی احسن ''احسن اسلوب کے ساتھ۔تیسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:''وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَیْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَیْنِ قُلْ ءٰ الذَّكَرَیْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَیَیْنِ ''(الانعام:۱۴۴)اور ایک جوڑا اونٹ کا اور ایک جوڑا گائے کا' آپ فرماؤ کیا اس نے دونوں نر حرام کیے یا دونوں مادہ' اور یہ مناظرہ نہیں تو اور کیا ہے؟

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے مجادلہ کیا' فرمایا:''قَالُوْا یَا نُوْحُ قَدْ جَادَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا ''(ھود:۳۲)انہوں نے کہا: اے نوح! آپ نے ہم سے مجادلہ کیا اور بہت زیادہ مجادلہ کیا۔

حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے نمرود بن کنعان سے مناظرہ کیا' اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے مناظرہ کی خبر دی:''اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرَاهِیْمَ فِیْ رَبِّهٖ اَنْ اٰتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ اِذْ قَالَ اِبْرَاهِیْمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ قَالَ اِبْرَاهِیْمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ''(البقرہ:۲۵۸)اے محبوب! کیا تم نے اس کی طرف نہیں دیکھا جو ابراہیم سے اس کے رب کے بارے میں جھگڑا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بادشاہی دی' جب ابراہیم نے کہا کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے' اس نے کہا: میں بھی زندہ کرتا اور مارتا ہوں' ابراہیم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق سے لاتا ہے تو مغرب سے لا' تو حواس باختہ ہو گیا جس نے کفر کیا۔

علم کو چھپانے والا بہت بڑا مجرم ہے

جابر بن عبد اللہ سے رسول کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جب آخری میری امت پہلی امت میری کی نفی کرے تو جس کے پاس علم ہو' وہ اپنے علم کا اظہار کرے' اس وقت علم کا چھپانے والا ایسے ہے جیسے میری وحی کو چھپانے والا۔

حضرت حماد ابن ابی حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے والد امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ اگر میں علم کلام کو نہ سیکھوں تو کیا مجھے نقصان ہو گا؟ فرمایا: من وجہ نقصان ہو گا اور من وجہ نقصان نہ ہو گا۔قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مجھ سے یہ سوال نہیں کرے گا کہ علم کلام کیوں نہیں سیکھا؟ اس لحاظ سے تو نقصان نہیں اور اس حیثیت سے کہ

Marfat.com

جب تم علم کلام نہیں جانو گے تو لوگوں سے مناظرہ نہیں کر سکو گے' اس پہلو سے نقصان ہے۔

اور حضور ﷺ نے فرمایا: اسلام کی مضبوط ترین گرہ ''الحب فی اللہ و البغض فی اللہ'' ہے یعنی اللہ کے لیے محبت ہو اور اللہ کے لیے بغض ہو اور جب تک تم مبتدع اور غیر مبتدع کو نہ پہچانو گے تو کیسے اللہ کے لیے محبت کرو اور اللہ کے لیے بغض کرو گے؟

اے بیٹے! اس کی مثال اس کنویں کی سی ہے جو اوپر سے ڈھکا ہوا ہو اور جب تک تجھ کو علم نہ ہو تو تو کنویں میں گر جائے گا۔

پھر فرمایا: اے عالم! لوگ مجھے کہتے ہیں: اصحابِ رسول ﷺ علم کلام نہیں جانتے تھے' تو اے متعلم! تو اس کا جواب دے کہ اصحابِ رسول ﷺ کے دروالے پر دشمن تلوار سونت کر نہیں حاضر ہوتا تھا اور ہماری یہ حالت ہے کہ دشمن شمشیر بکف ہو کر ہمارے دروازہ پر حاضر ہوتا ہے تو جس کے دروازہ پر دشمن ننگی تلوار لے کر آ جائے تو اس پر واجب ہے کہ اس کے مقابلہ کے لیے تیار ہو جائے اور جس کے دروازہ پر دشمن تلوار سونت کر حاضر نہ ہو تو اس پر جنگ کی تیاری واجب اور ضروری نہیں ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب اہل قدر سے ملاقات ہو تو پہلے سوال کرو' معلوم ہوا کہ اہل بدعت سے مناظرہ جائز و مباح ہے اور اگر ھواء اور اہل بدعت اور دوسرے کافروں سے مناظرہ اور مجادلہ جائز نہ ہوتا تو یہ مذاہب باطلہ اہل اسلام پر غالب آ جاتے اور حق و باطل میں فرق ظاہر نہ ہوتا' اس لیے کہ حق دلیل و حجت کے ظاہر ہونے سے ظاہر ہوتا ہے اور دلیل و حجت کا اظہار مناظرہ سے ہوتا ہے' لہٰذا بوقت ضرورت مناظرہ جائز ہے اور اس غرض سے علم کلام و علم مناظرہ' علم مجادلہ پڑھنا پڑھانا جائز ہے' بلکہ فی زمانہ ضروری ہے۔ واللہ تعالیٰ جل شانہ اعلم

چوتھا قول

اہل اھواء اور اہل بدعت کی تکفیر کا بیان

بعض فقہاء نے کہا کہ بدعت کفر ہے اور مبتدع کافر ہے' اس لیے کہ بدعت حرام ہے

Marfat.com

اور جس نے بدعت کا اعتقاد کیا تو اس نے حرام کو حلال جانا اور جس نے حرام کو حلال جانا وہ کافر ہے۔

اور بعض نے کہا: مبتدع کافر نہیں۔ دلیل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اہل اھواء کی گواہی مقبول ہے تو جب ان کی گواہی مقبول ہے تو ثابت ہوا کہ وہ مسلمان ہیں۔

اور محمد ابن حسن رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: مبتدع کے پیچھے نماز جائز ہے، مگر مکروہ تحریمہ ہے، اس لیے کہ اس نے بدعت کو اپنے زعم میں حق سمجھا اور حلال جانا اور دوسری دلیل یہ ہے کہ وہ مؤول ہے اور تاویل سے اس مسئلہ کو حلال جانا، لہٰذا تکفیر نہیں کی جائے گی۔

اور بعض نے کہا کہ جب اس کی خطاء ظاہر ہو جائے اور توبہ نہ کرے، اپنے اس اعتقاد سے تو تکفیر کی جائے گی اور صحیح یہ ہے کہ تکفیر مطلقاً جائز نہیں، اس لیے اہل اھواء اور اہل بدعت کے احوال مختلف ہیں اور اہل اھواء کئی قسم کے ہیں تو بعض جگہ ان کی تکفیر کی جائے گی اور بعض مسائل میں ان کی تفسیق کی جائے گی اور بعض حالتوں میں بدعت سیئہ ہو گی، اس سے توبہ واجب ہو گی۔ بعض مسائل میں بدعت حسنہ ہو گی تو توبہ کی بھی ضرورت نہیں۔

ہم کہتے ہیں: بدعت کے بارے میں پانچ وجہ پر کلام کیا جائے گا:

(۱) ایک کلام اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے متعلق۔

(۲) دوسرے کلام اللہ تعالیٰ کے کلام کے بارے میں۔

(۳) تیسرے کلام خدا کے قضاء وقدر میں۔

(۴) چوتھے کلام بندوں کے افعال کے بیان میں۔

(۵) پانچواں کلام اصحابِ رسول ﷺ کے متعلق۔

تو جو شخص اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں یا کلام اللہ میں یا قضاء وقدر میں ناحق کلام کرے تو وہ بلا خلاف کافر ہے اور جو بندوں کے افعال میں یا اصحابِ کرام کے بارے میں کلام کرے تو اگر نص صریح یا خبر متفق علیہ یا اجماع کے خلاف ہے تو بلا خلاف کافر ہے اور اگر اس کا کلام قیاس، خبر واحد کے خلاف ہے یا تاویل کرتا ہے تو محل تاویل میں بایں حیثیت کہ

Marfat.com

شبہ کی گنجائش ہے تو یہ موجب کفر نہیں' بدعت سیئہ ہوگی' اس سے توبہ واجب ہے۔

لیکن بدعت حسنہ جیسے قرآن پاک کو روانی اور غناء کے ساتھ پڑھنا جب کہ حد قراءت سے نہ نکلے' قرآن پاک کا جمع کرنا' قرآن پاک کا لکھنا' قرآن پاک کو تیس پاروں میں تقسیم کرنا' قرآن پاک پر اعراب لگانا' رکوع و منزل اور رموز لکھنا' اذان غنا (گا کر) کے ساتھ دینا' جب کہ حد سے باہر نہ ہو۔ یہ سب بدعت ہیں مگر بدعت حسنہ کہ (ان سے) توبہ واجب نہیں۔

پھر اہل اھواء اور اہل بدعت سے جنگ و قتال کرنا جب کہ ان کی بدعت حد کفر تک پہنچے تو اگر رجوع کر لیں اور توبہ کر لیں تو فبہا (بہتر) ورنہ سب کا قتل کرنا مباح ہے اور اگر توبہ کر لیں اور تجدید اسلام کر لیں تو ان کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور بعض نے کہا: سب کی توبہ قبول کی جائے گی مگر رافضیوں اور شیعوں میں سے جو اباحیہ اور غالیہ ہیں ان کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی' ایسے ہی قرامطہ اور زنادقہ فلاسفہ کے فرقے ہیں کہ ان کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی بلکہ توبہ کے بعد بھی قتل کر دیا جائے گا' جیسے توبہ سے پہلے قتل کیا جاتا' اس لیے کہ وہ صانع (پیدا کرنے والا) کے معتقد نہیں تو توبہ کس کی بارگاہ میں کریں گے؟

اور بعض نے کہا: اگر پکڑنے سے پہلے اور اپنی بدعت کے اظہار سے قبل تائب ہو جائیں تو توبہ قبول کر لی جائے گی اور اگر گرفتار کرنے اور اظہارِ عقائد کے بعد توبہ کریں تو توبہ قبول نہیں کی جائے گی' قتل ہی کیے جائیں گے' یہی امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔

کیا بدعتی پر ٹیکس لگایا جائے؟

اور مبتدع پر جزیہ مقرر نہیں کیا جائے گا' اگرچہ کافر ہے بدعت حد کفر تک پہنچی ہو اور نہ ان کو غلام بنایا جائے اور جب بدعت موجب کفر نہ ہو تو زجر و توبیخ اور منع واجب ہے اور تعزیر جس قدر ممکن ہو کی جائے کہ تعزیر سے وہ (بدعت سے) باز آ جائیں گے اور اگر بغیر قید کرنے اور کوڑے لگانے کے زجر و منع ناممکن ہو تو حبس (نظر بند) اور زدوکوب کرنا جائز ہے۔

بدعتیوں کے سرغنے اور لیڈر کو قتل کر دو

اور ایسے ہی بغیر تلوار کے باز آنا ناممکن ہو تو اگر وہ اس فرقہ کا سرغنہ اور رئیس و لیڈر رہے

Marfat.com

اوران کا مقتداء ہے تو اسے بدعات سے باز رکھنے کے لیے از روئے سیاست قتل کرنا روا اور جائز ہے اور ایسے ہی اہل شہر (اسلامی شہروں میں سے) دارالاسلام میں جب جمعہ وعیدین اور جماعت ترک کردیں یا اذان واقامت ترک کردیں یا حکم وقضاء (عدالتی نظام اور فیصلوں) کو ترک کردیں یا قراءت قرآن مجید کو ترک کردیں تو ان کو تکلیف دی جائے اور اگر زجر وتوبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ وغیرہ کی پرواہ نہ کریں تو تلوار سے سیدھے کیے جائیں۔ سو اگر ان کو قتل کردیا تو گناہگار نہ ہوں گے اور ان کے قتل میں مضائقہ نہیں۔

اور ایسے ہی اگر کوئی شخص نماز' روزہ' جمعہ' جماعت اور عیدین' اذان واقامت اور قراءت قرآن وغیرہ احکامِ مذکورہ میں کسی ایک کو چھوڑ دے تو اس کو تکلیف دی جائے اور اگر وہ زجر و توبیخ اور تہدید سے بھی باز نہ آئے اور اس کو قتل کردیا جائے تو اس کا خون ساقط ہے' قصاص نہیں لیا جائے گا۔

اور مہتدی ابوشکور سالمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے شیخ امام زاید ابوبکر محمد ابن حمزہ خطیب سمرقند سے ۴۶۵ء کے لگ بھگ سنا' جب کہ ان سے فقہ پڑھتا تھا اور ان سے ''کتاب السرقہ'' وغیرہ پڑھیں۔

جب قطاع الطریق (ڈاکوؤں) کے متعلق مسائل واحکام بیان فرمائے جو اس آیت کریمہ کا معنیٰ تھا: ''اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ...... اِلٰی عَذَابٌ عَظِیْمٌ'' (المائدہ:۳۳) بے شک ان لوگوں کی جزاء جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں ''عذاب عظیم'' تک۔ تو فرمایا: (امام صاحب نے) ڈاکو اگر بغاوت سے راستہ کی ناکہ بندی کردے' پھر فرمایا: میں نے شیخ الاسلام رکن الدین والاسلام شمس الائمہ ابومحمد عبدالعزیز احمد بخاری رحمہ اللہ سے ذکر کیا' انہوں نے اپنی ''امالی'' میں ذکر کیا کہ ڈاکو جب راستہ بند کر دے اور مال لوٹ لے اور قتل نہ کرے اور اپنے خروج (بغاوت) سے راستہ منقطع (ناکہ بندی سے) نہ کرے تو سلطان (بادشاہ) کو از روئے سیاست اور زجراً اس کا قتل کردینا جائز ہے اور اس معنیٰ میں ہم کہتے ہیں کہ بدعتی جب بدعت کی دعوت دے اور لوگوں کو بدعت کی طرف بلائے اور اس سے ملک میں بدعت پھیلنے کا اندیشہ ہے تو اگرچہ اس کے کفر کا حکم نہیں دیا جائے گا لیکن سلطان کو حق پہنچتا ہے کہ زجراً وسیاسۃً اس کو قتل کردے' اس لیے کہ اس کا فساد بڑھ گیا

Marfat.com

عام ہو گیا اور مؤثر فی الدین ہے' لوگوں کا دین خراب کرے گا اور جب بدعت کفر کے درجہ میں ہو تو اس کا قتل عام جائز ومباح ہے اور اگر بدعت درجہ فسق میں ہو تو ان کا قتل عام مباح نہیں بلکہ جوان کا رئیس و سردار اور سرغنہ اور معلم ہو تو قتل کر دیا جائے' زجر وامتناع کے لیے اہل سنت و جماعت کے نزدیک اہل قبلہ کا خون بہانا مباح نہیں' مگر تین باتوں میں سے اگر کوئی بات پائی جائے تو قتل جائز ومباح ہے: (۱) ایمان کے بعد مرتد ہو جائے (۲) احصان کے بعد زنا کا مرتکب ہو (۳) یا ناحق مسلمان کو قتل کرے۔

اور معتزلہ کے نزدیک اہل قبلہ کا قتل چار باتوں میں سے کوئی بات پائی جائے تو مباح ہے: (۱) گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو (۲) بدعت پیدا کرے (۳) سلطان پر تلوار سونتے (۴) یا فرائض میں سے کسی فرض کو معطل کر دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

پانچواں قول

فرقوں کا بیان

جان لو کہ دین جماعت کے ساتھ ہے اور جماعت سوادِ اعظم ہے۔

سوادِ اعظم کون ہیں؟

اور سوادِ اعظم جبر وقدر' تشبیہ وتعطیل اور نصب ورفض کے درمیان ہے۔

اہل سنت کون ہیں؟

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ اہل سنت و جماعت کون ہے؟ فرمایا: جس میں نصب ورفض' جبر وقدر اور تشبیہ وتعطیل نہ ہو' وہ سوادِ اعظم ہے۔

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ امام جعفر ابن محمد صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ اے ابن رسول ﷺ! کیا اللہ تعالیٰ نے تمام اُمور بندوں کے سپرد کر دیئے ہیں؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ اجل واعلیٰ (بلند وبالا) ہے کہ ربوبیت بندوں کے سپرد کر دے۔

پھر سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر جبر کرتا ہے؟

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اعدل ہے کہ بندوں کو مجبور کرے اور پھر ان کو عذاب دے۔

Marfat.com

عرض کیا: پھر کیا معاملہ ہے؟

فرمایا: بین بین ہے، نہ جبر ہے، نہ تفویض اور نہ اکراہ ہے، نہ تسلیط۔

نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اکہتر فرقوں میں بٹ گئے، سب فرقے جہنمی ہیں اور میری امت کے میرے بعد تہتر فرقے ہو جائیں گے، ایک کے سوا سب ناری ہیں۔ عرض کیا گیا: وہ ایک فرقہ ناجیہ کون سا ہے؟ فرمایا: جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں، آج کے دن جو اس طریق پر قائم ہو گا وہ نجات پانے والا فرقہ ہے۔

حضور ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کے بعد اکہتر فرقے ہو گئے اور عیسیٰ علیہ السلام کے بعد بہتر فرقے ہو گئے اور میرے بعد میری امت کے تہتر فرقے ہو جائیں گے، ایک فرقے کے سوا سب جہنمی ہوں گے اور روایت کیا گیا ہے کہ حضورِ اقدس نے فرمایا: بہتر فرقے ہلاک ہو جائیں گے اور ان میں سے ایک فرقہ ناجی ہو گا۔ نیز مروی ہے کہ بہتر فرقے ناری ہوں گے اور ایک جنت میں اور یہ بھی مروی ہے کل جنتی ایک ناری عرض کیا گیا: ناری کون ہے؟ فرمایا: قدریہ۔ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ قدریہ خدائے قدوس کی وحدانیت کے منکر ہیں۔

اور عبداللہ ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: ''اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ'' (القمر: ۴۷) بے شک مجرم گمراہی اور دیوانگی میں ہیں۔ یعنی دنیا میں گمراہی میں، آخرت میں جہنم میں ''اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ'' (القمر: ۴۹) ہم نے ہر چیز ایک اندازے سے پیدا کی، اور قدریہ فرقہ اس کے منکر ہیں، اس سے پتا چلا کہ قدریہ کفار ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ابلیس نے چالیس دن تک سمندر میں غوطہ لگایا اور ساتویں سمندر میں غوطہ لگایا، ھاویہ میں داخل ہو کر درکات جہنم کو دیکھا اور ہر قوم کے ''درکہ'' کو دیکھا: مالک علیہ السلام نے بہ حکم الٰہی اس کو علم و علامت دی اور اس کو بہتر رقعے دیئے، ہر رقعہ پر ہر بدعت کا نام لکھا۔ ابلیس نے ان رقعوں کو لے کر ان اہل بدعت میں پھیلا دیا، پھر یہ فرقے بہتر ہیں اور یہ چھ فرقوں سے نکلے ہیں: رافضیہ، ناجیہ، قدریہ، جبریہ، مشبہہ، معطلہ۔ پھر ہر صنف سے بارہ فرقے نکلے تو یہ بہتر فرقے ہو گئے، ہم ان کے اصل اور

Marfat.com

اعتقاد کو ذکر کریں گے اور ان کے نام بھی ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

چھٹا قول
روافض کا بیان

رافضی کہنے کی وجہ

جاننا چاہیے کہ ان کو رافضی کیوں کہا جاتا ہے؟ اس لیے کہ انہوں نے دینِ اسلام کے بنیادی اصولوں کو توڑا ہے' خداوند تعالیٰ نے ان کا نام کفار رکھا ہے' جیسا کہ قرآن حکیم میں فرمایا: ''لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ '' (الفتح:۲۹) تا کہ ان کے ذریعے کافروں کے دل جلیں اور نبی کریم ﷺ نے ان کا نام مشرکین رکھا' فرمایا: میرے بعد ایک قوم نکلے گی' ان کو رافضی کہا جائے گا' جب تم ان سے ملاقات کرو ان کو قتل کر دینا' اس لیے کہ وہ مشرک ہیں۔ ان رافضیوں کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض کفریہ اقوال ہیں' بعض فسق و بدعت ہیں' ہم ان کے اقوال بالتفصیل بیان کرتے ہیں۔

بعض (رافضیوں) کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی آسمان سے اترے اور صورت لاہوتیہ سے نکل کر صورت ناسوتیہ کو اختیار کیا اور ایسے افعال کیے جن سے ربوبیت ثابت ہوتی ہے۔ پھر اپنی یعنی آسمان پر چڑھ گئے' اس قوم نے حضرت علی کو خدا کہا تو حضرت علی نے ان کو جلا دیا اور جو لوگ باقی رہ گئے' انہوں نے اعتقاد کیا کہ حضرت علی خدا نہ ہوتے تو آگ کا عذاب نہ دیتے' اس عقیدہ والے کافر ہیں' اس میں کسی کو اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔

اور بعض نے کہا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نبوت میں حضور ﷺ کے شریک تھے اور یہ عقیدہ کفر ہے' اس لیے کہ جو نبی کا انکار کرے تو وہ کافر ہے اور جو نبی نہیں اور اس کو نبی مانے تو وہ بھی کافر ہے اور جو شخص غیر نبی کو نبوت میں شریک کرے' وہ بھی کافر ہے۔

بعض کا عقیدہ یہ ہے کہ نبوت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے تھی مگر جبرئیل خطاء اور غلطی سے نبی کریم ﷺ پر وحی نازل کر گئے اور جبرائیل حضور کی صداقت کی وجہ سے حضور کی طرف مائل ہو گئے اور یہ کفر ہے اور بعض کا عقیدہ یہ ہے کہ نبوت حضرت آدم علی نبینا وعلیہ

Marfat.com

السلام سے لے کر قیامت تک متصل ہے اور یہ بھی کفر ہے۔

اور بعض نے کہا: جو اہل بیت کے علم کا حامل ہے' خواہ نبوت کا دعویٰ کرے یا اپنی نبوت کا اظہار نہ کرے' یہ عقیدہ بھی کفر ہے۔

بعض کا عقیدہ ہے کہ زمانہ کسی وقت امام سے خالی نہیں ہوتا اور امام اولادِ حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہوتا ہے اور وہ براہِ راست خدا سے علم حاصل کرتا ہے یا جبرائیل سے اور جو اس امام کو نہ پہچانے اور اس پر ایمان نہ لائے اور اسی حالت میں مر جائے تو وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے' یہ عقیدہ بھی کفر ہے' اس لیے کہ یہ نبوت کا ثابت کرنا ہے۔

بعض کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی اور ان کی اولاد اور اصحابِ دنیا کی طرف رجوع کریں گے اور اپنے دشمنوں سے انتقام لیں گے' یہ بھی کفر ہے اس لیے کہ نص اور قیامت کا انکار ہے۔

بعض کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی اور ان کی اولاد کی روح دوسرے جسم میں داخل ہو کر دنیا میں لوٹ کر آئے گی اور اپنے دشمنوں سے انتقام لے گی اور وہ امام ہوں گے' یہ بھی کفر ہے۔

اور بعض خلاف ما انزل اللہ کتاب کی تاویل کرتے ہیں' یہ بھی کفر ہے۔

بعض کا عقیدہ ہے کہ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے انتقال نہیں فرمایا کہ وہ اپنے روح وجسم کے ساتھ آسمان میں ہیں اور ہر آسمان میں علی موجود ہیں اور رعد حضرت علی کی آواز ہے' یہ بھی کفر ہے۔

بعض کے نزدیک بغیر گواہوں کے نکاح جائز ہے' اس لیے کہ حضرت علی اور ان کی اولاد حاضر ہوتے ہیں' یہ بھی کفر ہے اور بعض نے کہا کہ شراب' متعہ' لواطت حرام نہیں اور جو اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے تو وہ طلاق واقع نہ ہوگی اور جو دفعۃً واحدۃً (یک بارگی) اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے تو واقع نہ ہوں گی اور یہ کفر ہے اور بعض نے کہا: حضرت علی حضور ﷺ سے زیادہ جاننے والے' زیادہ فصیح اور زیادہ بہادر شجاع تھے' یہ بھی کفر ہے۔

اور بعض کا عقیدہ ہے کہ حضرت ابو بکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم نے کفر کیا کہ حضرت علی سے پہلے خلافت کو قبول کیا اور جن لوگوں نے ان سے بیعت کی وہ کافر ہیں۔

اور بعض نے کہا: حضرت علی نے بھی کفر کیا کہ انہوں نے خلافت وامارت کو چھوڑ دیا

Marfat.com

حالانکہ ان کا حق تھا اور جو حق کو چھوڑ دے اور حق کو چھپائے وہ کافر ہے۔ یہ عقیدہ بھی کفر ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ امت نے اماموں کو نہیں پہچانا حالانکہ وہ بارہ امام ہیں' ان میں سے آٹھ نے تو اپنی امامت کا دعویٰ کیا اور اپنا امام ہونا ظاہر کیا اور تین امام چھپے ہوئے ہیں اور ایک باقی ہیں وہ مہدی ہیں۔ ان سب کی بیعت واجب ہے اور جو ان کی مخالفت کرے وہ کافر ہے۔ ان کا یہ عقیدہ بھی کفر ہے۔

اور بعض نے کہا کہ حضرت علی حضور کے ولی عہد اور وصی قائم تھے' جو ان کے سوا غیر کی بیعت کرے وہ کافر ہے' یہ عقیدہ بھی کفر ہے۔ یہ مسائل اور ان جیسے اور مسائل کفریہ ہیں اور بعض باتیں کفر نہیں بدعت ہیں' جیسے کہ حضرت علی' ابوبکر' عمر' عثمان سے افضل ہیں' اگرچہ ان کی خلافت بالاجماع صحیح ہے۔

اور بعض نے کہا: جن صحابہ کرام نے حضرت علی پر خروج کیا (یعنی آپ کے خلاف بغاوت کی) ان پر لعنت کرنا واجب ہے' جیسے حضرت معاویہ وطلحہ وزبیر اور حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

اور بعض نے کہا کہ فاجر کے پیچھے نماز مطلقاً جائز نہیں ہے۔

اور بعض نے کہا: وصیّت واجب ہے۔

اور بعض نے کہا: کچھ لوگ بنات آدم سے پیدا ہوئے ہیں اور کچھ لوگ حور العین سے پیدا ہوئے ہیں اس لیے کہ شیث علیہ السلام نے حور العین سے نکاح کیا تھا' عربوں کی اصل ان ہی سے ہے۔

اور بعض نے کہا کہ آدم علیہ السلام کے زمانہ میں بہن سے نکاح جائز نہ تھا' ان کا نکاح حور العین سے ہوتا تھا۔

انسان شریف یا شریر کیوں ہوتا ہے؟

بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ جب نطفہ صدق نیّت سے ہیجان کرتا ہے تو اولاد انسان ہوتی اور جب نطفہ وسوسہ شیطان سے ہیجان کرتا ہے تو اولاد شیطان ہوتی ہے اور شیطان شریک ہوتا ہے'' اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے کہ: وشارکھم فی الاموال والاولاد'' (الاسراء:۶۴) اور ان کو مال اور اولاد میں شریک کر۔ یہ تمام مسائل غیر صحیح ہیں' اس لیے اللہ تعالیٰ

Marfat.com

نے فرمایا کہ ''خَلَقَكُم مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ'' (النساء:۱) تم کو اس نے ایک جان سے پیدا کیا' اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ '' اور ''شَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ'' کے متعلق حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ اس سے مراد زنا ہے' شرکت نہیں اس لیے کہ زنا شیطان کے وسوسہ سے ہوتا ہے۔

بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی' حضرت ابوبکر وعمر وعثمان سے زیادہ علم رکھتے ہیں اور بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ حضرت علی اور اہل بیت کی محبت سب سے زیادہ ہونی چاہیے۔ یہ مسائل سب کے سب فسق و بدعت ہیں' کفر نہیں۔

اصل ان مسائل میں یہ ہے کہ جس نے کلام کیا یا اعتقاد کیا ان اُمور کا' جس نے نص قطعی کا یا نص قطعی اس کے قائم مقام جیسے ''سنت ظاہرہ ثابتہ'' اور اجماعِ امت کا انکار کیا' وہ کافر ہے یا کوئی مؤمن شخص کسی مؤمن کو کہے: اوئے کافر! تو کہنے والا کافر ہو جائے گا یا مؤمن کے کفر کی شہادت دی تو وہ بہ طریق اولیٰ کافر ہے اور حضور نے فرمایا: جو اپنے مسلمان بھائی کو بلاوجہ کافر کہے تو وہ کفر اس کہنے والے پر لوٹتا ہے اور جو کوئی ایسا کلمہ کہے یا اس کا اعتقاد کرے کہ عامۃ الناس اس کے خلاف ہوں یا خبر واحد کے خلاف کرے اور اس کو اس میں شبہ ہو تو یہ بدعت ہوگا' کفر نہ ہوگا۔

ساتواں قول
ناصبیہ کا بیان

معلوم ہونا چاہیے کہ ناصبیہ' فرقہ خارجیہ ہی ہے اور انہی کو حروریہ کہتے ہیں' اس لیے کہ انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے خلاف مقام حرورا میں بغاوت کی تھی اور حضرت علی کو معاذ اللہ کافر کہتے ہیں اور جو (علی) کو کافر کہے' وہ خود کافر ہے۔

اور ان (حروریہ) میں سے بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو تو مسلمان سمجھتے ہیں' باقی تمام امت میں ہم کسی کو نہیں جانتے کہ مسلمان ہے یا کافر ہے؟ بلکہ سب منافق ہیں ان کا یہ عقیدہ کفر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ایمان مجہول ہے اور لوگ

Marfat.com

پورا ایمان نہیں جانتے' اس لیے وہ مؤمن نہیں' یہ بھی کفر ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ جہاد ہمیشہ فرض ہے' مسلمانوں اور مؤمنوں میں سے کسی کو جہاد ترک کرنا جائز نہیں' مرد ہو یا عورت' فقیر ہو یا غنی اور جو جہاد نہ کرے' وہ کافر ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ زکوٰۃ کسی کو دینا جائز نہیں' اس لیے کہ فسق و فجور اور منکرات ظاہراً ہو رہے ہیں' ہم کافر ومؤمن کو نہیں پہچان سکتے اور یہ بھی کفر ہے۔

اور ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ عورتیں پھولوں کی مانند ہیں تو ہر ایک کو ان کا سونگھنا جائز ہے اور ان سے وطی کرنا بغیر نکاح اور بغیر ملک یمین کے جائز ہے' یہ بھی کفر ہے۔

بعض ان میں سے وہ ہیں کہ جس نے کہا: ''تحاکم'' جائز نہیں' اس لیے کہ حکم صرف اللہ کا ہے' یعنی ''اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ '' (الانعام:٥٧) حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ جو اپنوں میں سے کسی کو حاکم بنائے وہ کافر ہے اور انہوں نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو ''حَکَمْ'' بنایا اور اللہ کے ساتھ کفر کیا' یہ بھی عقیدۂ کفر ہے۔

ان میں سے بعض کا عقیدہ یہ ہے کہ امام اور خلیفہ حق نہیں' باطل ہے اور امراء و قضاۃ (ججوں) کو مقرر کرنا جائز نہیں۔ حکم (فیصلہ کرنا)' جمعہ کا قیام اور جماعت جائز نہیں' اس لیے کہ ہم نہیں جانتے کہ مسلمان کون ہے' کافر کون ہے؟ اور نہ ہی ہم یہ جان سکتے ہیں کہ امامت کا اہل کون ہے؟ یہ عقیدہ بھی کفر ہے۔

ان میں سے بعض یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ صحابہ کرام نے آپس میں اختلاف کیا اور ایک دوسرے کے خلاف جنگیں کیں تو ہم پر معاملہ مشتبہ ہو گیا' ہم حق و باطل کو پہچان نہیں سکتے' لہٰذا ہم توقف کریں گے' نہ بیزاری کا اظہار کرتے ہیں اور محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ عقیدہ بھی کفر ہے' اس لیے کہ انہوں نے اجماع کو توڑا ہے اور انہوں نے کسی کو امام مقرر نہیں کیا اور ایسے مدعی امارت پر خروج کرنا جائز رکھا اور ایسے ہی انہوں نے کہا کہ مؤمن جب چھوٹا یا بڑا گناہ کرتا ہے تو کافر ہو جاتا ہے' یہ سب کلمات ان کے کفریہ ہیں کیونکہ اس میں نص کا انکار ہے اور خرق اجماع ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب سے مروی ہے' فرمایا کہ میرے سبب سے دو جماعتیں ہلاک ہوں گی: محب مفرط اور مبغض مفرط۔

Marfat.com

اور روایت کیا گیا ہے کہ حضرت علی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اکٹھے مسجد میں داخل ہوئے تو حضور نے فرمایا: اسی طرح تم دونوں جنت میں داخل ہوگے اور جو تم دونوں سے محبت کرے گا وہ مؤمن ہے اور جو تم سے بغض رکھے گا' وہ منافق ہے' پھر ان کے بعض کلمات بدعت ہیں لیکن موجب کفر نہیں' مثلاً ان کا یہ کہنا کہ زندوں کی دعائیں اور صدقات مُردوں کو نفع نہیں دیتے۔

اور ایسے ہی ان کا یہ کہنا کہ زمین پر پیشاب کرنا جائز نہیں' اس لیے کہ تمام زمین ہمارے لیے مسجد ہے' واجب ہے کہ کوزے میں پیشاب کر کے اس کو پانی میں ڈالے۔

بعض کہتے ہیں کہ کسی کے ساتھ ملنا جلنا' کھانا پینا جائز نہیں' اس لیے کہ ہم نہیں جانتے کہ پاک ہے یا ناپاک؟

بعض کہتے ہیں کہ لوہے کی وصیت کرنا واجب ہے کہ جس سے جہاد کرنا ممکن ہو' جس نے وصیت نہیں کی وہ ظالم ہے۔

بعض نے کہا کہ گوز باقی رہتا ہے' اس لیے پاجامے میں نماز جائز نہیں کیونکہ ممکن ہے اس میں گوز باقی ہو اور اسی طرح کی باتیں ہیں' سب بدعت ہیں' ان سے توبہ واجب ہے اور تکفیر واجب نہیں۔

آٹھواں قول
قدریہ کا بیان

فرقۂ قدریہ کا گمان یہ ہے کہ قیاس عقلی ''دلیل شرعی'' سے اقویٰ ہوتا ہے' اگرچہ نص ہی کیوں نہ ہو اور اس طرح (ان کے نزدیک) قیاس سنت مشہورہ سے بھی اقویٰ ہے' لہٰذا اسی معنیٰ کے لحاظ سے انہوں نے شر کے مقدر من اللہ ہونے کا انکار کر دیا اور انہوں (قدریہ) نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے کام بندوں کے سپرد کر دیئے ہیں اور ان کو اپنے کاموں کی تخلیق اور ان کے بجالانے کا خالق و مالک بنا دیا ہے' گویا کہ تمام افعال کے خالق وہ خود ہیں اور امر و نہی ان کے لیے بیان کر دی ہے اور تخلیق' ارادہ' مشیت' قضاء و قدر غرضیکہ ان کے

Marfat.com

افعال میں سے کسی چیز میں اللہ تعالیٰ کا کوئی امر بھی جائز نہیں ہے حتیٰ کہ وہ عذاب دینے میں حکیم وعادل کہلائے اور یہ ان کا کفر ہے' اس لیے کہ انہوں نے اللہ کے سوا دوسرا خالق ثابت کیا۔

دوخالق ماننا کفر ہے

بعض لوگوں نے کہا کہ خیر اللہ کی طرف سے اور اس کی قضاء سے ہے اور شر (بُرائی) ہماری طرف سے یا ابلیس کی طرف سے ہے اور یہ عقیدۂ کفر ہے' اس لیے کہ انہوں نے اللہ کی ربوبیّت کی نفی کر دی ہے۔

قدریہ کے چند چیدہ چیدہ عقائد باطلہ کی نشان دہی

☆ ان میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے تمام صفات کا انکار کیا ہے۔

☆ اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ قرآن مخلوق ہے۔

☆ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ جنت ودوزخ نہ مخلوق ہیں نہ باقی ہیں۔

☆ بعض وہ ہیں جو صراط' میزان اور حساب کا انکار کرتے ہیں اور یہ سب کفریات ہیں۔ ایسے عقائد رکھنے والے کافر ہیں اس لیے کہ انہوں نے نص اور ربوبیّت کا انکار کیا ہے۔

☆ بعض یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خیر روح لاھوتی سے ہے اور شر روح شیطان سے ہے' یہ بھی کفر ہے۔

☆ بعض کہتے ہیں: اعمال کو ہم نہیں جانتے کہ وہ اللہ کی جانب سے ہیں یا بندوں کی جانب سے ہیں اور یہ بھی نہیں جانتے کہ ان کو ثواب دیا جائے گا یا عذاب دیا جائے گا۔ یہ بھی کفر ہے اس لیے کہ نص کا انکار کیا اور اعمال پر ثواب وعتاب کے عقیدہ رکھنے کا انکار کیا ہے۔

☆ بعض کہتے ہیں کہ شیطان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا نہیں کیا کیونکہ شیطان کے پیدا کرنے میں تخلیق کفر' ارادۂ کفر اور ارادۂ شر پایا جاتا ہے۔ یہ عقیدہ کفر ہے اس لیے کہ اس میں نص کا انکار ہے اور دو قدیم ثابت کرنا لازم آتا ہے۔

☆ بعض کہتے ہیں کہ ایمان وکفر کے سوا تمام اعمال مخلوق ہیں۔ یہ بھی کفر ہے اس لیے کہ

Marfat.com

انہوں نے اللہ کے سوا دوسرا خالق مان لیا۔

☆ بعض کہتے ہیں: نسخ جائز نہیں اور آسمان سے نازل ہونے والی ہر کتاب پر عمل کرنا واجب ہے۔ یہ بھی کفر ہے اس لیے کہ نص کا انکار کرے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ '' (الصافات:۹۶) تم کو اور تمہارے اعمال کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے۔ دوسرا قول اللہ تعالیٰ ابلیس کے قول کی حکایت کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ '' (صٓ:۷۶) یعنی مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے۔ صحیح یہ ہے کہ جو خدا کے سوا دوسرا خالق ثابت کرے وہ کافر ہے' اور جس نے قدر کا انکار کیا اس نے اللہ کے سوا دوسرا خالق ثابت کیا تو وہ اللہ کے ساتھ کفر کرنے والا ہے۔

☆ بعض کہتے ہیں: لوگوں سے عہد و پیمان کرنا اور بیعت صحیح نہیں۔

☆ اور بعض کہتے ہیں: ہر حال میں کسب واجب ہے۔ یہ بدعت ہے اس سے توبہ کرنا واجب ہے' کفر نہیں ہے کہ اس میں تاویل ہو سکتی ہے۔

نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ فرمایا: ''اذا رایتم القدریة فاقتلوهم فانهم مجوس هذه الامة '' یعنی جب قدریوں کو دیکھو تو ان کو قتل کر دو کہ وہ اس امت کے مجوس ہیں (یعنی آتش پرست)۔

نواں قول

فرقۂ جبریہ کا بیان

جبریہ کا عقیدہ ہے کہ مخلوق کو نیکی کا ثواب ملے گا اور لیکن بُرائی پر عتاب نہیں کیا جائے گا۔ کفار اور گنہگار معذور ہیں' ان سے سوال نہیں ہوگا' اس لیے کہ تمام افعال اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور بندہ اس میں مجبور ہے اور یہ عقیدۂ کفر ہے۔

روایت ہے کہ ایک شخص ابن مسعود اور عبداللہ ابن عباس اور عبداللہ ابن زبیر اور عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس حاضر ہوا اور ان سے کہا کہ جیسے کفر کے ساتھ طاعت نفع

Marfat.com

نہیں دیتی ایمان کے ساتھ معصیت بھی نقصان نہیں دیتی' ان سب نے فرمایا۔

اور اس مسئلہ کا نام مسئلہ عبادلہ ہے۔

نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ مرجیہ پر ستر پیغمبروں نے لعنت کی۔

مرجیہ کے دو گروہ ہیں: (۱) مرجیہ مرحومہ (۲) ملعونہ۔

مرجیہ مرحومہ' وہ اصحابِ رسول ﷺ ہیں اور مرجیہ ملعونہ جن پر لعنت کی گئی' یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ معصیت نقصان نہیں دیتی اور عاصی پر عذاب نہیں ہوگا۔

عثمان ابن ابی لیلیٰ سے مروی ہے کہ انہوں نے ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کو لکھا کہ آپ مرجیہ ہیں؟ آپ نے جواب میں لکھا کہ مرجیہ دو قسم کے ہیں۔ ملعونہ' ہم اس سے بیزار ہیں اور ایک مرجیہ مرحومہ وہ اصحابِ رسول ﷺ ہیں' آپ نے اس میں یہ بھی لکھا کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے بھی ایسا ہی کہا۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: ''اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ'' (المائدہ:۱۱۸) اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو بے شک تو غالب حکمت والا ہے۔

پھر مرجیہؔ اور جبریہ کے کلام سے جو کفر ہے وہ یہ ہے کہ نیکی اور بُرائی حقیقت میں بندے کے افعال نہیں ہیں اور جو بندہ کرتا ہے فاعل اللہ تعالیٰ ہے' لہٰذا یہ کفر ہے اس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو موصوف بہ قبائح کیا ہے' زنا وغیرہ سے کہ جیسے وہ خالق ہے ایسے ہی وہ فاعل بھی ہے' انہوں نے کہا کہ اگر ان کو قبائح اور زنا وغیرہ پر عذاب دے تو یہ ظلم ہوگا اور یہ عقیدۂ کفر ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ فعل بندے سے مجازاً ظاہر ہوتا ہے اور حقیقت میں ہمیں استطاعت نہیں' بندہ درخت کی مانند ہے' جب ہوا اس کو حرکت دیتی ہے تو وہ ہلتا ہے تو ایسے ہی بندہ درخت کی طرح مجبور ہے اور یہ کفر ہے' اس لیے کہ یہ تثلیث ہے اور کفر و معاصی اور برائیوں پر مجبور کرنا ہے تو اللہ تعالیٰ کے لیے جائز نہیں کہ وہ سزا دے اور جو یہ عقیدہ رکھے وہ کافر ہے۔

بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کو پیدا کر کے فارغ ہو گیا ہے اور تخلیق کر کے اب

Marfat.com

آرام کررہا ہے اور قلم خشک ہو گیا ہے اور جو چیز اپنے وقت میں ظاہر ہو رہی ہے' بغیر اللہ تعالیٰ کے حکم کے ہو رہی ہے اور یہ کفر ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو شغل اور فراغت کے وصف سے موصوف کیا ہے اور انہوں نے امر و نہی کے زوال کا عقیدہ رکھا اور اسی طرح ربوبیّت و فعل کے زوال کا اعتقاد کیا' یہ کفر ہے۔

بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو آگ میں جلائے گا اور انہیں مارے گا اور زندہ کرے گا' پھر ان کو جلا اور مرا ہوا باقی رکھے گا اور یہ عقیدہ کفر ہے' اس لیے کہ انہوں نے نص کا انکار کیا۔ بعض نے کہا: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عذاب دے گا' مگر افعال پر نہیں' یہ بھی کفر ہے۔

بعض نے کہا کہ جو دل میں خیر و شر کا خطرہ گزرے تو اس کا اتباع جائز ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو گا' یہ بھی کفر ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے وحی اور امر کو دل کے ساتھ ثابت کیا اور الہام کو جائز رکھا اور یہ کفر ہے۔

بعض نے کہا کہ بندہ جب غایت محبت کو پہنچتا ہے اور اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور جامِ محبت نوش کرتا ہے تو اس سے شرعی تکلیف ساقط ہو جاتی ہے اور اس سے عبادت اٹھ جاتی ہے اور تفکر ہی اس کی عبادت ہے۔ یہ بھی کفر ہے۔ بعض نے کہا: تفکر ادائے فرض سے افضل ہے' یہ بھی کفر ہے۔

بعض کا عقیدہ یہ ہے کہ دنیا کا مال مشترک ہے' تمام بنی آدم اس میں شریک ہیں۔ مال دنیا آدم و حوا کی وراثت ہے اور جو کوئی جس چیز کو لے لے وہ اسی کا حق ہے اور کسی کو منع کرنے کا حق اور جواز نہیں ہے' یہ بھی کفر ہے۔

بعض نے کہا کہ جس نے علم سیکھا تو وہ لوگوں کے مال میں شریک ہے اور کہتے ہیں کہ جو اس کو منع کرے کافر ہو جائے گا اور یہ عقیدہ بھی کفر ہے۔

بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ فرض نہیں' اگر چاہیں کریں' اگر چاہیں چھوڑیں اور یہ بھی کفر ہے۔

بعض نے کہا: بندہ ایمان اور کفر کے بغیر اور کسی چیز کا مکلّف نہیں ہے' یہ بھی کفر ہے۔

بعض نے کہا کہ عبادات کا امر تکرار کو واجب نہیں کرتا اور یہ کفر ہے۔

Marfat.com

اور بعض نے کہا کہ مؤمن حقیقت میں مؤمن نہیں ہے اور نہ ہی کافر، حقیقت میں کافر ہے کیونکہ آخرت میں ان میں تغیر جائز ہے اور یہ بھی کفر ہے۔

بعض نے کہا: اپنے ایمان میں بھی شک ہے اور انہوں نے کہا کہ ایمان اور شہادت کیا یہ ایمان ہے، کیا کفر زائل ہو جائے گا؟ یہ بھی کفر ہے۔ ان کے کلام میں کچھ چیزیں وہ ہیں جو بدعت ہیں کفر نہیں ہیں مثلاً جیسے کہ ان کا کہنا کہ ثواب اور عتاب تقسیم کر دیا گیا ہے نہ زیادہ ہو نہ کم برابر ہے کوئی کرے یا نہ کرے اور یہ بدعت سیئہ ہے اس لیے کہ افعال کے لیے تاثیر ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''کل میسر لما خلق له'' ہر ایک کے لیے آسان کر دیا گیا ہے جس کے لیے وہ پیدا ہوا ہے۔

بعض نے کہا کہ قضاء سبقت کر گئی ہے، نیک بخت کے لیے نیک بختی ہے اور بد بخت کے لیے بدبختی ہے۔

بعض (مرجئیہ) کہتے ہیں: ایمان یہ ہے کہ حق و باطل میں سے تمام چیزوں کی پہچان ہو جائے اور اس کا وہ عالم ہو تو مؤمن ہے ورنہ نہیں اور یہ مسئلہ مسئلہ تقلید ہے۔

اور بعض نے کہا: ایمان عمل ہے، اقرار اور تصدیق کا کچھ اعتبار نہیں۔ یہ بھی کفر ہے، اس لیے کہ انہوں نے نص کا انکار کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں: ایمان میں کمی زیادتی ہوتی ہے اور بعض نے کہا کہ ایمان میں استثناء و تخصیص جائز ہے اور اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ قیاس حجت نہیں، ایسے ہی رافضیوں نے قیاس کا انکار کیا کہ وہ حجت نہیں تو اگر ہر قیاس مراد ہے اور ہر قیاس کا انکار کیا تو یہ کفر ہے اس لیے کہ قیاس حجت ہے اور (اس کا حجت ہونا) نص سے ثابت ہے اور اگر بعض قیاس مراد ہے تو کفر نہیں، بدعت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

دسواں قول
مُعطّلہ کا بیان

سب سے پہلا فرقہ سوفسطائیہ کا ہے اور وہ تین قسم کے ہیں۔

Marfat.com

بعض نے کہا: اشیاء اور اسماء کی کوئی حقیقت نہیں جیسے آگ اور پانی کو آگ اور پانی کہا جاتا ہے اور بسا اوقات اس کا الٹ اور برعکس ہو جاتا ہے یعنی آگ پانی ہو جائے اور پانی آگ ہو جائے، یہ بھی کفر ہے، اس لیے کہ اس میں نص کا انکار ہے اور یہ عبودیت و ربوبیّت اور احکام و نبوت سب کے معطّل ماننے کے عقیدہ کی طرف پہنچا دینے والی بات ہے۔

اس لیے کہ جائز و ممکن ہے جو مُرسِل ہے وہ مرسَل ہو جائے اور مرسَل مرسِل ہو جائے اور یہ بھی جائز ہوگا کہ بندہ رب ہو جائے اور رب بندہ ہو جائے۔

جواب میں یوں کہا جائے کہ تمہارے نزدیک نفی حقائق کی بھی کچھ حقیقت ہے یا نہیں؟ اگر وہ کہیں کہ ہے تو انہوں نے اپنے ہی قول کو باطل کر دیا کہ انہوں نے حقیقت کو ثابت کیا اور اگر وہ کہیں کہ نہیں تو ان سے کہا جائے گا کہ اگر نفی حقائق کی حیثیت نہیں ہے تو پھر ثبوت صحیح ہو گیا، یعنی حقائقِ اشیاء کا ثبوت ہو گیا۔

اور دوسری بات ہم کہتے ہیں کہ تم جانتے ہو کہ عالم کی کوئی حقیقت نہیں؟ تو اگر وہ کہیں کہ ہاں کوئی حقیقت ہے تو انہوں نے عالم کو ثابت کیا اور اپنے کلام کو باطل کیا اور اگر وہ کہیں کہ نہیں، تو پھر ہم کہیں گے کہ تم نے نفی عالم کا حکم کس لیے کیا حالانکہ تم جانتے ہی نہیں؟

اور بعض نے حقائقِ اشیاء اور اسماء اشیاء میں شک کیا اور کہا کہ ہم نہیں جانتے کہ آیا اشیاء کی حقیقت ہے یا نہیں؟ تو ہم کہیں گے کہ تمہیں اپنے "وجود" میں بھی شک ہے؟ اگر کہیں: ہاں، تو یہ اور فرقہ اولیٰ ایک (ہی تھیلی کے چٹے بٹے) ہو گئے اور اگر کہیں کہ ہمیں اپنے وجود میں شک نہیں تو انہوں نے حقائق کو ثابت کر دیا۔

بعض نے گمان کیا کہ اشیاء کی حقیقت ہے لیکن جو جس نے اعتقاد کیا کہ کسی چیز کی حقیقت کا، وہی اس کی حقیقت ہے لیکن ان کا یہ کہنا صحیح نہیں، اس لیے کہ بعض لوگوں نے اعتقاد کیا ہے کہ عالم قدیم ہے اور بعض نے اعتقاد کیا ہے کہ عالم حادث ہے اور اگر ایسا ہی ہو جیسا کہ وہ کہہ رہے ہیں تو ہم اعتقاد کرتے ہیں کہ ان کا قول باطل ہے تو ہمارا قول درست ہو جائے گا اور بعض نے کہا کہ صانع عالم حقیقت کو نہ پہچانتا ہے اور نہ ادراک کرتا ہے تو یہ بھی کفر ہے کیونکہ اوصاف معرفت نص سے ثابت ہیں اور جب حقیقتاً وہ پہچانتا ہی نہیں جانتا تو عالم میں کسی کا ایمان صحیح نہیں اور حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مؤمن کا نام مؤمن رکھا ہے۔

Marfat.com

اور بعض نے کہا کہ ہم نہیں کہتے کہ اللہ تعالیٰ شے ہے یا شے نہیں بلکہ اس میں توقف کرتے ہیں اور یہ کفر ہے‘ اس لیے کہ نص کا انکار کیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً قُلِ اللّٰهُ شَهِیْدٌ“ (الانعام:۱۹) تم فرماؤ کہ اللہ تعالیٰ سے کون سی شے بڑی ہے شہادت کے لیے؟ تم فرماؤ کہ اللہ ہی گواہ ہے۔ پھر شے اور ذات ایک چیز ہے یعنی شے کا انکار کرنا ذات کا انکار کرنا ہے۔

بعض کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر مکان (جگہ) میں اترا ہوا ہے اور اس سے کسی چیز کا بیان نہیں‘ یہ بھی کفر ہے۔

بعض کہتے ہیں: اپنے نفس کے لیے رب کا ثابت کرنا اور اس کا انکار کرنا جائز نہیں۔ یہ بھی کفر ہے‘ اس لیے کہ اس نے صانع اور نص کا انکار کیا۔

بعض کہتے ہیں کہ چار صفتیں: علم‘ قدرت‘ تخلیق اور مشیّت غیر مخلوق ہیں‘ باقی صفات مخلوق ہیں۔ یہ بھی کفر ہے‘ اس لیے کہ ذات و صفات میں تغیر و زیادت کو جائز مانا جو کہ کفر ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ ہم قرآن کو مخلوق یا غیر مخلوق نہیں کہتے۔ یہ بھی کفر ہے‘ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”وَکَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا“ (النساء:۱۶۴) اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے حقیقتاً کلام فرمایا‘ اور اس نے اس میں شک کیا‘ یہ بھی کفر ہے۔

بعض کہتے ہیں: قراءت و قرآن ایک ہے‘ لفظ و ملفوظ ایک ہے‘ یہ بھی کفر ہے اس لیے کہ تخلیق قرآن کو جائز مانا۔ بعض نے قرآن کو مخلوق مانا‘ یہ بھی کفر ہے۔ بعض کہتے ہیں: جنت و نار فنا ہو جائیں گی‘ یہ بھی کفر ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ مؤمن جہنم میں نہیں جائے گا اور ”ورود“ کے معنیٰ حضور کے ہیں دخول کے نہیں۔ یہ بھی کفر ہے‘ اس لیے کہ نص کا انکار کیا ہے ”وُرُود“ بمعنیٰ دخول ہے‘ اس کی دلیل یہ آیت ہے: ”ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَنَذَرُ الظّٰلِمِیْنَ فِیْهَا جِثِیًّا“ (مریم:۷۲) پھر ہم ڈر والوں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو گھٹنوں کے بل گرے ہوئے چھوڑ دیں گے۔

بعض کہتے ہیں: حوض‘ صراط اور میزان درحقیقت وہ نہیں جو ہم جانتے ہیں‘ اس کے خلاف ہے۔ حوض سے مراد پانی ہے‘ صراط سے مراد دین ہے‘ میزان سے مراد عدل ہے اور

Marfat.com

عرش سے مراد ملک ہے اور کرسی سے مراد علم ہے۔ یہ کفریات نہیں' اس لیے کہ انہوں نے محل تاویل میں تاویل کرتے ہوئے خطا کی ہے کیونکہ ان چیزوں کے نام نص سے ثابت ہیں اور ان کی کیفیت معلوم نہیں۔ بعض نے عذاب قبر کا انکار کیا۔ بعض فقہاء نے فرمایا کہ کفر ہے کہ نص کے منکر ہیں۔ بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ کفر نہیں کیونکہ یہ خبر واحد سے ثابت ہوا ہے اور صحیح یہ ہے کہ کفر ہے۔ بعض نے دیدارِ الٰہی کا انکار کیا اور اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

گیارہواں قول

مُشبّہہ کا بیان

جاننا چاہیے کہ مُشبہہ نے اللہ تعالیٰ کی صفات ثابت کی ہیں اور اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور انہوں نے اپنی رائے سے دو حدیثوں پر تجاوز کیا بغیر علم کے اور بغیر معنیٰ کے انہوں نے سماع سے تجاوز کیا جب کہ یہ دونوں طریقے فاسد ہیں اس لیے کہ علم وحکمت کے لحاظ سے جائز نہیں کیونکہ مجرد رائے موجب علم نہیں جب تک کسی شئی کا احاطہ دلیل سے یا خبر سے نہ کیا جائے اور ایسے ہی سماع بغیر معنیٰ کے نہیں سمجھا جاتا اور ان لوگوں نے دلیل واحاطہ کو قیاس کے ساتھ چھوڑ دیا اور معنیٰ کو چھوڑ دیا مجرد سماع سے۔ اسی وجہ سے بعض نے کہا: صانع عالم جوہر ہے اس لیے کہ موجود ہے اور ان کی یہ بات ''رائے بلا علم'' اور قیاس بالواسطہ ہے اور یہ کفر ہے۔

بعض (مشبہہ) کا عقیدہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ انبیاء کی صورت پر ہے اور ان کا یہ عقیدہ کفر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ خدا (معاذ اللہ) جسم ہے مگر جسموں کی طرح نہیں' یہ بھی کفر ہے' اس لیے کہ انہوں نے اپنی رائے سے خدا کا وہ وصف بیان کیا جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو موصوف نہیں کیا اور نہ ہی علماء کا اس پر اتفاق ہوا۔ بعض کہتے ہیں کہ خدا انسان کی صورت ہے اور یہ کفر ہے۔

اور بعض نے کہا: اللہ تعالیٰ کے لیے ''معاذ اللہ'' گوشت وخون' ہاتھ' ہتھیلی' انگلی (یعنی تمام لوازماتِ جسم) ثابت ہیں۔ جیسا کہ حضورِ اقدس سے مروی ہے کہ فرمایا: ''قلوب العباد

Marfat.com

بین اصبعین من اصابع الرحمن ''بندوں کے دل رحمٰن کی انگلیوں میں ہیں۔ یہ ان کا کفر ہے اس لیے کہ سماع ہے اور معنیٰ کچھ اور ہیں۔

حضرت اصمعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: اصابع سے مراد لغت میں اثر ہے (یعنی اصابع ازروئے لغت اثر سے عبارت ہے)۔ بعض نے کہا کہ اللہ کی صورت ہے، مگر ہم نہیں جانتے' یہ بھی کفر ہے' اس لیے کہ معرفت کا انکار کیا۔

بعض کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ چمکتا ہوا نور ہے' یہ بھی کفر ہے' اس لیے کہ نص کا انکار کیا۔ نص یہ ہے: ''لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ'' (الشوریٰ:۱۱) اللہ کی مثل کوئی شئی نہیں۔

بعض (مشبہہ) کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اترتا اور آتا ہے' اب اگر انہوں نے آنا اور اترنا انتقال مکانی کے ساتھ کہا ہے تو یہ کفر ہے اس لیے کہ انتقال جائز رکھا اور اگر نزول و مجیئی (اترنا اور آنا) بغیر کیف وانتقال ہے تو کفر نہ سہی' خطا ضرور ہے۔

بعض (مشبہہ) نے کہا کہ خدا عرش پر موجود ہے' اس نے عرش پر قرار پکڑا اور تکیہ لگایا۔ یہ کفر ہے' اس لیے کہ نص کا انکار کیا اور ذاتِ خداوندی کو عرش پر یا فوق العرش ثابت کرنا یہ کفر ہے اور جہت ثابت کرنا بھی کفر ہے اس لیے کہ مخلوق سے تشبیہ دی اور اس کے لیے حد ونہایت' جانب و جہت ثابت کی اور یوں کہتے کہ اللہ تعالیٰ علی العرش بلا کیف اور بغیر ذات کے ہے تو کافر نہ ہوتے بلکہ خطاوار ہوتے۔

بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے قدم (پاؤں) ہیں' اس لیے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: جہنم پکارتا رہے گا: ''ھل من مزید حتی یضع الرب قدمیه فیھا '' کیا اور ہے؟ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اپنے دونوں قدم اس میں رکھ دے گا۔

ہم کہتے ہیں کہ اس سے مراد قَدِمْ بمعنی قدیم علم ہے' جو کافر و فاجر اس کے علم قدیم میں (جہنمی ہیں) ان کو جہنم میں داخل فرمادے گا۔ دلیل یہ ہے کہ ''ان لھم قدم صدق عند ربھم یعنی سابقة سعادتھم ''اور قدم کو قدم سے اس لیے موسوم کیا کہ تمام اعضاء سے پہلے قدم کو پیدا فرمایا۔

اگر کہا جائے کہ حدیث میں تو آیا ہے: ''یضع الرب رجله '' رب اپنا پاؤں رکھے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت ثابت نہیں اور بالفرض اگر ثابت ہو تو ہم کہتے ہیں کہ

Marfat.com

"رجل" کے معنیٰ جماعت کے ہیں' جیسے عرب کا مقولہ ہے: "مررت برجل جراد" کہ میں ٹڈیوں کے لشکر و جماعت کے پاس سے گزرا۔

پھر ہم کہتے ہیں کہ "نزول" بمعنیٰ "انزال" ہے' جیسے "ضرب الامیر فلانا یعنی امر بالضرب" امیر نے فلاں کو مارا یعنی مارنے کا حکم دیا' اسی طرح یہاں بھی نزول وانزال کا حکم دیا نہ کہ خود اترا۔ دوسرے حضور سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "ینزل بضم الیاء" اور اگر یہ روایت صحیح ہے تو اشکال ہی اٹھ گیا۔

حضرت علی بن ابی طالب سے مروی ہے کہ "النزول من الرب الافضال علی العباد" نزول اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں پر فضل فرمانا ہے' اگر کہا جائے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "وَجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا" (الفجر:۲۲) اور تمہارا رب اور فرشتے صف بہ صف آئیں گے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ" (النحل:۲۶) پس اللہ تعالیٰ نے ان کی عمارت کو بنیاد سے لیا' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "هل ینظرون الا ان یاتیهم اللّٰه فی ظلل من الغمام" (البقرہ:۲۱۰) کس کے انتظار میں ہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ان پر آئے چھائے ہوئے بادلوں میں۔

ہم نے کہا: اس کے معنیٰ: "وجاء ربک" "ای حکم ربک وامر ربک" یعنی تمہارے رب کا امر اور حکم اور معنیٰ "فاتی اللّٰه بنیانهم من القواعد" یعنی "استهلكهم اللّٰه" اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کردیا' "واستاصلهم" اور ان کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور "هل ینظرون" الخ اور "ظلل" کے معنیٰ ابر کے ہیں جو تحت العرش ہے' نیز انہوں نے کہا کہ "یاتیهم اللّٰه" کا معنیٰ ہے: "یاتی اللّٰه حکم من الاحکام" اللہ تعالیٰ کے احکام میں سے حکم آجائے۔

پھر کلام لوٹتا ہے حرف واحد کی طرف (یعنی پورے کلام کا مآل کار ایک نکتہ ہے)۔

وہ یہ کہ اشکال از روئے لغت واقع ہوا ہے' لفظاً جو کہ معنیٰ کے موافق نہیں اور اہل لغت و اہل تفسیر خوب جانتے سمجھتے ہیں اور ان کا اجتہاد معتبر ہے اور ان کا اجماع اس پر حجت ہے۔

اور اربابِ لغت اور اربابِ تفسیر متفق ہیں کہ ان آیات کو ظاہر پر محمول کرنا جائز نہیں' ابہام ان میں اولیٰ ہے۔ تاویل ان میں حسن ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ایسی چیز کے ساتھ موصوف کرنا

Marfat.com

کہ جس سے تشبیہ اور تغیر وحدوث ثابت ہو یا مخلوق کی صفات کے مشابہ ہو خواہ نص میں ہو یا غیر نص میں' بلا خلاف کافر ہو جائے گا۔ ایسی نصوص میں یقیناً تاویل کرنا ضروری ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

بارہواں قول

کفر وشرک کا بیان

جاننا چاہیے کہ مخلوق تیرہ قسموں میں متفرق ہوگئی ہے۔

مخلوق کی کل قسمیں ۱۳

ایک فرقہ مسلم — بارہ فرقے گمراہ اور گمراہ کن

مشرکین — مجوس — یہود — نصاریٰ

چار اصناف — تین اصناف — دو اصناف — تین اصناف ہیں۔

لیکن اصل شرک حضرت اخنوخ علیہ السلام جن کو ادریس علیہ السلام کہتے ہیں' ان کے زمانہ میں ظاہر ہوا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے ادریس علیہ السلام تک مخلوق میں سے کسی نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا۔

بعض نے ذکر کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت میں کفر ہوا کہ قابیل اور اس کی اولاد نے آدم علیہ السلام کے حکم کو رد کر دیا لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا۔

کفر وشرک میں فرق

فرق یہ ہے کہ کفر کے معنیٰ حق کو چھپانا ہے اور شرک اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا ہے۔

یہود ونصاریٰ کون ہیں؟

یہود ونصاریٰ کفار ہیں مشرک نہیں۔ فرق اسم وصفت کے اعتبار سے ہے لیکن حقیقت

Marfat.com

اور حکم میں شرک اور کفر کے درمیان کچھ فرق نہیں سوائے چند جگہوں کے وہ مقامات اور مواقع یہ اہل کتاب کا ذبیحہ ہمارے لیے حلال ہے‘ ایسے ہی ان کی عورتوں سے نکاح کرنا مسلمانوں کے لیے حلال ہے‘ اگرچہ کافر ہیں۔

بعض فقہاء نے فرمایا: کفر اور شرک الگ الگ دو چیزیں ہیں‘ یہاں تک کہ اہل کتاب میں سے کوئی ایک یا کوئی مجوسی اپنی ملت کو چھوڑ کر شرک میں داخل ہو جائے تو اس کو مجبور کیا جائے گا اور تکلیف دی جائے گی کہ اپنی ملت کی طرف لوٹ جا اور یہ قول امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجبور نہیں کیا جائے گا اس کو چھوڑ دیا جائے‘ اس لیے کہ کفر وشرک ایک چیز ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ حقیقت میں کفر وشرک میں کچھ فرق نہیں اور یہ اختلاف اس معنیٰ کے لحاظ سے واقع ہوا کہ اہل کتاب سے جزیہ (ٹیکس) لیا جائے گا اور جو ان کی مثل ہیں مثلاً مجوسی اور صابی وغیرہ سے اور مشرکین پر جزیہ (ٹیکس) مقرر نہیں کیا جائے گا‘ یہ حکم امام شافعی کے نزدیک ہے۔

امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک تمام کافر خواہ یہود و نصاریٰ ہیں یا ہنود و مجوس سب پر جزیہ مقرر کیا جائے گا۔ اگر اہل کتاب میں سے کوئی اپنی ملت چھوڑ کر مشرکین کی ملت میں داخل ہو جائے تو امام شافعی کے نزدیک اس میں بیت المال کا حق باطل کرنا ہے اور اہل بیت المال کا نقصان کرنا اور انہیں ضرر پہنچانا ہے تو اس کو مجبور کیا جائے گا کہ اپنی ملت میں واپس آئے اور امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جزیہ لیا جائے گا‘ رجوع پر مجبور کرنے کی ضرورت نہیں‘ لیکن حقیقت میں کفر وشرک ایک چیز ہے۔ دلیل یہ ہے کہ سب جہنمی ہیں اور ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

شرک کب شروع ہوا؟

یہ جو ہم نے کہا کہ شرک اخنوخ علیہ السلام کے زمانہ سے شروع ہوا‘ اس لیے کہ یہ پہلے نبی ہیں‘ ان پر اللہ تعالیٰ نے کتاب اتاری‘ جس میں تیس صحیفے تھے اور ان کو اسی وجہ سے ادریس کہتے ہیں کہ درس وتدریس میں کثرت سے مشغول رہتے تھے اور وہ علمِ نجوم بھی جانتے تھے۔

کیا ادریس علیہ السلام حیات ظاہری کے ساتھ زندہ ہیں؟ اس میں اختلاف ہے‘ بعض

Marfat.com

کہتے ہیں کہ ادریس علیہ السلام نے موت کا ذائقہ چکھا اور دوزخ کو دیکھا اور وہ (ادریس علیہ السلام) جنت میں ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے موت کا ذائقہ نہیں چکھا' وہ زندہ ہیں اور ان کے شاگرد لوگوں کو ہدایت کرتے تھے اور انہوں (شاگردوں) نے حضرت ادریس علیہ السلام سے علم حاصل کیا اور وہ پانچ شخص تھے: ایک کا نام وَدّ تھا' دوسرے کا نام سواع' تیسرے کا نام یغوث' چوتھے کا نام یعوق اور پانچویں کا نام نسر تھا۔ جب ادریس علیہ السلام آسمان کی طرف اٹھائے گئے تو یہ پانچ شاگرد باقی رہ گئے۔

حضرت ادریس علیہ السلام کی جدائی اور مفارقت میں بہت غمگین تھے اور آپ کو انہوں نے نہیں دیکھا' اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے۔ حضرت ادریس علیہ السلام کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے بعد لوگوں کو علم سکھاتے' جب ان پانچوں شاگردوں کا بھی انتقال ہو گیا تو لوگ حیران و پریشان تھے کہ کس سے احکام سیکھیں؟ اور اس پر ان کو بہت غم اور فکر تھا چنانچہ ان میں سے ایک گروہ نے کہا کہ اگر ہم ان پانچوں کی تصویر بنا کر رکھ لیں تاکہ ہمیں تسلی ہو اور عبادت میں مشغول ہوں تو انہوں نے ان پانچوں کی تماثیل بنا کر انہی کے نام سے ہر ایک کو موسوم کر دیا اور ان کی طرف دیکھا کرتے اور اللہ تعالیٰ کی مورتیاں عبادت کرتے' ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے وفات دی اور یہ دین اسلام پر تھے۔ پھر جب ان کی اولاد (جوان) ہوئی تو ابلیس ان کے پاس آیا اور ان مورتیوں کے پیٹ میں داخل ہو کر کہنے لگا کہ ''انا ربکم ورب ابائکم فاعبدونی'' میں تمہارا اور تمہارے باپ دادا کا رب ہوں' میری عبادت کرو کہ تمہارے باپ دادا بھی مجھ کو پوجتے تھے اور ان کو یہ علم نہ ہوا کہ ان کے باپ' دادا بت پرستی نہیں کرتے تھے۔ اس کے بعد اعتقاد کر لیا اور ان کی مثل سونے چاندی اور تانبے کی صورتیں بنا لیں اور ان پانچوں کے نام رکھ دیئے اور نوح علیہ السلام کے زمانہ تک انہیں بتوں کو پوجتے رہے اور اپنی اولاد کو بھی وصیت کرتے رہتے کہ انہی بتوں کو پوجتے رہنا اور ودّ' سواع' یعوق' نسر' یغوث کو نہ چھوڑنا۔

حضرت نوح علیہ السلام ان کو اسلام کی دعوت دیتے لیکن انہوں نے نوح علیہ السلام کی اطاعت نہیں کی تو نوح علیہ السلام نے دعا کی: ''رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا'' (نوح:۲۶) اے میرے رب! کافروں میں سے کوئی زمین پر بسنے والا نہ چھوڑ' تو اللہ

Marfat.com

تعالیٰ نے ان سب کو غرق کر دیا' ان میں سے اسی اشخاص باقی بچے جو اسلام پر قائم رہے۔ چالیس مرد اور چالیس عورتیں' پھر سب کا انتقال ہو گیا اور تین شخص باقی رہے جن کے نام درج ذیل تھے:

(۱) سام (۲) حام (۳) یافث۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی پشتوں سے اولادِ آدم کو نکالا اور وہ اصنام (بت) کیچڑ میں چھپا دیئے گئے۔

پھر جب حضرت اسماعیل علیہ السلام مبعوث ہوئے تو ابلیس نے ان پانچوں بتوں کو کیچڑ سے نکال کر ایک غطفان نامی قبیلہ کو دیئے' پھر اور بت تراشتے گئے یہاں تک کہ ان کی تعداد تین سو ساٹھ ہو گئی تو مشرکین کی چار صنف ہو گئیں: (۱) ایک صنف نے کہا: فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں (نعوذ باللہ) (۲) ایک صنف نے کہا: اصنام (بت) اللہ کی بیٹیاں ہیں (۳) ایک نے کہا: اصنام اللہ کے شریک ہیں (۴) ایک نے کہا: فرشتے اور اصنام دونوں اللہ کی بیٹیاں نہیں ہیں نہ اس کے شرکاء ہیں' لیکن انہوں نے کہا کہ اصنام آسمان کی طرح ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہماری سفارش کرنے والے ہیں جب یہ بت ہم سے راضی ہوتے ہیں تو آسمان کا خدا ہم سے راضی ہوتا ہے اور یہ ان کو پوجتے تھے۔

پھر ہمارا اجماع ہے کہ کفر ابغض المبغوضات ہے۔ اللہ کے نزدیک یہاں تک کہ کافر جب کفر کرتا ہے تو قریب ہے کہ زمین و آسمان پھٹ جائیں اور اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو ہلاک کر دے' ان کی نحوست کی وجہ سے اور ان کی وجہ سے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا'' (مریم:۹۰) قریب ہے کہ آسمان اس سے پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ڈھ کر گر جائیں۔

اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ جو شخص کفر نہ کرے لیکن دوسرے کے کفر پر راضی ہو' اگر چہ ایک ساعت کے لیے ہو تو وہ کافر ہو جائے گا' یہاں تک کہ اگر کوئی کافر کہے: مسلمان کر لو اور یہ کہے کہ ایک ساعت صبر کر یا کہے کہ فلاں کے پاس جا تو کافر ہو جائے گا۔

ایسے ہی اگر ظلم و معصیت پر راضی ہو تو کافر ہو جائے گا اور اگر کفر و معصیت اور ظلم کو پسند کرے تو کافر ہو جائے گا اور ایسے ہی جو کفر و اسلام میں یا معصیت و طاعت میں فرق نہ کرے' کافر ہو جائے گا یا حلال و حرام میں فرق نہ کرے تو کافر ہو جائے گا اور ایسے ہی اگر

Marfat.com

نیت کی کہ کفر کرے گا تو فی الفور کافر ہو جائے گا۔ایسے ہی اگر کسی مسلمان کے کفر پر گواہی دے تو اسی وقت کافر ہو جائے گا اور اسی طرح اگر بغیر تقیہ کے شعائر کفر کا اظہار کیا تو کافر ہو جائے گا۔اعاذنا اللہ تعالیٰ

تیرھواں قول
آتش پرستوں کا بیان

جان لیجئے کہ مجوس (آتش پرست) تین قسم کے ہیں۔ایک زمزمیہ اور وہ یہ کرتے ہیں کہ جب آتش کدہ میں داخل ہوتے ہیں تو منہ سے سیٹی بجاتے ہیں اور اصل میں ان کی ابتداء اس وقت سے ہوئی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ نے نہیں جلایا تو ابلیس نے آ کر ان سے سرگوشی کی اور کہا: حکیم وعلیم کے لیے یہ اچھا اور مستحسن نہیں کہ ایک چیز کو پیدا کرے اور پھر اس کی ضد کو پیدا کرلے اور اس پر ضد کو مسلط کر دے یہاں تک کہ اس کو ہلاک کر دے لیکن (بلکہ) ہر حسین وجمیل نافع ہے' نور ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور ہر قبیح گمراہ اور گمراہ کن چیز نقصان دہ اور نار ہے وہ ابلیس کی طرف سے ہے اور یہ دونوں بھائی ہیں (یعنی اچھی چیزوں کو پیدا کرنے والا خدا ہے اور بری اور نقصان دہ اشیاء کا پیدا کرنے والا شیطان ہے' یہ شیطان نے نظریہ پیش کیا)۔

ایک کا نام یزدان ہے اور دوسرے کا نام اہرمن ہے اور ان دونوں میں پہلے سے عداوت تھی یہ (متذکرہ بالا فرقۂ مجوس) اس پر اعتقاد رکھتے ہیں اور آپ کی پوجا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ نے اس لیے نہیں جلایا کہ وہ آگ کی پوجا کرتے تھے اور ہم بھی اس لیے آگ کی پوجا کرتے ہیں تاکہ آگ ہمیں آخرت میں نہ جلائے۔

اور بعض نے ایک دوسری علت نکالی کہ قابیل کی قربانی کو آگ نے اس لیے جلایا کہ آتش پرست تھے اور ہابیل کی قربانی کو آگ نے جلا دیا کہ وہ آتش پرست نہ تھے اور یہ لوگ منہ بند رکھتے ہیں تاکہ آگ کو ان کے سانس سے تکلیف نہ پہنچے اور نیز آگ کے سامنے سوتے نہیں اور آگ بجھنے نہیں دیتے۔

Marfat.com

مجوسیوں کے ایک فرقہ کا نام شماسیہ ہے' وہ آفتاب پرست ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ سورج اللہ کا بڑا نور ہے۔

اور تیسری صنف کو شمسیہ کہتے ہیں' یہ قوم ہر نور کو پوجتی ہے جیسے سورج' چاند' ستارے' آگ وغیر ذلک اور کہتے ہیں کہ یہ تمام انوار اصل میں ایک ہی نور تھا جب مخلوق یعنی عرش' لوح' آسمان پیدا نہیں ہوئے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء کو پیدا کیا یہ انوار متفرق ہو گئے اور یہ دیکھنے میں متفرق ہیں اور حقیقت میں ایک ہی نور ہے اور وہ اللہ کا نور ہے۔

اور اس قول کا مآل و مرجع بھی دراصل تناسخ ہی قرار پاتا ہے اور جوہر بسیط میں قول فلاسفہ کے مشابہ ہے۔

دیگر فرقوں کا بیان

اور ایسے ہی وثنیہ' برامہ اور ثمنیہ اہل ہیبت میں سے اور حلولیہ بلادِ خاقانیہ سے' سب یہی عقیدہ رکھتے ہیں اور پھر مجوس کا حکم رتبہ میں اہل کتاب کی طرح ہے۔ اس لیے کہ ان کے پاس شبہۃ الکتاب ہے' اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مجوس کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب ہے اور ان میں ایک عادل بادشاہ تھا اور لوگ اس سے اس کے عدل کی وجہ سے محبت کرتے تھے' پھر یہ بادشاہ اپنی بہن پر عاشق ہو گیا اور اس سے صحبت کر بیٹھا' اس (بہن) نے لوگوں سے راز فاش کر دیا اور (اپنے بھائی) بادشاہ کی شکایت کی اور لوگ یہ سن کر بادشاہ کے خلاف نکل کھڑے ہوئے۔

بادشاہ اپنے محل پر چڑھا اور کہنے لگا: اے لوگو! ہم جنات کی اولاد ہیں؟ سب نے کہا: ہم آدم کی اولاد ہیں۔ بادشاہ نے کہا: کیا آدم علیہ السلام کی شریعت تھی؟ سب نے کہا: ہاں تھی۔ تو بادشاہ نے کہا: ان کی شریعت اولیٰ ہے (یعنی اس میں بہن سے نکاح جائز تھا)۔ سب نے کہا: تو سچ کہتا ہے' پھر بادشاہ لوٹ آیا اور اپنی بہن سے نکاح کر لیا اور اپنے حبالۂ نکاح میں لے لیا' پھر جب رات کو سویا تو اللہ تعالیٰ نے کتاب اٹھا لی۔

اور بعض نے کہا کہ ان کے پاس کتاب کے مشابہ ہے' اس معنیٰ کے لحاظ سے کہ ان میں متنبّی تھا' اس کو زردشت کہتے ہیں' اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور ایک کتاب اس نے لوگوں کے سامنے پیش کی' اس کو ژندو پاژند کہا جاتا تھا اور اس نے کہا: یہ کتاب اللہ کی طرف سے ہے'

Marfat.com

اس میں احکام وقصص اور امر ونہی وغیرہ بہت سی باتیں ہیں جو سب خلافِ شرع ہیں اور اس کتاب (ژندو پاژند) کی زبان ایسی ہے کہ کسی نے اس زبان کے ساتھ تکلم نہیں کیا اور یہ تین قسم ہیں:

(۱) زرادشتہ (۲) مردکیہ (۲) نوشیروانیہ اور ان کا کفر ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دامنِ رحمت میں پناہ دے۔

چودھواں قول
یہودیوں کا بیان

معلوم ہونا چاہیے کہ یہود کی دو قسمیں ہیں: (۱) عزیزیہ (۲) سامریہ اسی کو سماریہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہود حضرت عزیر علیہ السلام کے زمانہ میں ظاہر ہوئے' اس لیے کہ بخت نصر نے جب بیت المقدس کو خراب کیا اور ان کے بچوں کو قیدی بنالیا اور حضرت عزیر بھی قیدیوں میں تھے اور وہ کم سن تھے اور ان کو قید کر کے سرزمین عراق میں پہنچا دیا' چنانچہ جب بخت نصر فوت ہو گیا اور اس کی جگہ دوسرا بادشاہ تخت نشین ہوا اور اس نے بنی اسرائیل کی ایک عورت سے نکاح کرلیا اور وہ عورت اسے بہت محبوب تھی' اس کو بہت چاہتا تھا۔

ایک دن بادشاہ نے کہا: مانگ جو تیری حاجت ہو۔ اس پر وہ (اس کی محبوب بیوی) کہنے لگی: بنی اسرائیل (جو قید تھے) مجھے بخش دے۔ اسی نے بنی اسرائیل اسے بخش دیئے اور ان سب کو بیت المقدس بھیج دیا اور حضرت عزیر علیہ السلام جب جوان ہو گئے' حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور ان کے دہن اقدس میں دم کیا' پھونک ماری تو حضرت عزیر علیہ السلام کو تمام ''تورات'' حفظ ہوگئی' پھر جب تمام قیدی بیت المقدس بھیج دیئے گئے اور بیت المقدس میں کچھ بچے کھچے بوڑھے آدمی رہ گئے تھے' ان قیدیوں نے ان مشائخ کو خبر دی کہ ہم میں ایک شخص ''تورات'' کا حافظ ہے تو مشائخ نے کہا کہ ہاں! ہم نے بھی سنا ہے کہ قیدیوں میں ایک شخص ہے جس کو ''تورات'' حفظ ہے تو انہوں نے ''تورات'' طلب کی' آپ نے ''تورات'' پڑھ پڑھ کر سنائی تو ان میں سے ایک آیا اور کہنے لگا: میں نے اپنے والد سے سنا

Marfat.com

ہے کہ اس نے ایک جگہ ''تورات'' چھپا رکھی ہے چنانچہ نو آدمیوں نے مزید گواہی دی اور اس کی تصدیق کی کہ جبات مصفوفہ میں ''تورات'' چھپائی ہوئی ہے' جو ایک انگور کے باغ میں ہے 'لہٰذا سب وہاں گئے اور تلاش و جستجو کے بعد انہیں ''تورات'' کا ایک نسخہ مل گیا' اب انہوں نے اس دریافت شدہ نسخہ کا اس نسخہ سے مقابلہ کیا جو حضرت عزیر علیہ السلام نے لکھوایا تھا تو انہوں نے اس میں ایک لفظ کی بھی زیادتی یا کمی نہ پائی تو اب ابلیس آیا اور اس شیطان مردود نے لوگوں کو اس طرح بہکایا کہ کہنے لگا کہ اگر عزیر علیہ السلام خدا کے بیٹے نہ ہوتے تو ''تورات'' انہیں حفظ نہ ہوتی' یہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں' متبنّی بنے ہوئے ہیں اور ''تورات'' چالیس جزوں پر مشتمل تھیں' چار آدمیوں کو پوری حفظ تھی: (۱) موسیٰ (۲) ہارون (۳) یوشع (۴) عزیر علیہم السلام اجمعین اور ان یہودیوں کے پاس ایک دو صحیفہ تھے۔ ابلیس نے کہا کہ یہ ابن اللہ (اللہ کے بیٹے) ہیں' خدا نے ان کو بیٹا بنایا ہے' لوگ معتقد ہو گئے اور ''عزیر ابن اللہ'' کہنے لگے۔

یہود کی دوسری قسم

یہود کی صنف ثانی سامریہ ہے' یہ وہ لوگ ہیں جو گوسالہ پرستی کرتے یعنی بچھڑے کی پوجا کرتے تھے' یہ اس لیے کہ سامری نے ایک بچھڑے کا مجسمہ بنایا جو آواز نکالتا تھا اور سامری نے کہا تھا کہ ہمارے جسم ناپاک ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی خدمت کی صلاحیت نہیں رکھتے اور یہ گائے پاک ہے' ہم اس کی عبادت کریں تاکہ یہ اللہ کے حضور ہماری شفاعت کرے' یہ لوگ اور بت پرست برابر ہیں۔ ان یہودیوں اور بت پرستوں میں کچھ فرق نہیں۔

اور یہودیوں میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت سے پہلے کوئی شریعت نہ تھی اور ان کے بعد بھی کوئی شریعت نہیں اور موسیٰ علیہ السلام کے سوا کوئی پیغمبر صاحب شریعت نہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ کا دیدار نہ ہوگا' اگر دیدار جائز و ممکن ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام کو کیوں منع کیا گیا اور جب منع کیا گیا تو یہی صحیح ہوا کہ خدا کا دیدار نہ ہوگا۔

بعض یہودی وہ ہیں جو حضورِ اقدس ﷺ کو عرب و عجم کے لیے صاحب شریعت مانتے ہیں کیونکہ ان (عرب و عجم) کے پاس شریعت نہ تھی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو ان کی طرف بھیجا اور بنی اسرائیل کے پاس تو کتاب و شریعت تھی' لہٰذا کتاب و شریعت کا نسخ جائز نہیں۔

Marfat.com

اور اس کا جواب پہلے دیا جا چکا ہے اور یہی منصوص ہے' اللہ تعالیٰ کے اس قول سے کہ ''وما ارسلناک الا کافۃ للناس بشیرا و نذیرا'' (سبا:۲۸) اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام لوگوں کے لیے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا۔ والحمد للہ بکرۃ و اصیلا۔

پندرھواں قول
نصاریٰ کا بیان

نصاریٰ کی تین قسمیں ہیں: (۱) ملکائیہ (۲) نسطوریہ (۳) ماریعقوبیہ۔

اور یہ فرقے اس لیے ظاہر ہوئے کہ ان کے اور یہود کے درمیان عداوت تھی اور سخت لڑائی جھگڑے رہتے تھے اور بے شمار یہودیوں کو نصاریٰ نے قتل کر دیا تھا۔

ایک یہودی عالم تھا' اس کے سبب سے منازعت تھا' اس نے ازراہِ عذر تدبر کیا اور اپنا ہاتھ اپنے چہرے پر مارا اور ایک آنکھ پھوڑ دی' پھر نصاریٰ کے پاس آیا اور کہا: تم مجھ کو پہچانتے ہو؟ سب نے کہا: ہاں! پہچانتے ہیں۔ کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام فلاں رات آسمان سے اترے اور فرمایا: ای فلاں! تو نے میری امت کے ساتھ کیا کیا اور ایک تھپڑ رسید کیا تو میری آنکھ پھوڑ دی تو میں نے اسی وقت یہودیت سے توبہ کر لی اور یہودی مذہب کا بطلان مجھ پر ظاہر ہو گیا' اب میں عیسائی ہوں۔ لوگوں نے اس کو سچا جان لیا اور اپنے بیٹوں کو جمع کیا اور اس کے سپرد کر دیا کہ اس سے تعلیم حاصل کریں' اس (یہودی عالم) نے ان میں سے تین آدمی چن لیے: ملکا' نسطور' ماریعقوب۔ جب ان تینوں نے خوب علم حاصل کر لیا اور اس کے معتقد ہو گئے تو ایک دن ملکا سے کہا کہ تو عیسیٰ علیہ السلام کو جانتا ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں! وہ اللہ تعالیٰ کے رسول اور نبی اور روح اللہ ہیں۔ اس یہودی نے کہا: ایسی بات نہ کرو' کیا کسی نے مادرزاد اندھوں کو بینا کیا؟ کوڑھی اور برص زدہ لوگوں کو اچھا کیا؟ اور مردہ کو زندہ کیا؟ اور پرندہ کو پیدا کیا؟

بلکہ وہ اللہ ہیں' آسمان سے اتر کر جو کچھ کیا کر گزرے اور پھر آسمان پر چڑھ گئے۔

اور یہ بات کسی سے نہ کہنا صرف اپنے دل میں رکھنا اور اس نے اپنے دل میں رکھا اور اعتقاد کیا۔

Marfat.com

نسطور سے علیحدہ ہو کر کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو جانتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں! وہ اللہ کے نبی اور روح اللہ ہیں اور اس کے بندے تھے۔ اس یہودی نے کہا: ایسی بات نہ کرو کیا کسی نبی نے ایسا ایسا کیا؟ وہی بات اس سے بھی کہی جو ملکا سے کہی تھی اور کہا کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں' آسمان سے اتر کر انہوں نے ایسا ایسا کیا اور پھر آسمان کی طرف لوٹ گئے۔ نسطور نے یہ بات مان کر اعتقاد کر لیا۔

پھر ماریعقوب سے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو جانتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں! وہ اللہ کے نبی اور رسول اور اس کی روح ہیں' رومیوں میں سے تھے۔ یہودی نے کہا کہ اس بات سے توبہ کرو اور یہ اعتقاد کرو کہ وہ الٰہ اور ابن الٰہ تھے' اس لیے کہ لاہوت آسمان سے اتر کر ناسوت میں داخل ہوئے اور پھر عیسیٰ بن کر نکلے اور وہ تین میں کا تیسرا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کی خبر دی: ''لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ '' (المائدہ:۷۳) تحقیق کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تینوں میں سے تیسرا ہے' اور پھر ان کے قول کا ابطال فرمایا: ''مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ '' (المائدہ:۷۵) مسیح ابن مریم نہیں ہیں مگر رسول کہ ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں۔ پھر وہ حبر (عالم) ان کے پاس سے چلا گیا۔ ایک دن تینوں شاگرد جمع ہوئے اور ہر ایک نے کہا: دین یہ ہے' دوسرے نے کہا: دین یہ ہے۔ تیسرے نے کہا: دین اس طرح ہے۔ پھر ان میں اختلاف ہوا اور قتل وقتال شروع ہو گیا یہاں تک کہ ان کے چالیس ہزار افراد ہلاک ہو گئے اور یہ اختلاف ان میں اسی طرح باقی رہا۔

اختلاف کی دوسری وجہ

بعض فقہاء نے فرمایا کہ ان میں اختلاف اس لیے پیدا ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام بیت المقدس میں داخل ہوئے اور نبوت کا دعویٰ کیا اور عزیر علیہ السلام کا ایک سو سال پہلے انتقال ہو چکا تھا اور ''تورات'' ان کے پاس موجود نہ رہی تھی تو بنی اسرائیل نے عیسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اگر اللہ کے نبی ہیں تو ''تورات'' لایئے' اس لیے کہ عزیر علیہ السلام ہم سے ''تورات'' لے گئے۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام نے اوّل سے آخر تک ''تورات'' بغیر کسی کمی وبیشی کے لکھ دی' پھر اس میں لوگوں نے اختلاف کیا۔

Marfat.com

بعض نے کہا: اس میں کمی بیشی ہے اور تغیر ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلام کو زندہ فرمایا۔ آپ اٹھے اور بیت المقدس میں داخل ہوئے اور لوگ عیسیٰ علیہ السلام سے مناظرہ کرنے لگے۔ صخرہ کے پاس جو مسجد میں ہے لوگوں نے آپ کو پہچان لیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت عزیر علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اے عزیر! تورات کہاں رکھی ہے؟ عزیر علیہ السلام نے فرمایا: اسی مسجد میں فلاں ستون کے نیچے۔ انہوں نے وہ جگہ کھودی اور وہاں سے "تورات" مل گئی' پھر اس "تورات" کا مقابلہ اس "تورات" سے کیا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لکھوائی تھی اس کو ہو بہو وہی پایا بغیر زیادتی ونقصان کے' ایک لفظ بھی بدلہ ہوا نہ پایا۔

ابلیس آیا اور ان کو بہکایا کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں' اس لیے کہ جو انسانوں میں سے مر گیا وہ قیامت کو اٹھایا جائے گا اور عزیر علیہ السلام مرے ہی نہ تھے بلکہ وہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے پاس چلے گئے تھے اور اب آسمان سے اترے ہیں۔

اور بعض نے کہا: مسیح ابن اللہ ہیں' اس لیے کہ اگر وہ ابن اللہ نہ ہوتے تو "تورات" کے حافظ نہ ہوتے حالانکہ وہ بغیر حفظ کیے حافظ تھے تو ان میں اختلاف رونما ہوا۔

نعوذ باللہ من وسوسة الشیطن

سولہواں قول
تناسخیہ کا بیان

تناسخیہ کی چار قسمیں ہیں۔ پھر ان سے (ذیلی شاخیں) چوراسی نکلتی ہیں گویا کہ کل ان کی چوراسی اصناف ہیں۔

صنف اوّل کے عقائد ونظریات

پہلی صنف اللہ تعالیٰ کو نور مانتی ہے' اس کا کہنا ہے کہ تمام انوار اللہ تعالیٰ (جو کہ نور ہے) کے نور سے نکلے ہیں' سورج' چاند' ستاروں کا نور اور اسی طرح آنکھ کا نور اور سماعت' قوت کلام وغیر ذلک تمام اللہ کے نور سے ہیں اور روح' اللہ کے نور سے ہے (یونہی) نار اور

Marfat.com

دوسرے انوار بھی اللہ تعالیٰ کے نور سے ہیں اور یہ سب انوار کی عبادت کرتے ہیں اور بلادِ ہند اور کشمیر میں براہمہ کا یہ مذہب ہے اور عرب وعجم میں مجوس کا یہی مذہب ہے اور ایسے ہی مجوس نے کہا کہ اللہ نے ابلیس کو نار سے پیدا کیا اور نار اللہ تعالیٰ کے نور سے ہے تو ابلیس اللہ کا بھائی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کی بکواس سے بلند وبالا ہے۔ اسی وجہ سے وہ آگ کو پوجتے ہیں کہ ابلیس آگ سے پیدا ہوا ہے۔

دوسری صنف

یہ کہتے ہیں کہ تمام ارواح اور تمام اعیان صانع کا جز ہیں' اس لیے کہ جب صانع نے تمام اشیاء کو پیدا کیا تو صانع کا فعل اور صنع اس سے شروع ہو کر مصنوع تک منتہیٰ پذیر ہوا اور صنع وفعل مصنوع میں حلول کیے ہوئے ہے۔ پس مفعولات صانع کے جز سے حاصل ہوتے ہیں اور جو یہ کہے کہ تکوین اور مکون اور تفصیل ومفعل ایک ہیں تو یہ قول تناسخیہ سے لازم آتا ہے۔

مانویہ کہتے ہیں کہ باری تعالیٰ بذاتِ خود ہر مکان میں حلول کیے ہوئے ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ ہر شاہد (نظر آنے والی چیز) میں اللہ حلول کیے ہوئے ہے اور وہ ہر ایسی چیز کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو آنکھوں سے محسوس ہوتی ہے' جیسے انوار واعیان' پہاڑ اور پانی' درخت' گھوڑا' اونٹ' گائے' بکری اور نباتات' مرد وزن وغیرہ اور یہ حلاجیہ میں حلولیہ کا مذہب ہے اور غالیہ روافض کا بھی یہی مذہب ہے اور اسی وجہ سے انہوں نے کہا کہ حضرت علی خدا ہیں۔

اسی وجہ سے ''فرقہ مانویہ'' جو بلادِ چین' ختن' تبت' ختا اور خاقانیہ وغیرہ کی طرف ہیں' وہ کہتے ہیں کہ انسان کو جس چیز کی بھی خواہش ہو مثلاً غیروں کی عورتیں اور ان کی لونڈیاں' ان کی بیٹیاں' بیٹے یہ سب مباح ہیں اور کہتے ہیں کہ جو منع کرے وہ کافر ہو جائے گا' اس لیے کہ یہ اشتہاء اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ اشتہاء کرتا ہے اپنے نفس کے لیے اپنی طرف سے' بعض نصاریٰ کا بھی یہی مذہب ہے' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے خواہش کی مریم سے اور مریم میں داخل ہوا اور مریم سے عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے' یہ (نصاریٰ) اس اعتقاد و بکواس کی وجہ سے کافر ہو گئے اور اللہ تعالیٰ ان خرافات اور صفاتِ مخلوقات سے منزہ ومبرا ہے۔

Marfat.com

تیسری صنف

انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نفس سے نور لیا اور اس کی تین قسمیں کیں تو پہلی قسم سے تو جنت کو پیدا کیا اور اس کا نام ''مکان الاماکن'' رکھا اور قسم ثانی سے فرشتوں کو پیدا کیا اور ان کا نام ''نفس روحانیہ'' رکھا اور تیسری قسم سے آدمیوں کی روحیں پیدا کیں اور اس کا نام ''نفسِ انسانی'' رکھا۔

اور اس معنیٰ کے لحاظ سے کہا کہ جنت قدیم ہے اور ملائکہ قدیم ہیں اور ارواح قدیم ہیں ان کا کفر ظاہر ہے۔

پھر کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ارواح اور جنت سے نور لے کر دنیا جہاں کو پیدا کر ڈالا' اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ زمین و آسمان حادث ہیں تو پھر ان میں کون وفساد کہاں سے داخل ہوگا؟

پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا مکان جنت ٹھہرایا اور آدمیوں کی ارواح کا مکان دنیا میں اور آدمیوں کی ارواح نے اپنے بارے میں سوچا کہ ہمارا درجہ اور ہماری فضیلت فرشتوں کی روحوں سے زیادہ ہے اور مکان ان کا اعلیٰ و پائیدار ہے تو ہم محدث کیسے ہوئے؟

تو پھر انہوں نے آسمان پر چڑھنے کا عزم کیا' یہ گمان کرتے ہوئے کہ ہم زبردستی فرشتوں سے وہ مکان لے لیں گے جو کہ جنت ہے اور یہ عزم تمام روحوں نے کیا' بلکہ کافروں اور سرکشوں کی روحوں نے کیا اور ایمان والوں کی ارواح نے خوف و امید کے ساتھ بغیر قصد کے ان کی فرماں برداری کی اور ارواح انبیاء علیہم السلام جانتی تھیں کہ ایسا نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے خلاف نہیں ہوسکتا تو مجبوراً انہوں نے بھی متابعت کی۔

پھر جب یہ سب روحیں آسمان پر چڑھیں اور ارواحِ ملائکہ کے ساتھ جمع ہوئیں تو انبیاء و علماء کی روحوں نے علم و حکمت سیکھ لی' اس لیے کہ وہ مکرمین ہیں تو ان کو فضیلت حاصل ہے اور انہوں نے کہا کہ وحی و انباء (خبر دینا) اس علم و حکمت سے ہے۔ پھر قرآن و کلام وغیرہ روحوں کے لیے ہے اور وہ اس کے کلام اللہ ہونے اور جبریل کے لیے وحی کا انکار کرتے ہیں اور انہوں نے کہا کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے: ''**الارواح جنود مجندة فما تعارف هناک ایتلف ههنا وما تناکر هناک اختلف ههنا** ''انہوں نے اس حدیث کے پیشِ نظر کلام کے یہ معنیٰ مذکورہ بالا لیے اور انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو سزا دی اور ان

Marfat.com

کو آسمان سے زمین کی طرف دفع کر دیا اور انہیں زمین میں دھنسا دیا اور وہ مٹی اور کیچڑ میں خلط ملط ہو گئے اور یہ معنیٰ ہیں اس آیت کے ''ثم رددناہ اسفل سافلین '' (التین :۵) پھر ہم نے انہیں نچلے ترین طبقے میں لوٹا دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے روئے زمین سے ایک مٹھی لی مع اجزاء وارواح کے اور اس مشت خاک سے روحوں کو ظاہر کیا اور آدم علیہ السلام کو پیدا کیا' پھر نبات وزرع اور درخت اور پتھروں اور متحرک چیزوں کو جو بھی زمین سے نکلتی ہے' یہ نکلی ہوئی روحیں اور ان کی نشو ونما روحوں کی تاثیر سے ہوتی ہے تو ہر وہ روح جس کے گناہ مٹا دیئے گئے۔

اس لیے کہ آدمی کل کو کھاتا ہے اور یہ جز آدمی کی روح سے متصل ہو جاتا ہے اور بعض بہائم کھا جاتے ہیں بعینہٖ گناہ کی وجہ سے' پھر آدمی جب اس حیوان کو کھاتا ہے تو بسا اوقات پرندوں اور درندوں کو کھاتا ہے۔

اور بعض اوقات کوئی بھی نہیں کھاتا' نباتات یا پھل اور بہیمہ مر جاتا ہے نجس' تو جو روح اس میں تھی وہ زمین کی طرف لوٹ جاتی ہے یا درندے اور کتے کی طرف تو پھر ایک شخص سے دوسرے شخص کی طرف اور ایک شئی سے دوسری شے کی طرف ہمیشہ منتقل ہوتی رہتی ہے' یہاں تک کہ گناہوں سے پاک ہو جانے کے بعد آدمی تک پہنچ جاتی ہے۔ پھر آدمی جب گناہ کرتا ہے اور مر جاتا ہے تو اس کی روح اس کے جسم سے نکل کر کتے یا خنزیر یا کافر کے جسم میں داخل ہوتی ہے تو اس میں اسے عذاب دیا جاتا ہے' اس کلام کا ماحصل یہ ہے کہ آخر کار تمام روحیں گناہوں سے پاک ہو جاتی ہیں' کیونکہ سب نے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جانا ہے اور دنیا میں کسی روح نے باقی نہیں رہنا تو اس وقت عالم فنا ہو جائے گا اور تمام روحیں بغیر عقاب و عذاب جنت میں ہوں گی اور یہ (سب بکواس) کفر ہے۔

اور سب کچھ انہوں نے اس بنیاد پر کہا کہ انسان کبھی گھاس ہوتا ہے اور کبھی چوپایہ اور درندہ اور کبھی کافر و فاجر اور کبھی مؤمن ہوتا ہے اور کبھی نبی ہوتا ہے اور یہ اہل مصر وغیرہ کے بعض روافض کا مذہب ہے۔

صنف چہارم کے عقائد ونظریات

صنف چہارم کے نزدیک ارواح تین ہیں: (۱) روح کلی (۲) روح جزئی (۲) روح

Marfat.com

متصل۔

روحِ کلی وہ ہے جس کے ساتھ اشیاء قائم ہیں' فلاسفہ اس کو جوہر بسیط کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور مراد اس سے صانع لیتے ہیں۔

روحِ جزئی' وہ حیوان اور آدمی ہے۔

تیسری روح متصل ہے جز سے کل کی طرف اور وہ ہوا ہے اس لیے کہ کلام وسمع وبصر اور علم وحکمت اور برہان اور ذہن وعقل یہ سب روح کلی کے ساتھ اور روح جزئی کی طرف بواسطۂ ثالث اثر کرتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہی معنیٰ وحی کے ہیں اور دوسری وحی کی حاجت نہیں اور یہ کفر ہے۔

اور بعض نے کہا: ارواح مخلوق ومحدث ہیں' لیکن ہر جسد کے لیے علیحدہ روح کی حاجت نہیں' روح ایک جسم سے نکلتی ہے اور دوسرے جسم میں داخل ہو جاتی ہے اور قیامت کے دن روحیں بغیر جسد کے اٹھائی جائیں گی اور ثواب وعقاب روح کو بغیر جسد کے ہوگا۔

اور بعض نے کہا کہ جسد روح کے لیے اسی طرح ہے' جیسے بدن کے لیے کپڑا اور لباس ہوتا ہے' اس لیے کہ روح ایک جسم سے نکلتی ہے اور دوسرے جسم میں داخل ہوتی ہے تو اس کے درمند ہونے سے اس کو درد والم سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور اس کے متلذذ ہونے سے اس کو بھی لذت حاصل ہوتی ہے اور اس کے احساس کرنے سے یہ بھی احساس کرتی ہے اور یہ لوگ قیامت کے منکر ہیں اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ خصومات (جھگڑے) کے فیصلے اور قرض کی ادائی سب کے سب دنیا میں ہوتے ہیں' اس کا بیان یہ ہے کہ جو شخص مر گیا اور دوسرے شخص کے ذمہ اس کے لیے مال ہے' پھر اس کی روح دوسرے شخص میں داخل ہوگی اور اس بدن میں واقع ہوگی' اگرچہ بہیمہ حیوان ہے یا انکار کرے اس کے پاس جب کہ درندہ ہو یا آدمی کسی وجہ سے بھی ہو' بہرحال یہ اپنا قرض اس سے لے گا اور وصول کر کے چھوڑے گا' خواہ ظلم سے لے خواہ ہدیہ یا ہبہ سے یا چوری وغیرہ کر کے' اس سے لے گا ضرور اور اگر اس کی روح حیوان میں داخل ہوئی مثلاً گائے' بیل' اونٹ' گھوڑے وغیرہ میں تو اگر اس نے کوئی حق لینا ہے تو وہ بغیر خدمت کے مر جائے گا۔

پھر ان کے ساتھ مناظرہ کرنے میں اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ صانع کی

Marfat.com

معرفت اور اس کا ثابت' صفاتِ باری کا اثبات اور یہ کہ صانع صفاتِ محدثات سے منزہ ہے' پس اس لیے جائز نہیں ہے کہ وہ متحیز یا متبعض ہو'اس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔

اس کے بعد اثباتِ وحی اور صاحبِ وحی کے سچا ہونے کے متعلق گفتگو اور کلام کرنا چاہیے' تو اس نے ان کے کلام کے خلاف خبر دی ہے اور صاحبِ وحی کی خبر صدق (سچی) ہے اور حجت ہے اور نص ناطق ہے اور ان کے کلام کے خلاف ثبوت اللہ تعالیٰ کا یہ قول مبارک ہے کہ ''لَتُبۡعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ '' (التغابن:۷) تمہیں ضرور اٹھایا جائے گا اور تمہیں (اعمال پر) آگاہ کیا جائے گا۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ ''اَلۡیَوۡمَ تُجۡزَوۡنَ عَذَابَ الۡهُوۡنِ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ '' (الانعام:۹۳) آج تمہیں دردناک عذاب کی جزا دی جائے گی بہ سبب اس کے جو تم کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اَلۡیَوۡمَ نَخۡتِمُ عَلٰۤی اَفۡوَاهِهِمۡ وَ تُکَلِّمُنَاۤ اَیۡدِیۡهِمۡ وَ تَشۡهَدُ اَرۡجُلُهُمۡ بِمَا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ '' (یٰسین:۶۵) آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ کلام کریں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے بہ سبب اس کے جو وہ کمایا کرتے تھے' اور اس لیے کہ اجسادِ روح کے ساتھ گناہ کرنے میں شریک ہیں تو جزا میں بھی یقیناً شریک ہوں گے۔

اور دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ ''یوم تاتی کل نفس تجادل عن نفسها '' (النحل:۱۱۱) اس دن ہر جان اپنی ہی طرف جھگڑتی ہوئی آئے گی' یعنی نفس روح کے ساتھ مجادلہ (جھگڑا) کرے گا بایں طور کہ نفس کہے گا: تو نے گناہ کیا ہے اور روح کہے گی کہ تو نے گناہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ ''ثُمَّ اِنَّکُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ عِنۡدَ رَبِّکُمۡ تَخۡتَصِمُوۡنَ '' (الزمر:۳۱) پھر تم قیامت کے دن اپنے رب کے ہاں جھگڑو گے۔ اس کی تفسیر میں ذکر کیا گیا ہے کہ روح جسم سے اور جسم روح سے یعنی روح اور جسم آپس میں جھگڑا کریں گے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے روح کو نور' نار اور ریح سے پیدا کیا ہے' یعنی آدمیوں کی روحوں کو نور سے پیدا کیا ہے اور شیاطین کی روحوں کو آگ سے اور پرندوں کی روحوں کو ہوا سے پیدا کیا ہے۔

Marfat.com

پھر ہم کہتے ہیں کہ ہر جسم میں جدا روح ہے اس لیے کہ ارواح جسموں کے ساتھ قیامت کے دن محشور میں ہوں گی اور حساب لینے کے بعد بدلہ دیا جائے گا۔

اور اگر ہر جسم کے لیے علیحدہ روح نہ ہو تو اس صورت میں حقیقت یہ ہے کہ نہ تو حشر ہو سکے گا اور نہ ہی ہر جسم اور روح کو علیحدہ علیحدہ حساب اور انہیں جزاء وسزا دی جا سکے گی۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''کُلُّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ رَهِیْنَةٌ'' (المدثر:۳۸) ہر جان جو اس نے کمایا گروی ہے۔ پھر اس پر دلیل ہے کہ قیامت کے دن تمام اجساد حاضر ہوں گے اور ہر جسم گواہی دے گا، روح، اعضاء اور نفس پر جو کچھ انہوں نے عمل کیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَیْنَا قَالُوْا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِیْ اَنْطَقَ کُلَّ شَیْءٍ'' (فصلت:۲۱) اور وہ کہیں گے اپنی جلدوں سے کہ تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی؟ تو وہ کہیں گی: ہمیں اس اللہ نے گویائی دی جس نے ہر چیز کو گویائی دی۔

اور اگر بعض اجساد حاضر ہوں اور بعض حاضر نہ ہوں تو جزا وسزا بعض کو ہو گی اور بعض کو نہیں ہو گی تو یہ عدل نہ ہو گا اور ہم نے دلائل منصوصہ سے ثابت کر دیا کہ جسم جلد اور تمام اعضاء سمیت حاضر ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰی اَفْوَاهِهِمْ وَتُکَلِّمُنَا اَیْدِیْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ'' (یٰسین:۶۵) آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ کلام کریں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے بہ سبب اس کے جو وہ کمایا کرتے تھے۔

پھر اس پر دلیل کہ روح مخلوق ہے، یہ ہے کہ ''وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ'' (الاسراء:۸۵) اور وہ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ فرما دیجیے کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے، یعنی تم فرماؤ کہ روح مخلوق ہے اور جسم میں داخل ہوتی ہے میرے رب کے حکم سے۔ پھر یہ بھی ہے کہ روح مأمور ہے اور مأمور مخلوق ہوتا ہے۔

اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَقَدَّرَ فِیْهَا اَقْوَاتَهَا فِیْ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ'' (فصلت:۱۰) اور اس میں اس کے بسنے والوں کی روزیاں مقرر کیں چار دنوں میں۔

Marfat.com

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ رزقوں کا اندازہ فرمایا' ان کے جسموں کے پیدا کرنے سے چار دن پہلے اور ہر دن ایک ہزار برس کے برابر ہے' تو یہ روح کے مخلوق ہونے کی دلیل ہے۔

روح کے مخلوق ہونے پر عقلی دلیل

اور روح کے مخلوق ہونے پر عقلی دلیل یہ ہے کہ وہ جسم میں داخل ہوتی ہے اور جسم سے نکلتی ہے تو یہ تحویل اور انتقال ہے اور تحویل و انتقال حدث ہے اور جو حدث کو قبول کرے وہ محدث اور مخلوق ہے۔

تمت الکتاب بعون الملک الوھاب

Marfat.com

Marfat.com

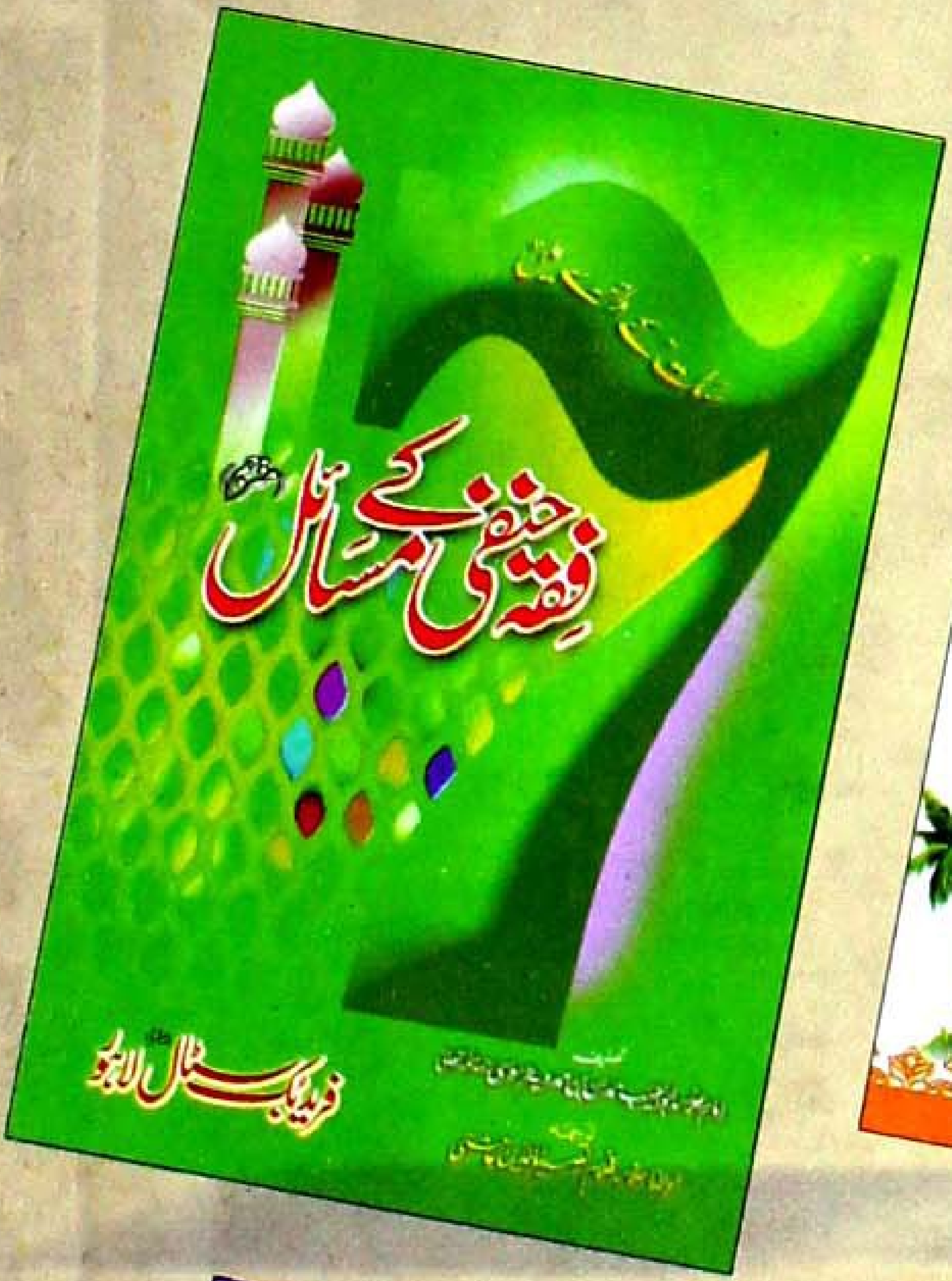

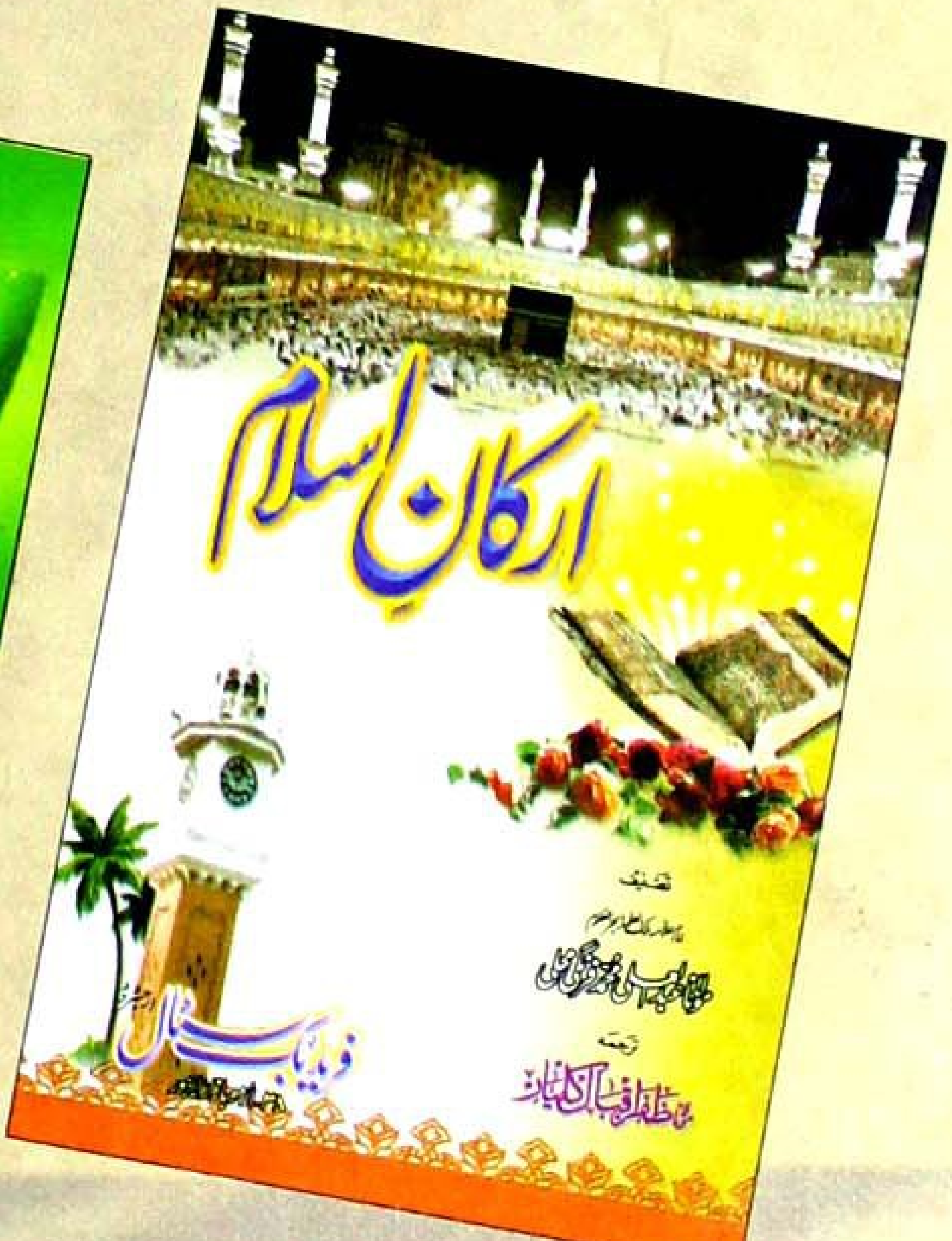

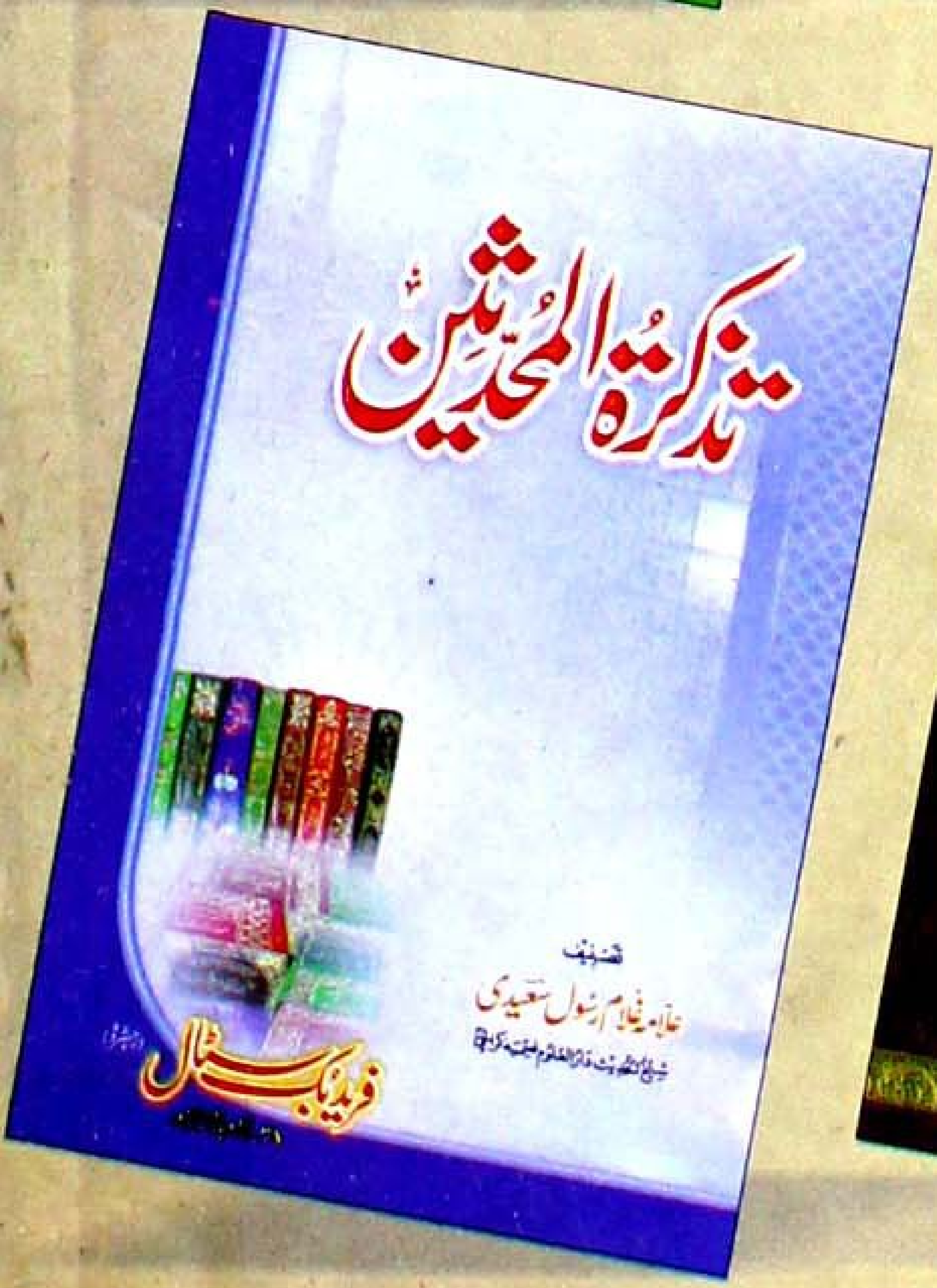

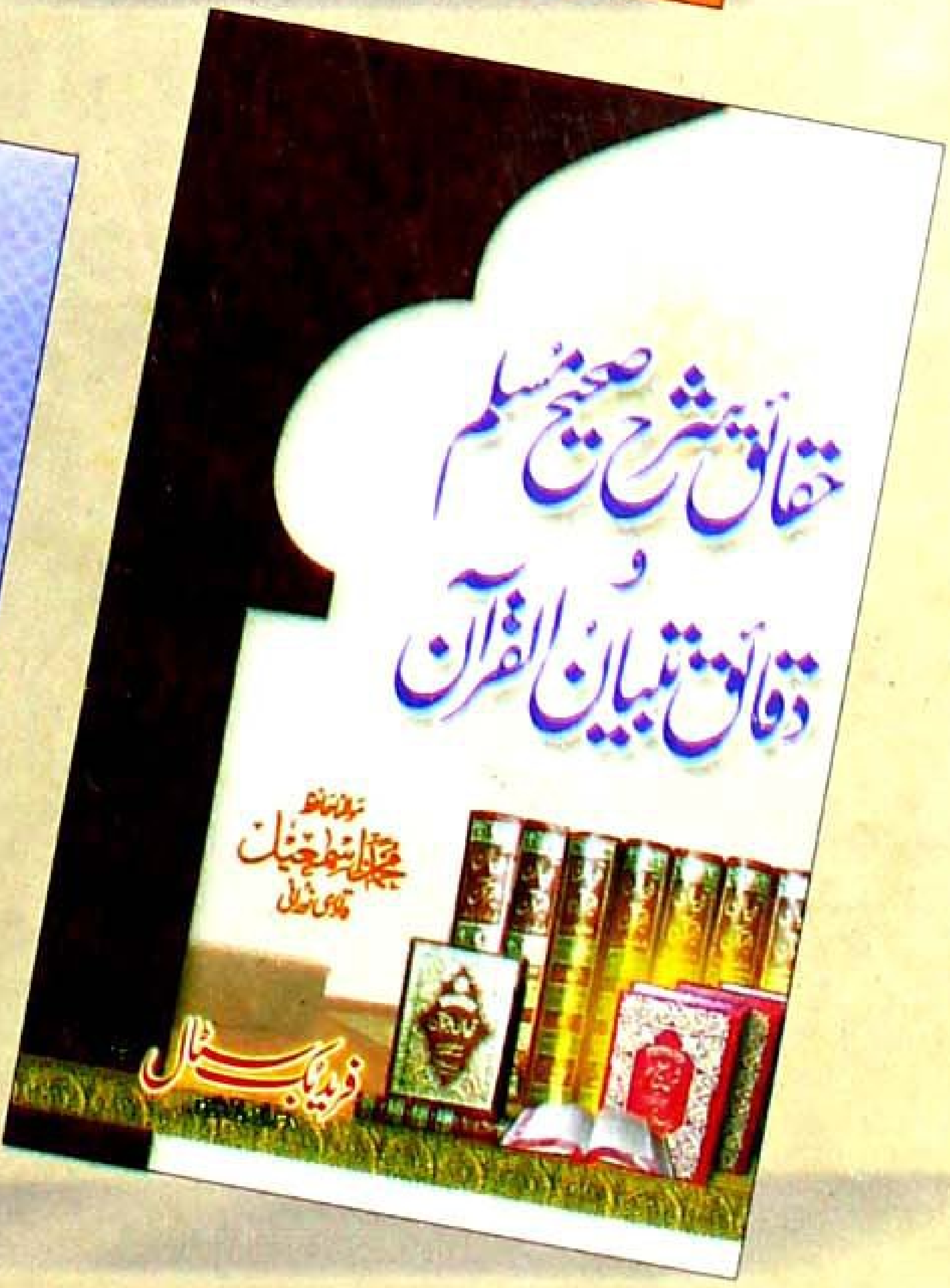

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ)
۳۸۔ اردو بازار لاہور
E-mail:info@faridbookstall.com
Web Site: www.faridbookstall.com

Marfat.com